تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

راجا رشید محمود

اختر کتاب گھر
نیو شالامار کالونی ملتان روڈ - لاہور

تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺ

راجا رشید محمود

اختر کتاب گھر
نیو شالامار کالونی ۔ ملتان روڈ ۔ لاہور

کتاب — تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

موضوع — وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تشریح

مصنف — راجا رشید محمود۔ ایم اے، فاضلِ درسِ نظامی
ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

پروف ریڈر — شمیم اختر۔ کوثر پروین

نگرانِ طباعت — اظہر محمود
ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور
ایڈیٹر ہفت روزہ "اخبارِ عام" لاہور

کمپیوٹر کمپوزنگ — نعت کمپوزنگ سنٹر
نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور۔ (ٹیلیفون: ۷۴۶۳۶۸۴)

مطبع — نیم پرنٹرز، لاہور / عثمان مجید پرنٹرز، لاہور

اشاعتِ اول — ۸ دسمبر ۱۹۹۳ء

تعداد — ایک ہزار ایک سو

قیمت — ایک سو روپے

ناشر

اختر محمود

اختر کتاب گھر

اظہر منزل۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور۔ (کوڈ ۵۴۵۰۰)

فون: ۷۴۶۳۶۸۴



اُن کے نام

جن کی رحمت سے میرا عالمِ جسم و روح قائم ہوا

اور اس میں نعت و مدحت کی خوشبوئیں پھیلیں

فہرست

دیباچہ

حضورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر (علیہم السلام) دنیا کی رہنمائی کے لیے تشریف لائے' ان کی تبلیغ کا آغاز معجزات سے ہوا۔ حضرت مُوسیٰ' حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاءِ کرام (علیہم السلام) کے معجزوں کی تفصیلات قرآنِ مجید میں بھی ملتی ہیں۔ حضور خاتمُ المرسلین شفیعُ المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کفّار یہی کہتے رہے کہ خرقِ عادت کے بغیر ہم آپ کو نبی کیسے مان لیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معجزات بھی ظاہر ہوئے اور ایسے معجزات کہ:

حُسنِ یُوسُف' دمِ عیسیٰ' یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند' تو تنہا داری

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی تبلیغ کی بنیاد نہیں بنایا۔ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا نے بار بار لوگوں سے کہا کہ میرا پیغام سنو۔ یعنی اے اپنے حواس اور دل و دماغ میں سمیٹو اور دیکھو کہ یہ کتنا بڑا اعجاز ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ قرآنِ پاک لوگوں کی عقلوں کو سلب کرنے کی بات نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغامِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے عقل کو مرعوب کرنے یا سُلانے کی بات مترشح ہوتی ہو۔ قرآن تو عقل کو بیدار کرتا ہے' اسے حقائق سے مانوس کرنا چاہتا ہے تاکہ انسان خدا کو پہچانے اور اس کے شعائر و آیات کو جانچنے میں عقل استعمال کرے۔

اسی طرح اسلام نے نفس کشی کے بجائے تزکیۂ نفس کو اہمیت دی ہے۔ وہ

انسانوں کو دنیا سے نفرت کی راہ نہیں دکھاتا بلکہ اس کے علائق سے بچ کر نکل جانے کو بہادری گردانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام رہبانیت نہیں سکھاتا' ترکِ دنیا کا سبق نہیں دیتا بلکہ دنیا میں رہ کر تعلق باللہ پیدا کرنے کو اہم بتاتا ہے۔ قرآن کے نزدیک انسانی سعادت نفس مٹانا نہیں' اس کی اصلاح کرنا ہے' اسے پاک کرنا ہے۔ قرآنِ مجید نے ایک صالح معاشرے کی تشکیل و تکمیل کی خاطر انسان کو چند پابندیوں کے ساتھ زندگی کی مسرتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی ترغیب دلائی ہے۔ پابندیاں تزکیۂ نفس کے لیے ہیں۔

قرآنِ پاک نے کائنات اور خالقِ کائنات کے ادراک کی خاطر انسان کو تفکّر کی دعوت دی ہے۔ عقل کو مختلف طریقوں سے مفلوج کرنے کی پالیسی نہیں اپنائی بلکہ اسے جلا بخشنے کے لیے اپنے ایک ایک لفظ میں معانی کے سمندر بھر دیے ہیں۔ زمین و آسمان کے تمام حقائق اس میں موجود ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

"اس قرآن میں لوگوں کے لیے حرفوں کے ادل بدل کے ساتھ کائنات کی حقیقتیں بیان کر دی ہیں۔ البتہ بہت سے لوگ انہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے"۔

سورۂ ملک میں اللہ جل شانہٗ انسان کو کائنات کے نظام پر تنقیدی نظر ڈالنے پر اکساتا ہے۔ البتہ ساتھ ہی واضح کر دیتا ہے کہ اس ناقدانہ نگاہ سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ انسان نادم ہو اور تسلیم کرے کہ خدا کے نظام میں کوئی کمزوری نہیں۔

"تو خدا کی صنعت و کائنات میں کوئی خلل نہ پائے گا۔ تو نظر ڈال کر دیکھ لے' کہیں تجھ کو خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ۔ آخر نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی"۔

پھر فرمایا:

"عنقریب ہم ان کو نفسِ انسانی کے اندر اور باہر اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ حتیٰ کہ ان پر قرآن کی صداقت ثابت ہو جائے"۔

نفسِ انسانی کے اندر اور باہر اپنی آیات دکھانے سے اللہ تعالیٰ نے کئی علوم سائنس' نفسیات' حیاتیات وغیرہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور صرف چند علوم نہیں' قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں "ہر خشک و تر کا علم موجود ہے"۔ جگہ جگہ اس نے اپنے قارئین کو قوانینِ فطرت اور مناظرِ قدرت پر غور و فکر کرنے کی اہمیت سے آگاہ کیا ہے۔ دن رات کا ایک طرح سے "آنا" موسموں کی تبدیلی' چاند سورج کی گردش' بارش سے زمین مردہ کا سرسبز و شاداب ہونا اور اسی طرح کے دوسرے مظاہر پر غور کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ قرآن مجید نے سیکڑوں مرتبہ مشاہدۂ فطرت کی دعوت دی ہے اور زمین و آسمان کی سب چیزوں کی تخلیق پر غور و فکر کرنے اور تحقیق کرنے والوں کو بندگانِ خاص بتایا ہے کیونکہ وہ غور کریں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ اللہ نے دنیا میں ہر چیز کسی خاص مقصد کے تحت پیدا کی ہے اور تحقیق کریں گے تو اس مقصد کو حاصل کر لیں گے۔ قرآن نے تلاش و تحقیق اور غور و فکر کی یہ دعوت ان الفاظ میں دی ہے۔

"وہ لوگ زمین و آسمان میں غور و فکر کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے خدا! تو نے کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی"۔

قرآن میں ہمارے لیے ہر موقع کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ اس نے جو ہمیں بار بار "تتفکّروا" اور "تتدبّروا" کی ہدایت کی ہے' یہی تو سائنس ہے۔ تحقیق و تجسّس کے جس حکم پر ہم نے من حیث القوم توجہ نہیں دی' اس کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا اور محض اس کے الفاظ پڑھ کر سر دھُننے ہی کو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کو یا تو برکت کے حصول کے لیے طاقِ نسیان پر رکھتے ہیں یا کسی کی موت آسان کرنے کے لیے پڑھتے ہیں' تحقیق و تجسّس کی اسی راہ پر چل کر لوگ چاند پر پہنچ چکے ہیں' مریخ تک جانے کے لیے پَرفشاں ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم خدا کے اس حکم کے مصداق بن رہے ہوں۔ "ان کے دماغ ہیں مگر وہ سوچتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔ یہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ اس

"سے بھی بدتر"۔ آخر ہم قرآن کے ارشادات پر کان کیوں نہیں دھرتے' اپنے دماغوں اور آنکھوں سے کام کیوں نہیں لیتے' کائنات میں غور کیوں نہیں کرتے! ہم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ علم الکلام کی بحثوں سے زیادہ اس قسم کے غور و فکر کی اہمیت ہے اور جن مسلمانوں نے اللہ کے احکام پر عمل کیا' سائنس ان کی مرہونِ منت ہے۔

ابن الہیثم' جابر ابنِ حیان' بو علی سینا' خوارزمی' ابوالعباس فرغانی' الزرقانی اور ابنِ رُشد جیسوں کو دنیائے سائنس کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے' اور کیا انہوں نے یہ سائنس قرآن ہی میں غور و فکر سے نہیں سیکھی تھی؟ انہوں نے اور ایسے دوسرے مسلمان مُوجدوں اور سائنس دانوں نے یہ علوم کسی "مغرب" سے نہیں حاصل کیے تھے۔ اس وقت مغرب یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان علوم میں اس کی بھی کوئی حیثیت ہو گی۔ مگر چشمِ دنیا نے حیرت سے یہ تماشا دیکھا کہ حتذکرو سائنس دانوں کے نام لیوا اور قرآن کے ماننے والے آپس میں ہی فروعی بحثوں میں الجھ کر رہ گئے اور دوسروں نے کائنات میں غور و فکر کی عادت کو اپنا لیا اور چاند تک جا پہنچے۔

باری تعالیٰ نے ہمیں کیسے لطیف پیرائے میں کائنات کو تحقیق کی آنکھ سے دیکھنے پر اُکسایا ہے:

"کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیسے پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح رفعت دی گئی ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح نصب کیے گئے ہیں اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے"۔

جدید سائنس ابھی اس حقیقت کی تلاش میں ہے کہ اجرامِ فلکی پر جاندار ہیں یا نہیں لیکن قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ فرما دیا تھا:

"آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور جو جاندار ان میں پیدا کیے ہیں' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں"۔

سائنس نے ہوائی جہاز بنایا ہے لیکن قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلامؑ کے جو واقعات بیان کیے ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دَور کے خدا پرست

انسان نے ہَوا مسخر کر رکھی تھی اور ایک ماہ کا سفر اس کے لیے ایک دن کا سفر ہوا کرتا تھا۔ بلقیس کا تخت لانے والے ولی اللہ کے ذکر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ہُوا اور وقت کو تسخیر کر رکھا تھا۔

سورۂ انشقاق میں ہے:

"اور ہمیں چاند کی اس حالت کی قسم جب وہ سقّے کا کام کرتا تھا۔ تم لوگ اس کے ذریعے ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں سوار ہو کر جاؤ گے۔ پھر ان کا کیا ہو گا جو ایمان نہیں لائے"۔

"تسق" کا معنی پانی پلانا' مشکیں بھر بھر کر پانی کو اتارنا چڑھانا ہے۔ چاند کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ فرما کر ثابت کر دیا کہ سمندروں کا مدّ و جزر بھی اسی کی کشش سے ہوتا ہے۔ دوسرے یہ اشارہ بھی ہے کہ چاند میں پانی ہے۔

"لترکبن" سے کسی قسم کی سواری مراد ہے۔ یعنی تم کسی سواری میں سوار ہو کر جاؤ گے۔ اس آیت کے آخر میں "فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ" سے ایمان نہ لانے والوں کے انجام کے متعلق بھی اشارہ فرما دیا۔

صرف چاند ہی کا ذکر کیا' سورۂ لقمان میں ہے:

"تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' سب کو خدا نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں"۔

یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو واضح اعلان فرما دیا ہے کہ انسان کے لیے اس نے زمینوں' آسمانوں کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے' اب یہ ہماری دردسری ہے کہ ہم تحقیق و جستجو سے وہ منزل پا لیں جس کی طرف ہمیں توجہ دلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

"اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر کے کام پر لگا دیا ہے۔ ہر ایک وقتِ مقررہ پر چلتا رہے گا۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اور یہ اس کی سلطنت ہے"۔

لیجیے! ہم تو تسخیرِ قمر کی کوششوں پر حیران و ششدر ہو رہے تھے' اللہ نے

ہمیں سورج کو تسخیر کرنے کی بشارت بھی سنا دی ہے۔

سائنس کے کسی بھی پہلو کو دیکھیں' قرآن نے ہمیں اس کی بنیاد فراہم کر دی ہے۔ نباتات کو دیکھیے تو قرآنِ پاک میں آسمانوں سے پانی برسا کر اس سے رنگ برنگے میوے اگانے کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ پھر ان کے جوڑوں کا بھی ذکر ہے۔ جدید سائنس پر' سالہا سال کے غور و فکر کے بعد اب یہ حقیقت کھلی ہے کہ نباتات میں بھی نر مادہ ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ بات بتا دی تھی۔ جمادات کی بات چھیڑیں تو سورۂ الحدید میں ہے:

"ہم نے فولاد نازل کیا' جس میں زبردست طاقت ہے اور تمہارے لیے بے شمار فائدے ہیں"۔

جغرافیائی مطالعے کا ذکر ہو تو سورۂ الذاریات میں ہے:

"یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں واضح آیات و دلائل ہیں اور خود تمہارے نفس میں بھی ایسی ہی نشانیاں ہیں' پھر تم اس کے باوجود بھی تحقیق و جستجو نہ کرو گے؟"۔

ارض کو یونانی میں "جیو" کہتے ہیں اور تبصرون (غور و فکر) کے لیے "گرافین" کا لفظ استعمال ہوا ہے' یونانی کے یہ دونوں لفظ ملا کر "جیوگرافی" (جغرافیہ) بنایا گیا ہے۔

غرضیکہ تحقیق کریں تو معلوم ہو گا کہ ساری دنیا نے دیگر علوم و فنون کی طرح سائنس کے تمام پہلو بھی حکمت کے اس منبع و مصدر --- قرآنِ پاک --- سے لیے ہیں۔ انسان کی پیدائش اور اس پیدائش کی حکمت کی بات ہو یا حیوانات کی' آثارِ قدیمہ کا ذکر ہو یا طبیعیات اور دیگر علومِ سائنس کا' ان کی طرف توجہ قرآن ہی نے دلائی ہے۔

ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی مختلف عوالم کے وسیع تر نظام پر غور و فکر کے نتیجے میں خالق و مالکِ حقیقی جل جلالہٗ کی معرفت حاصل کرنے کی اہمیت پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "نظامِ کائنات میں تفکّر' غور و فکر' اندیشہ' تأمّل' تدبُّر' غور و خوض

اور ریسرچ کی کنجی' بصیرت کا آغاز' حصولِ علم کا جال' جلبِ معارف کا آلہ' آئینۂ عبرت اور قلب میں نورِ معرفت کے دخول کا سبب بنتا ہے۔ جمالِ فطرت' حسن کی نمائش' تماشا گاہِ ہستی کی جلوہ آرائیاں اور حسن آفرینیاں خالقِ حقیقی کا پتا دیتی ہیں۔ صوفی اور ولی کشف الجدید' کشف الورید' کشف الحدید' کشف القلوب' کشف القبور اور کشف الاحیا سے قدرت کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے مگر عام انسان مطالعۂ کائنات سے ہی خداوندِ کریم کی ہستی کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ قطبین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے لیکن پھر بھی ایک مچھلی قطبِ شمالی سے سفر کر کے قطبِ جنوبی پہنچتی ہے' قطبِ جنوبی میں زیرِ سمندر انڈے دیتی ہے' پھر مر جاتی ہے۔ ان انڈوں سے نکلے ہوئے بچے انہی اندھیری راہوں پر چل کر قطبِ شمالی تک پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں راہ کون بتاتا ہے؟ زیرِ سمندر فولادی گولا بھی پانی کے بوجھ اور پریشر سے چپٹا ہو جاتا ہے لیکن مچھلی اور دیگر آبی مخلوق کے انڈے نہیں ٹوٹتے۔ ان کی زندگی کی حفاظت کون کرتا ہے؟ یہ تمام سوال کائنات کے وسیع تر نظام کو سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں چھ سو سے زائد آیات مطالعۂ کائنات کا درس دیتی ہیں"۔ (اسلام اور سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ چند درخشاں پہلو۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۹۳۔ ص۔ ۳۰' ۳۱)

اللہ کریم جل شانہٗ نے مختلف عوالم میں غور و فکر کرنے کی تلقین کی ہے' لوگوں کو تفکُّر و تدبُّر کے ذریعے شعائر اللہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی طرف راغب فرمایا ہے اور اس طرح عقل سے کام لینے کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو جو شے تخلیق کی ہے' اس کو کسی اصول پر چلایا ہے' ایک تنظیم کے ماتحت کر رکھا ہے۔ یہی اس کا نظامِ رحمت ہے۔ انسان اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر کائناتوں میں پھیلی ہوئی اشیا کی ماہیت پر غور کرتا ہے' تجربے کرتا ہے اور کچھ نتائج حاصل کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ نتائج درست ہوتے ہیں' بعض صورتوں میں' بعد کے تجربات یا مشاہدات ان نتائج کو غلط ثابت کر دیتے ہیں۔ اگر کسی شے کی ماہیت اور اصلیت

معلوم کرنے کی کوشش کامیاب نہ بھی ہو تو بھی' بہت کچھ معلوم ہو جائے اور بعد میں وہ غلط ثابت ہو تو بھی' غور و فکر کی ضرورت باقی رہتی ہے' مشاہدات و تجربات کا سلسلہ جاری رہتا ہے' اور جاری رہنا چاہیئے۔ اس طرح انسان جلد یا بدیر بہرحال اس نتیجے پر ضرور پہنچتا ہے یا پہنچے گا کہ یہ سب کچھ پہلے سے' کسی طے شدہ سسٹم کے تحت' کسی نظام کے تحت ہو رہا ہے اور اس نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے اور اسے اللہ کہتے ہیں۔ اور جو نظامِ رحمت عالمین میں کارفرما رکھا گیا ہے جس کے تحت ہر سیارہ اپنے مدار میں گھومتا ہے' ہر جاندار اپنی فطرت کے مطابق چلتا ہے اور ہر کائنات اپنے طے شدہ راستے پر گامزن ہے' اسے رحمۃ للعالمین کہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

سید قطب کہتے ہیں۔ "انسان کائنات کے قوانین کے گوشوں کا پتا لگانے کے لیے اپنا دو بنیادی وسائل پر اعتماد کرتا ہے' یعنی مشاہدہ و تجربہ۔ یہ دونوں وسائل اپنی نوعیت کے اعتبار سے جزئی ہیں۔ یہ نہ آخری ہیں اور نہ اپنے نتائج کے اعتبار سے مطلق۔ اگرچہ مدت ہائے دراز میں بسا اوقات یہ کلّی قوانین کے بعض گوشوں کی طرف رہنمائی کر دیتے ہیں لیکن پھر یہ انکشاف جزئی صداقت کا حامل بن کر رہ جاتا ہے۔ نہ آخری ہوتا ہے اور نہ مطلق۔ اس لیے کہ ان قوانین کے مابین ہم آہنگی کا راز قدرت کا وہی راز ہے جو دوسرے جملہ قوانین میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ یہ راز برابر پوشیدہ رہتا ہے۔ جزئی اور اضافی مشاہدہ اس تک پہنچ نہیں سکتا' خواہ کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔ یقیناً اس سیاق میں زمانہ فیصلہ کن عُنصُر نہیں ہے۔ یہ تو محض ایک حد کا نام ہے جو انسان کے لیے مقرر کر دی گئی ہے' تکوینی طور پر اور کائنات میں اپنے دور کے لحاظ سے۔ یہ دور جزئی اور اضافی ہے۔ پھر اسی طرح زمین پر پوری نوعِ انسانی کو جو مدت ملی ہے' وہ بھی اپنے دور کے لحاظ سے جزئی اور محدود ہے۔ اسی طرح علم و معرفت کے تمام وسائل اور وہ تمام نتائج جن تک انسان ان وسائل کے ذریعے پہنچتا ہے' اس جزئی اور اضافی دائرے میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہیں سے رسالت کا رول شروع ہوتا ہے۔ اس مخصوص فطرت کا کردار جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک مخصُوص استعداد عطا کی ہے تاکہ وہ اس 'ناموسِ کُلّی' کے ساتھ جس پر کائنات کا وجود مبنی ہے' گہرائیوں میں جا کر تعامُل کر سکے۔ یہ عمل ایک ایسے طریقے سے انجام پاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم یکسر ناواقف ہیں' اگرچہ اس کے آثار و نتائج کا ادراک کر لیتے ہیں" (قرآن اور سائنس۔ افاداتِ سید قطب۔ ترجمہ محمد نجات اللہ صدیقی و سلطان احمد اصلاحی۔ ۱۹۸۲ء۔ ص ۳۶' ۳۷)

ہمارے محدود اور جزئی مشاہدات و تجربات جہاں ناکام ہو جاتے ہیں' جہاں سے وہ پوری معلومات حاصل نہیں کر پاتے' جہاں آخر "نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر لوٹ آتی ہے" (سورۂ ملک) وہاں ہمیں قرآنِ کریم یہ احساس دلاتا ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمتُ للعالمینی یہاں بھی کارفرما ہے اور جس جس کی اصلیت تک تم پہنچنے میں ناکام ہو گئے ہو یا اس کا باعث نہیں جان سکے' وہاں اللہ تعالیٰ کا نظامِ رحمت چل رہا ہے اور پوری خوش اُسلُوبی سے ہر شے کو چلا رہا ہے۔



عالمین کا معنیٰ و مفہوم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو "رحمتٌ للعالمین" فرمایا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۱) (اور ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ "عالمین" کے ترجمہ اور تفسیر میں قرآنِ پاک کے مترجمین اور مفسرین نے اپنے اپنے عقائد' اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے خیال کے مطابق تنوّع کی جو صورتیں پیدا کی ہیں' ان کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے "ربُّ العالمین" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ علمِ دین' زبانِ عربی بلکہ زبانِ اردو کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ "عالمین" "عالم" کی جمع ہے اور اس سے عالموں یا جہانوں کا ذکر مطلوب و مقصود ہے لیکن ہمارے بہت سے مفسرین نے کہیں اس کا مطلب "جہان" کیا ہے' کہیں "دنیا جہان" اور کہیں "ربُّ العالمین" میں عالمین کا مطلب مختلف نکلا ہے اور "رحمتٌ للعالمین" میں مختلف۔

یہ درست ہے کہ خیالات کی صحیح اور مکمل ترسیل اور مفہوم کے پورے ابلاغ کے لیے متکلم اور مخاطب کی ذہنی سطح کا ایک ہونا یا قریب قریب ہونا ضروری ہے۔ اور قرآنِ پاک کے حوالے سے اس سلسلے میں سب سے بڑی دِقت یہ ہے کہ متکلم خالق ہے اور مخاطب مخلوق۔ اسی لیے محتاط مفسرین نے عام طور پر "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" (اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہتر جانتے ہیں) کے الفاظ پر بات ختم کی ہے۔ پھر اردو یا انگریزی میں ترجمہ کرنے یا تفسیر کرنے والوں کے

ساتھ ایک مسئلہ بہرحال دو مختلف النوع زبانوں کا بھی ہے۔ عربی زبان پر اہلِ زبان کی طرح عبُور رکھنے والا اور قرآنی انداز و اسلوب کو پوری طرح سمجھنے والا جب تک اردو یا انگریزی میں اس مفہوم کو پورے طور پر ادا کرنے پر قادر نہ ہو' بات نہیں بنتی۔ بعض صورتوں میں تو ایک زبان کے بعض الفاظ کو کسی دوسری زبان کے قالب میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسی دِقت کے پیشِ نظر مترجمین نے جگہ جگہ قوسین کا استعمال کیا ہے' تفسیری حاشیے لکھے ہیں' تفسیریں لکھی ہیں۔

تفسیر نویسی کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی کسی بات کو' کسی فقرے یا کسی لفظ کو اس کے مخاطبِ اول (حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے کس طرح سمجھا' اور اپنے ساتھیوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کو کیا سمجھایا۔ اس کے بغیر بات نہیں بنتی۔ لیکن اس طرح بات علم حدیث پر عبُور حاصل کرنے تک جا پہنچتی ہے اور تفسیر زیادہ مشکل ہو جاتی ہے۔ کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر' پروفیسر مشیر الحق نے ۱۹۸۷ء میں جامعہ ملّیہ' دہلی میں پروفیسر محمد مجیب یادگاری خطبہ دیتے ہوئے قرآنِ کریم کی مَن مانی تعبیر و تشریح کے بارے میں کہا تھا۔ "یہ صحیح ہے کہ قرآن کی مَن مانی تشریح کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے لیکن کیا کسی ایسی تفسیر کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جسے متفقہ طور پر ہر زمانے کے مسلمان تفسیر بالرائے کے زُمرہ میں شمار کرتے آئے ہوں۔ ایسی تفسیریں تو بے شمار مل جائیں گی جسے کچھ لوگ صحیح اور کچھ لوگ غلط کہتے ہوں گے لیکن اتفاقِ رائے کے ساتھ کوئی ایک تفسیر بھی ایسی نہیں بتائی جا سکتی"۔ (۲)

اس سلسلے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر مشیر الحق نے کہا "نہ صرف تفسیر بلکہ ترجمہ بھی مفسر اور مترجم کے افکار و عقائد کا پرتو ہوتا ہے۔ معروضیت کو خواہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ دی جائے لیکن انسان جب تک سوچتا اور پڑھتا رہے گا' وہ اپنے اظہارِ خیال میں مکمل طور پر معروضی نہیں ہو سکتا۔ وہ اگرچہ پوری ایمانداری کے ساتھ معروضیت کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کرے گا لیکن

ضروری نہیں ہے کہ دوسرے بھی اس کے بیان کو معروضی سمجھیں۔ اس لیے ہم
مجبور ہیں کہ اس کے اس بیان کو تسلیم کرلیں کہ وہ قرآن کا ترجمہ اپنی رائے سے
نہیں کر رہا ہے۔" (۳)

لیکن معاملہ یہاں تک محدود نہیں ہے کہ اگر مسلمان متفقہ طور پر کسی تفسیر
کو تفسیر بالرائے کے زُمرے میں شمار نہیں کرتے تو کیا ضروری ہے کہ جو آدمی جو
چاہے' لکھتا چلا جائے اور آپ اس کے بیان کو تسلیم کرتے جائیں کہ وہ ترجمہ یا تفسیر
اپنی رائے سے نہیں کر رہا ہے۔ کسی تفسیر کو آپ "تفسیر بالرائے" قرار دیں یا نہ
دیں' حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ پاک کے مفہوم کو لوگوں تک پہنچانے والے حضرات
بہت سے معاملات میں اپنی خواہشات کو' اپنے احساسات کو' دین کی اُس تعبیر کو جس
کو وہ مناسب سمجھتے ہیں' ترجمہ و تفسیرِ قرآن کا نام دیتے ہیں۔ اس طرح قرآنِ حکیم
کے مفاہیم و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنے والوں کی دُرست رہنمائی نہیں ہوتی۔

قرآنِ پاک وہ مظلوم کتاب ہے جو آئی تو تھی ہمارے لیے ضابطۂ حیات بن
کر' ------- جس میں زندگی کے مختلف شعبوں کے حوالے سے' ماننے والوں
کے لیے رہنما اصول موجود ہیں' ------- لیکن ہم نے خدا تعالیٰ کے جاری کردہ
اس احکام نامے کو اپنی زندگیوں میں وہ مقام نہیں دیا جو اس کا حق تھا اور جس کی وجہ
ہی سے ہم صحیح معنوں میں مومن کہلانے کے حقدار ہو سکتے ہیں۔ ہمیں کہا جاتا ہے
کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کے ذریعے ہم ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں کما سکتے ہیں۔
یہ بات بالکل دُرست ہے لیکن اگر اس میں دیئے گئے احکامِ الٰہیہ سے ہمیں واقفیت
نہیں ہوتی اور ہم اس کے مفہوم و معنیٰ کے ذریعے ان احکام سے پوری طرح آگاہ
نہیں ہوتے تو ہم یقیناً اس کتابِ مجید کی تلاوت کا حق ادا نہیں کر رہے۔

اور پھر جہاں تک تلاوت کا تعلق ہے' ہمارے قُرّا حضرات میں سے کئی' اسے
گا کر پڑھتے ہیں۔ اس سے عجیب و غریب صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ بُرے کاموں
یا کفر یا شرک پر وعید کی حامل آیات کا گا کر پڑھی جائیں تو کیا تاثر بنتا ہے؟ عذابِ

جہنم کی خبر دینے والی آیات کو گا کر پڑھنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اسی طرح آج کے
معاشرے میں قرآنِ مجید کی تلاوت کے دوران سامعین کی طرف سے "سُبحان اللہ'
جزاکَ اللہ" کی آوازوں کے ذریعے جو داد دی جاتی ہے' اس کے بارے میں غور
فرمایئے کہ اللہ کریم فرماتا ہے کہ اگر یہ کام کرو گے تو جہنم کی آگ میں جلو گے'
---- قاری صاحب اسے لہک لہک کر گا رہے ہیں۔ ہم "سُبحان اللہ' ماشاء اللہ" کہہ
کر داد دے رہے ہیں۔ اور کوئی شخص ان وعیدوں کی روشنی میں اپنے کردار کا تجزیہ
کرنے اور احتسابِ نفس کی ضرورت نہیں سمجھتا' اپنی حرکات سے ایسا کوئی اشارہ بھی
نہیں دیتا۔

اس سے بھی گئی گزری صورتِ حال یہ ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر
میں موجود ہو اور وہ اسے جُز دان میں لپیٹ کر دروازے کے طاق میں رکھ دے اور
اس کے نیچے سے گزرتے ہوئے گھر کے سب لوگ اس سے برکت حاصل کریں۔ یا
سکراتِ موت میں مبتلا کسی شخص کو جلد از جلد موت سے ہمکنار کرنے کے لیے اس
کی کسی سُورت کی تلاوت کی جائے یا اتنا احترام کافی سمجھا جائے کہ کوئی شخص اس کی
طرف پیٹھ نہ کرے' اس کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔

اس آخری الہامی کتاب میں تو کرنے اور نہ کرنے کے کاموں کی نشاندہی ہے'
اس میں اگلوں کے واقعات بھی اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ ہم ان سے عبرت
حاصل کریں۔ اور ہم اگر اس کے مفہوم و مطلب کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے
تو یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ پریشان کُن صورتِ حال یہ
ہے کہ ترجمہ یا تفسیر کرنے والوں میں سے کئی حضرات محض ذاتی یا گروہی معتقدات کو
پیشِ نظر رکھتے ہیں اور قرآنی الفاظ و تراکیب' فقروں اور پیروں کی مَن مانی تعبیر کرتے
ہیں۔ قرآنِ پاک تو ہماری رہنمائی کے لیے آیا تھا' اس سے تو ہمیں اپنی زندگیاں
سنوارنا تھیں۔ مختلف نظام ہائے زندگی میں ہمیں اسی سے رہنمائی حاصل کرنا تھی کہ
فلاں صورت میں ہمیں کیا کرنا ہے' کس راستے پر چلنا ہے اور کون سی راہ سے حذر

مناسب اور ضروری ہے، لیکن ہم نے اپنے لیے کوئی راہ چن لی ہے اور اس کی تائید میں قرآنی آیات تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہم اپنی من مانی تعبیر و تفسیر اور اپنی خواہش کو زندگی دینے والا ترجمہ ہی کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآنِ پاک میں حضور سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا کو "رحمت للعالمین" فرمایا گیا ہے، خود اپنے آپ کو اللہ کریم جل جلالہٗ نے "رب العالمین" فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالمین کا رب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جن دنیاؤں کا خالق و پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، ان کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت ہیں۔ میں نے اردو کی بعض تفسیریں اس نقطۂ نظر سے دیکھیں کہ ان میں عالمین کا معنیٰ اور تفسیر کیا ہے، تو ایک ایسی بات بھی سامنے آئی جو بہت بنیادی ہے۔ عالمین، عالم کی جمع ہے اور اس کا معنیٰ دنیا نہیں، دنیائیں ہیں، جہان (واحد) نہیں، جہان (جمع) ہے لیکن ہمارے بہت سے صاحبِ علم مفسروں نے اسے واحد استعمال کیا ہے اور عام طور پر اس سے مراد ہماری دنیائے انسانیت لی ہے۔ کہیں کسی بزرگ نے اس سے مراد زمین اور اس کی مخلوق مراد لی ہے۔ کسی نے زمین و آسمان اور سورج چاند ستاروں کا وہ نظام جو ہماری نظروں کے سامنے ہے، اسے "عالمین" گردانا ہے۔ کسی نے دنیا و آخرت کو "عالمین" سمجھا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے رب العالمین (۴) کا معنیٰ "کائنات کا رب" (۵) اور "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" کا ترجمہ "اور ہم نے تم کو تو بس اہلِ عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" (۶) کیا ہے۔ "رب العالمین" کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں۔ "یہاں اللہ کے بعد اس کی پہلی ہی صفت رب العالمین بیان ہوئی ہے جس سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ جو اللہ کائنات کا خالق ہے، وہی اس کا مالک بھی ہے کیونکہ وہی سب کا پرورش کرنا والا ہے"۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجنے کے خدائی اعلان کو مولانا اصلاحی ترجمے میں

جس طرح محدود کر رہے ہیں، وہ تو ظاہر ہی ہے کہ عالمین کا معنیٰ "بس اہلِ عالم" کرتے ہیں ------- تفسیر میں رقم طراز ہیں "یعنی اس انذار و بشارت کے لیے ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دو۔ تمہارے اوپر ذمہ داری صرف بلاغ اور منادی کی ہے، تم یہ فرض ادا کر دو۔ اگر مغرور و سرکش لوگ تمہارے انذار کا مذاق اڑاتے اور اس وقتِ موعود کے دکھا دینے کا مطالبہ کرتے ہیں تو تم ان سے کہہ دو کہ مجھے خدا نے رحمت بنا کر بھیجا ہے، عذاب بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ عذاب کب آئے گا۔ اس کے وقت کا علم صرف میرے رب ہی کو ہے"۔ (۷)

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کی "فوائد موضح القرآن" میں ربُ العالمین کا معنیٰ ہے "جو صاحب سارے جہان کا" اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے ذکر کا ترجمہ یوں ہے "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہر کر کر جہان کے لوگوں پر" (۸) مولانا محمود حسن دیوبندی بھی عالمین کا ترجمہ جہان یا "جہان کے لوگ" کرتے ہیں۔ "جو پالنے والا ہے سارے جہان کا" (۹) "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر" (۱۰) مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ للعالمین کے تفسیری حاشیے میں بھی دنیائے انسانیت ہی کا ذکر کرتے ہیں۔

میرے سامنے قرآنِ پاک کا ایک نسخہ ہے جس میں ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی اور نواب وحید الزمان حیدر آبادی کا اور تفسیری حاشیہ محمد عبدہٗ الفلاح کا ہے۔ شاہ رفیع الدین دہلوی تو "پروردگار عالموں کا" اور "اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے عالموں کے" لکھتے ہیں لیکن نواب وحید الزمان عالمین کا ترجمہ دونوں مقام پر "جہان" ہی کرتے ہیں۔ "جو سارے جہان کا پالنے والا ہے" اور "ہم نے تو تجھ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" (۱۱) محمد عبدہٗ الفلاح "رب العالمین" کی تفسیر میں تو لکھتے ہیں کہ "العالمین۔ یہ عالم کی جمع ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام کائنات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (قرطبی)" اور "رحمت للعالمین" کے ذکر

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابنِ کثیرؒ، شوکانی اور حضرت ابنِ عباسؓ کے حوالے سے مسلمانوں اور کافروں سب کے لیے رحمت قرار دیتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں، "دُنیوی و اُخروی، ہر اعتبار سے"۔

مشہور شیعہ مترجم حافظ فرمان علی دونوں مقامات پر عالمین کا ترجمہ جہان (واحد) کرتے ہیں۔ "سارے جہان کا پالنے والا" (۱۲) اور "ہم نے تو تم کو سارے جہان کے لوگوں کے حق میں از سر تا پا رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔ (۱۳)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اپنے مشہور ترجمۂ قرآن "کنزُ الایمان" میں دونوں مقامات پر عالمین کا معنیٰ جہان ہی کیا ہے "جو مالک سارے جہان والوں کا" اور "ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔ (۱۴)

"کنز الایمان" کے تفسیری حاشیے میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی "رب العالمین" کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ "رب العالمین میں تمام کائنات کے حادث، ممکن، محتاج ہونے اور اللہ تعالیٰ کے واجب، قدیم، ازلی، ابدی، حیّ، قیّوم، قادِر، علیم ہونے کی طرف اشارہ ہے جن کو رب العالمین مُستلزم ہے۔" (ص ۲) اور "رحمت للعالمین" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ "کوئی ہو جنّ ہو یا اِنس، مومن ہو یا کافر......... تمام جہانوں کے لیے، عالَم ارواح ہوں یا عالَم اجسام، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول" (ص ۴۹۴)

"کنزُ الایمان" ہی کی ایک "تفسیر نورُ العرفان" میں مفتی احمد یار خاں بدایونی عالمین کا مفہوم دونوں جہان قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں "جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے، اس کے لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رحمت ہیں۔ چنانچہ آپ کی رحمت مطلق ہے، تام ہے، کامل ہے، شامل ہے، عام ہے، عالَم غیب و شہادت کو گھیرے ہوئے، دونوں جہان میں دائمی موجود ہے"۔ (۱۵)

مولانا عبدالماجد دریابادی نے رب العالمین کا ترجمہ لکھا ہے "سارے جہان کا مربّی" لیکن تفسیر میں "جہانوں" کہا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "عالم کا لفظ خود اسم جمع ہے، کوئی اس کا واحد نہیں آتا۔ اور مرادف ہے خلقت یا موجودات کا، عالموں بہ صیغۂ جمع کے معنی ہوئے ہر ہر صنفِ موجودات اور سارے سلسلۂ کائنات کے ...... اسلام سے قبل مذاہب جس صورت میں موجود تھے، وہ اس وسیع تخیّل ہی سے آشنا نہیں رہنے تھے، ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی..... قرآن نے ایک لفظ "ربُّ العالمین" لا کر ان سارے مشرکانہ و گمراہانہ عقائد کی تردید کر دی۔" (۱۶)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ترجمے میں بھی اور تفسیر میں بھی اللہ تعالیٰ کو تو "کائنات کا رب" لکھا ہے (۱۷) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر میں عالمین کا معنیٰ ترجمے میں صرف "دنیا والوں" کیا ہے اور قرآن کی ترجمانی یوں کی ہے۔ "اے محمدؐ! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے" (۱۸) اور تفسیر میں دنیا والوں کی تشریح "دراصل نوعِ انسانی کے لیے خدا کی رحمت اور مہربانی" لکھا ہے۔ (۱۹)

شاہ مرادُ اللہ انصاری قادری نقشبندی نے "ربُّ العالمین" کا ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی سے لیا ہے۔ "جو صاحب سارے جہان کا" (۲۰)

پروفیسر محمد طاہرُ القادری "ربُّ العالمین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے دو امور کو ثابت کیا گیا۔ ایک استحقاقِ حمد کہ وہی ہر قسم کی حمد کا سزاوار ہے۔ اور دوسرے، اُلُوہیتِ عامہ کہ وہی ساری کائنات کا مالک اور پروردگار ہے"۔ (۲۱) انہوں نے "رب" کا معنیٰ الوہیتِ عامہ اور عالمین کا معنی "ساری کائنات" کیا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کو بھی "ساری کائنات" تک رکھتے ہیں۔ "اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر ساری کائنات کے لیے سراسر رحمت بنا کر"۔ (۲۲)

بعض حضرات نے مولانا عبدالماجد دریابادی کی طرح ترجمے میں جہان (واحد) ہی کہا ہے لیکن تفسیر میں عالمین کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے مثلاً ڈپٹی نذیر احمد

دہلوی رب العالمین کا ترجمہ تو کرتے ہیں، "تمام جہان کا پروردگار" لیکن تفسیر میں کہتے ہیں کہ "عالمین جمع ہے عالَم کی اور خدا کے سوا ہر موجود کو عالَم کہتے ہیں۔" (۲۳)

مولوی سید امیر علی ترجمہ تو شاہ عبدالقادر دہلوی کا لکھتے ہیں۔ "جو صاحب سارے جہان کا" (۲۴) لیکن تفسیر میں لکھا ہے۔ "ربُّ العالمین یعنی عالموں کا پروردگار ہے"۔ مفسر نے لکھا ہے کہ ابوالعالیہ نے چودہ ہزار یا اٹھارہ ہزار عالم لکھے ہیں، لیکن یہ چودہ ہزار یا اٹھارہ ہزار فقط ایک عالم کا بیان ہے .... کعب احبار نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں پیدا کیا، کُل کو عالم کہتے ہیں (۲۵)

مولانا مفتی محمد شفیع نے بھی ربُّ العالمین کا ترجمہ تو "پالنے والا سارے جہان کا" لکھا ہے لیکن تفسیر میں عالمین کو عالَم کی جمع بتایا ہے اور عوالم کی تشریح بھی اچھی کی ہے (۲۶) لیکن جہاں حضور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ذکر آیا ہے، وہاں عوالم کی تشریح محدود کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے ذکر میں تو کہتے ہیں۔ "العالمین عالم کی جمع ہے جس میں دنیا کی تمام اجناس آسمان، چاند، سورج اور تمام ستارے اور ہوا و فضا، برق و باراں، فرشتے، جنات، زمین اور اس کی تمام مخلوقات، حیوانات، انسان، نباتات، جمادات، سب ہی داخل ہیں .... اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ جیسا یہ عالم ہے جس میں ہم بستے ہیں اور اس کے نظامِ شمسی و قمری اور برق و باراں اور زمین کی لاکھوں مخلوقات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، یہ سارا ایک ہی عالم ہو، اور اس جیسے ہزاروں لاکھوں دوسرے عوالم ہوں جو اس عالم سے باہر کی خلا میں موجود ہوں۔ امام رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا ہے کہ اس عالم سے باہر ایک لامتناہی خلا کا وجود دلائلِ عقلیہ سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ اس نے لامتناہی خلا میں ہمارے پیشِ نظر عالم کی طرح کے اور بھی ہزاروں لاکھوں عالم بنا رکھے ہوں۔" (۲۷)۔ "رب العالمین" کے حوالے سے اتنی بھرپور گفتگو کرنے والے مفتی محمد شفیع جب "رحمۃ للعالمین" کے حوالے سے بولتے ہیں تو ترجمے میں تو اسے محدود کرتے ہی ہیں کہ "اور تجھ کو جو ہم

نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر" لیکن تفسیر میں بھی عالمین کو تو عالم کی جمع بتاتے ہیں مگر عالمین میں "ساری مخلوقات انسان، جن، حیوانات، نباتات و جمادات" کو داخل بتاتے ہیں (۲۹) اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری نے عالمین کا معنٰی "سارا جہان" کیا ہے مگر رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں ملائکہ، جنّات اور کافر و مومن انسان کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحمت کہا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ذاتِ اقدس ہر فردِ مخلوق کے لیے رحمت مبعوث ہوئے، ملائکہ اور اِنس و جن، سب کے لیے۔ اور شانِ رحمت سے مستفیض ہونے میں کافر مومن اِنس و جن میں کوئی فرق نہیں البتہ افاضۂ رحمت میں تفاوت ہے جتنی رحمت کا جو مستحق ہے، اتنی ہی رحمت اس پر ہے"۔ (۳۰)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مُلّا حسین واعظ الکاشفی عالمین کا ترجمہ "عالمہا" کرتے ہیں۔ رب العالمین "پروردگارِ عالمہا" اور وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ "و نفرستادیم تُرا مگر از رُوی مہربانی بر عالمہا" لکھا ہے۔ ربُّ العالمین کی تفسیر میں مُلّا حسین واعظ الکاشفی لکھتے ہیں۔ "آفرینندہ و پرورندہ و دارندہ و ترتیب کنندہ و سازندہ کارہائے ہر عالمیان از ملائکہ و جن و اِنس و وحوش و طیور و سباع و حیواناتِ آبی ...." رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں انہوں نے اس طرح تفصیل سے تو نہیں لکھا لیکن جہانوں کے لیے رحمت ضرور کہا ہے۔ (۳۱)

شاہ رفیع الدین نے بھی "پروردگار عالموں کا" اور "رحمت واسطے عالموں کے" ترجمہ کیا ہے (۳۲)۔ علامہ احمد سعید کاظمی نے "جو پرورش فرمانے والا ہے سب جہانوں کا" اور "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لیے" ترجمہ کیا ہے (۳۳)

پیر محمد کرم شاہ الازہری "ربُّ العالمین" کا ترجمہ کرتے ہیں "جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا" اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "عالمین عالم

کی جمع ہے اور یہ ماخوذ ہے علم بمعنی علامت و نشانی سے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے۔ نیز اس میں لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا خدا کسی خاص قوم، نسل اور وطن کا خدا نہیں تاکہ اس کی نوازشات کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ ہی مخصوص ہوں بلکہ اس کی ربوبیت کا رشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے۔" (۳۴) سورۂ النسا کی آیت نمبر ۱۰۷ کے ترجمے میں تحریر کرتے ہیں۔ "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے"۔ تفسیر میں ہے "غرض و غایت یہ ہے کہ آپ سارے جہانوں کے لیے، سارے جہان والوں کے لیے، اپنوں اور بیگانوں کے لیے، دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت بن کر ظہور فرما دیں"۔ اس کے بعد پیر محمد کرم شاہ مومنوں اور کافروں پر رحمت کا ذکر کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں۔ "یہ تو عالم ناسُوت میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی گوناگُوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دستِ شفقت گُل افشانی کر رہا ہے"۔ (۳۵)

قاضی محمد ارشاد الٰہی فیضی عصامی "عالمین" کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "عالمین عالم کی جمع ہے اور عالم اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے صانع معلوم ہو، جس طرح خاتم اس شے کو کہتے ہیں جس سے مُہر کی جائے۔ اور عالم کا استعمال غالب اس معنیٰ میں ہے کہ جس سے خالق کی پہچان ہے، وہ عالم ہے اور ظاہر ہے کہ تمام جواہر و اعراض جو ماسوی اللہ ہیں یا جو مخلوق ہیں، اس سے خالق کی پہچان ہے لہٰذا سب عالم کے ماتحت ہوں گے اور عالم کا اطلاق تمام اجناس ماسوی اللہ کے مجموعہ پر تو شائع و ذائع ہے۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ فقط ایک شے کا نام عالم ہے بلکہ اس میں انسان، حیوان، نباتات، جمادات، چرند پرند، غرض تمام انواعِ مخلوق کا نام عالم ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق اور پرورش کرنے والا اور ان کا مالک ہے"۔ (۳۶)

دانشمند جالندھری (۳۷)، قاضی محمد زاہدُ الحسینی (۳۸)، پیر صلاح الدین (۳۹)

اور شیعہ عالم امداد حسین کاظمی (۴۰) عالمین کا ترجمہ جہانوں یا عالموں کرتے ہیں۔ ان میں الحاج پیر صلاح الدین عالمین کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔ "العالمین عالم کی جمع مذکر سالم ہے یعنی عالموں کی حالت نصبی و جری۔ معروف بہ ال۔ عالم علم سے اسم آلہ ہے، اس کے معنی ہیں ما یُعلم بہ۔ جس کے ذریعے کوئی چیز جانی جائے۔ چونکہ مخلوق کے ذریعے خالق پہچانا جاتا ہے، اس لیے خلق کو عالم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "ون" کے ساتھ جمع ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ پس رب العالمین کا اصل اطلاق ملائکہ اور ثقلین پر ہے اور باقی مخلوق علیٰ سبیلِ الاتباع شامل ہے (بیضاوی) بعض کا خیال ہے کہ یہاں مراد انسان ہیں کیونکہ ہر ایک انسان اپنی ذات میں عالمِ صغیر ہے"۔ (بیضاوی) (۴۱)

کچھ ترجمے اور تفسیریں ایسی ہیں کہ ان میں رب العالمین اور رحمۃ للعالمین کے مفہوم اور معنیٰ میں اختلاف ہے۔ ایک جگہ عالمین کا معنیٰ اور ہے، دوسری جگہ مختلف ہے مثلاً" ابنِ کثیر کی تفسیر کا جو ترجمہ ابو محمد جوناگڑھی نے کیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کہا ہے کہ "جو مربّی ہیں ہر ہر عالم کے" (۴۲) اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں لکھا ہے "دنیا جہان کے لوگوں (قوسین میں لکھا ہے "یعنی مستحقین") پر مہربانی کرنے کے لیے" (۴۳)۔ تفسیر میں بھی فرق واضح دکھائی دیتا ہے۔ پہلے مقام پر لکھتے ہیں۔ "عالمین جمع ہے عالم کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظاً" ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق، خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں ...... ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد کُل مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی ہو یا ان کے درمیان کی۔ خواہ اس کا ہمیں علم ہو، یا نہ ہو...... کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کیے ہیں۔ آسمانوں والے سب ایک عالم، زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو خدا جانتا ہے۔ وھب بن مُنبّہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ حضرت ابُوسعید خُدریؓ فرماتے ہیں، چالیس ہزار عالم ہیں۔ زجاج

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے، وہ سب عالم ہے"۔
(۴۴)

"رب العالمین" کے مفہوم کے سلسلے میں عالمین کی یہ تعریف کرنے والے "رحمۃ للعالمین" کے حوالے سے بات کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ آپ مسلمانوں کے لیے رحمت تھے۔ "رہی یہ بات کہ کفار کے لیے آپ رحمت تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابنِ جریر میں حضرت ابنِ عباسؓ سے اسی آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ مومنوں کے لیے تو آپ، دنیا اور آخرت میں رحمت تھے اور غیر مومنوں کے لیے آپ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے، آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ گئے جیسے اگلی اُمتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے تھے"(۴۵)۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی "ربّ العالمین" کے ضمن میں تو لکھا ہے "جو مربّی ہیں ہر ہر عالم کے" اور اس کی تفسیر میں یہ تحریر کیا ہے کہ "مخلوقات کی الگ الگ جنس ایک ایک عالم کہلاتا ہے۔ مثلاً عالم ملائکہ، عالم انسان، عالم جن وغیرہ"(۴۶) لیکن "رحمۃ للعالمین" کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، وہ یہ ہے "اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لیے" اور اس کی تفسیر کے نام پر جو کچھ رقم فرمایا ہے، وہ یوں ہے "آپ کو اور کسی بات کے واسطے (رسول بنا کر) نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لیے (وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت اور ہدایت کے ثمرات حاصل کریں"۔ (۴۷)

اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے ان دونوں مقامات پر عالمین کا جو معنیٰ سمجھا ہے، وہ بھی دیکھ لیجیے۔ ربّ العالمین کے ذکر میں تو جہانوں کا پرورش کرنے والا کہتے ہیں اور رحمۃ للعالمین کی تعریف میں وہی "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا، سو مہر کر کر جہان کے لوگوں پر" لکھتے ہیں(۴۸) پہلے حصے کی تفسیر میں ہے "عالم اس چیز کو کہتے ہیں

جس سے خالق کا علم حاصل ہوتا ہے۔ عالم علامت سے مشتق ہے۔ عالم کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ علامت ہے اسماءِ الٰہی اور صفاتِ خداوندی کی۔ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اسی کے کسی اسم کا مظہر اور آئینہ ہے"۔ عالمین کی تشریح و تفسیر کے بجائے انہوں نے یہاں عالم کی شرح کی ہے لیکن دوسرے مقام پر عالمین کا تو کیا ذکر، عالم کو بھی کچھ اور محدود کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "اور جس طرح ہم نے اس قرآن کو ہدایت اور رحمت کے لیے نازل کیا ہے اسی طرح اے نبیؐ ہم نے تجھ کو بھیجا ہے، تو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔(۴۹)

عصرِ حاضر کے اسودِ عنسی مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد نے رب العالمین کو تو "تمام جہانوں کا رب" لکھا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر میں عالمین کا معنیٰ صرف "دُنیا" کر دیا ہے۔ "اور ہم نے تجھے دنیا کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے" (۵۰)۔ مرزا بشیر الدین نے پہلے موقع پر تو عالمین کے مفہوم میں کچھ کہا ہے کہ "رب العالمین میں مختلف عالموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عالمِ موجودات میں مختلف عالم نظر آتے ہیں۔ بعض بعض سے متضاد ہیں، مگر باوجود اس تضاد کے، پھر ان کے پیچھے ایک ہی کُلیہ کام کرتا نظر آتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ نیچر کا ایک ہی سرچشمہ ہے جس سے وہ مدد حاصل کر رہے ہیں اور اس کے پیچھے ایک ہی وجود کارفرما ہے۔ پس جب نیچر کے تمام قوانین میں ایک ہی روح کارفرما ہے تو پھر تعریف جو نیچر کے حسن کا اقرار کرنے کا نام ہے، وہ بھی اسی کارفرما قدرت کا مال اور حق سمجھی جائے گی"۔ میرے قارئینِ محترم میں پڑھے لکھے لوگ شامل ہیں، اس لیے وہ تو شاید اس عبارت سے کوئی معنیٰ نکال ہی لیں گے۔ میں تو ربّ العالمین کے حوالے سے نیچر کے پیچھے موجود یا روح کی بات کا کچھ مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ پھر، رحمۃؐ للعالمین کی تفسیر میں انہوں نے جو الفاظ لکھے ہیں، وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، شاید آپ ہی کچھ جان لیں۔ لکھتے ہیں "یعنی بے شک آخری ایام میں ایک دفعہ یہودی فلسطین پر قابض ہو جائیں گے مگر مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے،

کیونکہ ان کا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) رحمت ہو کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ تعاون ان کو گھاٹے میں نہیں ڈالے گا"۔ (۵۱)

مولانا مفتی محمد شفیع کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ انہوں نے بھی پہلے موقع پر عالمین کا معنٰی اور کیا ہے' دوسرے موقع پر اس لفظ کا معنٰی مختلف بتایا ہے۔ (۵۲)

آپ حضرات نے محسوس کیا ہو گا کہ بعض مترجمین و مفسرین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجنے کے ترجمے میں عالمین کو "دنیا جہان" کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ ایسے حضرات میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی' مولانا محمد اشرف علی تھانوی' مولانا عبدالماجد دریابادی اور تفسیر ابنِ کثیر کے مترجم ابو محمد جونا گڑھی شامل ہیں۔ "جامع اللغات" میں دنیا جہان کا معنٰی "تمام عالم" لکھا ہے اور دنیا جہان سے روپوش ہونا کا مطلب مرجانا لکھا ہے (۵۳)۔ "نورُ اللغات" میں بھی دنیا جہان کا معنٰی "تمام عالم" درج ہے اور مثال میں یہ فقرہ لکھا ہے۔ "یہ چنے تیرہ سیر بارہ آنے کس طرح ہوئے۔ دنیا جہان میں پونے اٹھارہ بک رہے ہیں" (۵۴)۔ "دنیا جہان" کا محاورہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے تو استعمال کیا ہے۔ داغ دہلوی نے یادگارِ داغ' گلزارِ داغ' مہتابِ داغ' آفتابِ داغ' مثنوی فریادِ داغ اور ضمیمۂ یادگارِ داغ میں کہیں استعمال نہیں کیا (۵۵) لیکن اس کا معنٰی جیسا کہ لغات کے حوالوں سے اوپر بتایا جا چکا ہے' یہ دنیائے آب و گل ہے اور اسے عالَمین کے معنی میں استعمال کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد (مرزائی خلیفہ) نے رحمۃ للعالمین کی تفسیر میں جو کچھ لکھا تھا' وہ میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ قارئینِ ذی علم میں سے شاید کوئی صاحب اس کا جواز تلاش کرلیں۔ لیکن میری تو مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر سے بھی شرحِ قلب نہیں ہوئی۔ رحمۃ للعالمین کے ضمن میں تفسیر کے نام پر لکھتے ہیں۔ "اور رحمت و مہربانی یہی ہے کہ قرآن کے مخاطبین رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پیامِ ہدایت کو قبول کریں اور اپنی زندگی کو انہی کے لائے ہوئے نظام کے سانچے میں

ڈھالیں"۔ (۵۶) اللہ کریم جل وعلا نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ ہمارے محترم مفسرین اس کی تعبیر و تشریح میں جو جو کچھ فرما رہے ہیں' بعض صورتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مفہوم بیان کرنے سے زیادہ اپنی خواہشات کو بیان کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔

مولانا عبدالکلام آزاد نے "ربُّ العالمین" کی تفسیر میں لکھا ہے "اس کے ربُّ العالمین ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائناتِ ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے' اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے۔ اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا' وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے' ہر ضرورت کا لحاظ ہے' ہر تبدیلی کی نگرانی ہے اور کمی بیشی ضبط میں آچکی ہے۔ چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے' کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں' مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں .... لیکن فطرت کے پاس سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضانِ ربوبیت سے محروم ہے"۔ (۵۷) ربُّ العالمین کی اس تفسیر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کائناتِ زمین میں محدود رہے ہیں اور رحمۃ للعالمین کے ترجمے میں بھی فرماتے ہیں۔ "اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو۔" یہاں عالمین کا معنٰی "تمام دنیا" کیا گیا ہے۔ تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "یہ ظہور صرف کسی ایک ملک' کسی ایک قوم' کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالہ کر دی ہے۔ اس پر ہم ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت تمام نوعِ انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہُوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کے ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا حقیقت کے لیے اعتراف کر

لیں"۔ (۵۸) مولانا آزاد نے اللہ کے ذکر میں تو عالمین کو دنیا تک محدود کیا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے عالمین کو نوعِ انسانی تک محدود کر دیا ہے۔

امام راغب اصفہانی نے "مفرداتُ القرآن" میں لکھا ہے کہ امام جعفر بن محمد (امام جعفر الصادق بن محمد الباقر) کا قول ہے کہ عالمین سے صرف انسان مراد ہیں اور ہر فردِ بشر کو ایک عالم قرار دے کر اسے جمع لایا گیا ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ عالم دو قسم پر ہے ۱۔ العالم الکبیر۔ یعنی فلک و مافیہ ۲۔ العالم الصغیر۔ یعنی انسان۔ کیونکہ انسان کی تخلیق بھی ایک مستقل عالم کی حیثیت سے کی گئی ہے اور اس کے اندر قدرت کے وہ دلائل موجود ہیں جو عالمِ کبیر میں پائے جاتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے"۔ (۵۹)

امام راغب اصفہانی نے تو امام جعفر صادق کا یہ قول لکھا ہے کہ عالمین سے مراد صرف انسان ہیں لیکن پروفیسر سید کمال الدین حسین ھمدانی نے کتاب خصائل' کتب بحار' کتاب منتخب الابصار' انوارِ نعمانیہ' شرحِ صحیفۂ کاملہ اور تفسیر نور الثقلین وغیرہ میں جو قدمائے علمائے امامیہ کی تصنیف ہیں' کی بڑی قوی سندوں سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "خدائے تعالیٰ نے بارہ ہزار عالم پیدا کیے ہیں۔ ہر ایک ان میں سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں سے بڑا ہے جن میں ہر عالم والے اس بات کی خبر نہیں رکھتے کہ خدا نے ان کے سوا کسی کو پیدا کیا ہے یا نہیں۔ اس حدیث کا ظاہر حکمائے حال کی رائے سے بالکل مطابق ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ عالم کی ایجاد ہزاروں عالموں سے مرکب ہے اور ہر عالم کے آسمان و زمین ہمارے عالم کے آسمان و زمین سے بہت زیادہ بڑے ہیں" (۶۰)

کمال الدین حسین ھمدانی مزید لکھتے ہیں۔ "بحار الانوار" جلد چودہ کے بابُ العوالم میں ایک طولانی حدیث میں ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کے اس طرف کی چیزوں کے متعلق فرمایا ...... اس عالم کے علاوہ اس طرف عرش کا ظل ہے اور ظلِ عرش میں خدائے تعالیٰ نے ستر ہزار

امت کو پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ **ویخلق مالا تعلمون** یہ حدیث بھی تعدادِ عوالم اور وجودِ خلائق حیّ و ناطق کو بیان کرتی ہے۔ ظلِ عرش سے مراد تحتِ احاطۂ عرش ہے اور عرش ہماری شریعت میں تمام عالم کون کہتے ہیں جس طرح کرسی نظامِ شمسی کو کہتے ہیں۔" (۶۱)

سید غلام حسین مصطفیٰ رِضا رضوی نے تفسیر مبارکُ القرآن (سورۂ فاتحہ) میں "رب العالمین" کے مفہوم و معنیٰ پر بحث کی ہے' لکھتے ہیں۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تمام عالموں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ خود عالم سے پاک ہے۔ عالم کا لفظ اس پر اطلاق نہیں کرتا' جو اس کا خیال کرے صریحاً کفر ہے"....... ایک جگہ ذکر کرتے ہیں۔ "خداوندِ کریم نے آسمان اور ستاروں کو پیدا فرمایا۔ صرف اس لیے کہ انسان اپنی ضروریات کو حاصل کر سکے۔ رات پیدا کی کہ آرام کر کے تھکان دور کر سکے۔ دن کو روز معاش تلاش کرنے کے لیے بنایا ...... نباتات' حیوانات اور معادن کے عجائبات میں اگر انسان غور کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی تربیت اور اسباب و طریق کا کوئی بھی انتہا نہیں اور اس کی رحمت کا پورا پورا ثبوت مل جائے گا اور یہ سب خدا کے اسرار سمندرِ بے پایاں میں ایک قطرہ ہو گا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انسان کا پالنا جمادات' نباتات' تمام عالم موجودات خدا کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہے' وہ قطرہ بھی وسیع ہے"۔ (۶۲)

مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے وہ تمام آیاتِ کریمہ نقل کی ہیں جن میں "للعالمین" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پھر وہ "ذکر للعالمین" "مبارک للعالمین" اور "آیات للعالمین" کا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "اور لفظ رحمت ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہوا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ" (اعراف) میری رحمت ہر ایک

شے سے زیادہ وسیع ہے۔ پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جملہ عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا تو ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت بھی جملہ عالمین کے لیے ہے"۔ (۳۳)

علامہ احمد سعید کاظمی نے **"وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"** کی تفسیر و تشریح میں لکھا ہے۔ "العالمین سے مراد صرف انسان یا جن و بشر و ملائکہ ہی نہیں بلکہ کل ماسوی اللہ ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا جہتِ رسالت سے ہے اور رسالت کل مخلوق کے لیے عام ہے .... جب رسالت کُل مخلوق کے لیے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لیے عام اور اللہ کے سوا ہر ذرے کو شامل قرار پائی۔ **"وللہ الحمد"۔**

اس کے بعد انہوں نے لفظِ رحمت کی توجیہات کے حوالے سے لکھا کہ "اگر مستثنیٰ منہ اعم علل ہو تو رحمۃ" ارسلنا فعل کا مفعول لہٗ' قرار پائے گا اور تقدیرِ عبارت یہ ہو گی **وما ارسلنک لعلۃ من العلل الا لاجل الرحمۃ للعالمین** (ہم نے آپ کو کسی لیے نہیں بھیجا' صرف عالمین کے واسطے "رحمت" کے لیے بھیجا ہے) اور اگر اعم احوال کو مستثنیٰ منہ بنایا جائے تو رحمت ضمیر خطاب سے حال ہو گا۔ اور لفظِ رحمت مصدر بنی للفاعل ہو کر بمعنی راحم قرار پائے گا اور تقدیرِ عبارت یوں ہو گی کہ **وما ارسلناک فی حال من الاحوال الا حال کونک راحما للعالمین** (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم' نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی حال میں مگر صرف اس حال میں کہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحم کرنے والے ہیں) لفظ رحمت مفعول لہٗ' ہو یا حال' بہرصورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راحم قرار پاتے ہیں کیونکہ مفعول لہٗ سببِ فعل ہوتا ہے اور فاعل بھی سببِ فعل ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا راحم ہونا حال اور مفعول لہٗ دونوں کے مطابق ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام کائنات' کُل مخلوقات' ایک ایک ذرہ' ایک ایک قطرہ' غرض اللہ کے سوا ہر شے کے لیے رحم فرمانے والے ہیں۔

پھر علامہ کاظمی کہتے ہیں کہ اس کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تمام عالمین کے لیے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو راحما" للعالمین ہونے کے لوازمات و مناسبات بھی ثابت ہو گئے۔ کیونکہ قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ **اذا ثبت الشئ ثبت بجمیع لوازمہ۔** جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ کسی پر رحم کرنے والے کے لیے چار باتیں لازم ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو' مُردہ نہ ہو۔ کیونکہ مردہ رحم نہیں کر سکتا' وہ خود رحم کا طالب و مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو راحما" للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب آیتِ قرآنیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا راحما" للعالمین ہونا ثابت ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زندہ ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ فرض کیجیے' زید انتہائی مظلوم ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس پر رحم کر کے ظالم کے ظلم سے اسے بچائے۔ اسی خواہش کو دل میں لے کر وہ عمرو کے پاس جاتا ہے اور اس سے رحم کی درخواست کرتا ہے۔ عمرو اس کی درخواست سن لیتا ہے مگر اسے کچھ معلوم نہیں کہ اس کا حال کیا ہے؟ وہ نہیں جانتا کہ یہ کس مصیبت میں مبتلا ہے اور کس نوعیت کے رحم کا طالب ہے' اس لیے وہ اس سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں کیا تکلیف ہے اور تم کس طرح کی مہربانی چاہتے ہو۔ اب اگر زید اسے اپنا حال نہ بتائے اور یہی کہتا رہے کہ آپ میرا حال نہ پوچھیے' بس مجھ پر رحم کر دیجیے ---- تو کیا عمرو اس پر رحم کر سکتا ہے؟ نہیں اور یقینا" نہیں۔ جب تک وہ اپنا حال نہ بتائے اور عمرو اس کے حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہو' اس وقت تک وہ اس پر قطعا" رحم نہیں کر سکتا۔ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راحما" للعالمین ہیں تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم ماسوی اللہ جمیع کائنات و مخلوقات کے حالات کو نہ جانیں اور جمیع مَاکَانَ وَ مَایَکُوْن کا علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ہو' اس وقت تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام راحماً" للعالمین نہیں ہو سکتے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راحماً للعالمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے بھی کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ "رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص شب و روز ہمارے پاس مقیم ہے۔ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول رہتا ہے اور عبادت و ریاضت کرتے کرتے وہ اس قدر ضعیف و ناتواں ہو گیا ہے کہ اس کے لیے چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا تک دشوار ہو گیا ہے۔ اگر ایسے شخص کو ڈاکا زنی اور قتل و غارت کے الزام میں پکڑ کر تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے اور وہ بے گناہ اس وقت ہم سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں' آپ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ واقعی ہم آپ کے حال سے اچھی طرح باخبر ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں مگر فقط جاننے سے کیا ہوتا ہے "ہمارے پاس وہ قدرت و اختیار نہیں کہ آپ کو تختۂ دار سے بچا لیں۔ اپنی رحمت آپ تک پہنچانے کا جب تک ہمیں اختیار نہ ہو اور قدرت نہ پائی جائے' اس وقت تک ہم آپ رحم نہیں کر سکتے۔" معلوم ہوا' قدرت و اختیار کا ہونا بھی رحم کے لیے ضروری ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لیے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرۂ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حاصل ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے بھی کام نہیں چلتا۔ کسی پر رحم کرنے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھیے کہ مثلاً" آپ تین فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہیں۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا۔ وہ چلا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ اس کی مدد کے لیے دوڑے اور خلوصِ قلب سے اس پر رحم کرنے کے لیے آگے بڑھے' مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا۔ اب غور کریں۔ آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشمِ خود ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں اور اس کے حال کے عالم بھی ہیں۔ رحم کرنے کی قدرت اور طاقت بھی آپ کے اندر پائی جاتی ہے۔ آپ اپنے اختیار سے رحم کر سکتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست آپ سے دور ہے اور آپ اس سے دور ہیں۔ آپ اپنی حیات' قدرت و اختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لیے راحم کا مرحوم سے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔

کاظمی صاحب اس کے بعد ثابت کرتے ہیں کہ اگر کوئی ذات لطیف نہ ہو تو تمام جہانوں کے قریب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالموں کے لیے رحمت فرمانے والے ہیں لہٰذا زندہ ہیں اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے عالم بھی ہیں اور ساتھ ہی عالم (عالمین) کے ہر ذرے تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت اور اختیار بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام عالم (عالمین) کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شے سے قریب بھی ہیں۔ نیز ایسے روحانی' نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بنا پر آپ کا کسی ایک چیز سے قریب ہونا دوسری چیز کے بعید ہونے کو مستلزم نہیں۔" (۲۳)

حواشی

☆ ۱۔ الانبیاء ۲۱: ۱۰۷

☆ ۲۔ مشیر الحق' پروفیسر۔ ترجمۂ قرآن: منشائے خداوندی کو سمجھنے کی انسانی کوشش۔

مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی۔ پہلی بار مئی ۱۹۸۸ء۔ ص ۲۹

☆ ۳ ۔ ایضاً"۔ ص ۳۰

☆ ۴ ۔ الفاتحہ ۔ ۱:۱

☆ ۵ ۔ امین احسن اصلاحی، مولانا۔ تدبّرِ قرآن۔ جلد اول۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور۔ طبع دوم۔ جون ۱۹۸۵ء۔ ص ۵۵

☆ ۶ ۔ ایضاً"۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۹

☆ ۷ ۔ ایضاً"۔ ص ۱۹۹

☆ ۸ ۔ عبدالقادر دہلوی، شاہ۔ فوائد موضح القرآن۔ منیر برادرز، جہلم۔ ص ۲۹۸

☆ ۹ ۔ محمود حسن دیوبندی، مولانا۔ قرآن شریف مترجم۔ ناشرانِ قرآن، لاہور۔ ص ۲

☆ ۱۰ ۔ ایضاً"۔ ص ۴۲۸

☆ ۱۱ ۔ قرآنِ کریم۔ مہتاب کمپنی، لاہور۔ ص ۲، ۳۹۶

☆ ۱۲ ۔ القرآن الحکیم (ترجمہ و تفسیر از حافظ سید فرمان علی)۔ چاند کمپنی، لاہور۔ ص ۲

☆ ۱۳ ۔ ایضاً"۔ ص ۳۹۶

☆ ۱۴ ۔ کنزالایمان فی ترجمہ القرآن (از اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی) چاند کمپنی، لاہور۔ ص ۲، ۳۹۳

☆ ۱۵ ۔ تفسیر نورُ العرفان از مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی۔ ص ۵۲۸

☆ ۱۶ ۔ القرآن الحکیم (ترجمہ و تفسیر از مولانا عبدالماجد دریابادی) تاج کمپنی لیمٹڈ لاہور کراچی۔ ص ۲، ۳

☆ ۱۷ ۔ مودودی، مولانا ابوالاعلیٰ۔ تفہیم القرآن۔ جلد اول۔ سروسز بک کلب۔ ۱۹۸۶ء۔ ص ۴۳، ۴۴

☆ ۱۸ ۔ ایضاً"۔ جلد سوم۔ ص ۱۸۹

☆ ۱۹ ۔ ایضاً"۔ ص ۱۴۳

☆ ۲۰ ۔ مراد اللہ انصاری، شاہ۔ تفسیرِ مرادیہ۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجرانِ

کتب، لاہور۔ ص ۲ (یہ اصل میں پارہ عم کی تفسیر ہے)

☆ ۲۱ ۔ طاہر القادری، پروفیسر محمد۔ سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت۔ مرکزی ادارۂ منہاج القرآن، لاہور۔ بار اول۔ دسمبر ۱۹۸۲ء۔ ص ۷۲

☆ ۲۲ ۔ ایضاً"۔ ص ۷۳

☆ ۲۳ ۔ نذیر احمد دہلوی، ڈپٹی۔ تفسیر غرائبُ القرآن۔ مطبوعہ مطبع قاسمی، دہلی۔ ۱۳۲۳ھ۔ ص ۳ (میرے پاس ٹریڈ سنٹر، لاہور کا چھپا ہوا نسخہ بھی ہے)

☆ ۲۴ ۔ امیر علی، مولوی سید۔ تفسیر مواہبُ الرحمن المعروف بہ جامع البیان۔ جلد اول (پارہ ۱، ۲، ۳) دینی کتب خانہ، لاہور۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۲۱

☆ ۲۵ ۔ ایضاً"۔ ص ۲۳

☆ ۲۶ ۔ محمد شفیع، مفتی۔ معارفُ القرآن۔ جلد اول۔ ادارہ المعارف، کراچی۔ ۱۹۸۸ء۔ ص ۷۸

☆ ۲۷ ۔ ایضاً"۔ ص ۸۰، ۸۱

☆ ۲۸ ۔ ایضاً"۔ جلد ششم۔ ص ۲۳۲

☆ ۲۹ ۔ ایضاً"۔ جلد ششم۔ ص ۲۳۴

☆ ۳۰ ۔ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری۔ تفسیرُ الحسنات۔ جلد چہارم۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۳۲۵، ۳۳۳

☆ ۳۱ ۔ مترجم قرآنِ کریم و تفسیرِ حسینی (ترجمہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور تفسیر از مُلّا حسین واعظ الکاشفی) ص ۲۴

☆ ۳۲ ۔ القرآنُ المجید۔ ترجمہ از شاہ رفیع الدین۔ ص ۲، ۳۹۹

☆ ۳۳ ۔ القرآن الحکیم مع ترجمہ البیان از علامہ احمد سعید کاظمی۔ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔ ص ۲، ۴۲۸

☆ ۳۴ ۔ محمد کرم شاہ، پیر۔ ضیاء القرآن۔ جلد اول۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ ایڈیشن پنجم۔ ۱۴۰۲ھ۔ ص ۲۲

☆ ۳۵ - ایضاً"۔ جلد سوم۔ ص ۱۹۰' ۱۹۱

☆ ۳۶ - ارشاد الحق فیضی عصامی' قاضی محمد۔ جواہر البیان فی تفسیر القرآن۔ المشہور بہ تفسیرِ عصامی۔ حصہ دوم۔ جلد اول۔ ص ۴۱' ۴۲

☆ ۳۷ - دانشمند جالندھری' علی احمد خاں۔ آسان قرآنِ مجید (صرف اردو ترجمہ و تفسیر)۔ (پارہ ۱ تا ۶) انجمن تبلیغ القرآن' لاہور۔ ص ۲

☆ ۳۸ - زاہد الحسینی' قاضی محمد و نذر احمد' حافظ۔ رہنمائے ترجمۂ قرآنِ کریم۔ پارہ اول۔ تعلیم القرآن ٹرسٹ' راہوالی گوجرانولہ۔ ص ۲۳

☆ ۳۹ - صلاح الدین' الحاج پیر۔ قرآنِ مجید' ترجمہ و تفسیر۔ جلد اول (سوہ النسا تک) قرآن پبلی کیشنز' اسلام آباد۔ ص ۵

☆ ۴۰ - امداد حسین کاظمی مشہدی' سید۔ تفسیر المتقین۔ انصاف پبلشنگ کمپنی لاہور۔ ص ۲' ۲۲۹

☆ ۴۱ - حوالہ نمبر ۳۹

☆ ۴۲ - تفسیر ابنِ کثیر (مترجم ابو محمد جونا گڈھی) جلد اول۔ ناشران قرآن' لاہور۔ ص ۳۷

☆ ۴۳ - ایضاً"۔ جلد ثالث۔ ص ۵۴

☆ ۴۴ - ایضاً"۔ جلد اول۔ ص ۳۹

☆ ۴۵ - ایضاً"۔ جلد ثالث۔ ص ۵۱۵

☆ ۴۶ - اشرف علی تھانوی' مولانا محمد۔ بیانُ القرآن۔ جلد اول۔ مطبع مجتبائی' دہلی۔ ص ۱

☆ ۴۷ - ایضاً"۔ جلد ۷۔ ص ۶۰

☆ ۴۸ - ادریس کاندھلوی' مولانا محمد۔ معارفُ القرآن۔ جلد اول۔ ص ۱۰۔ اور جلد چہارم۔ ص ۶۸۸ (مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور۔ طباعتِ دُوُم۔ ۱۹۸۲)

☆ ۴۹ - ایضاً"۔ جلد چہارُم۔ ص ۶۸۸' ۴۸۹

☆ ۵۰ - بشیر الدین محمُود احمد' مرزا۔ تفسیرِ صغیر۔ ادارۃ المصنفین' ربوہ۔ ص ۱' ۴۲۱

☆ ۵۱ - ایضاً"۔ ص ۲' ۴۲۱

☆ ۵۲ - حوالہ نمبر ۲۸' ۲۹

☆ ۵۳ - جامعُ اللغات۔ جلد سوم۔ ص ۶۸

☆ ۵۴ - نورُ اللغات۔ جلد دوم۔ ص ۶۷۷

☆ ۵۵ - ولی محمد خاں۔ محاوراتِ داغؔ۔ مکتبہ ادب' دہلی۔ بار اول ۱۹۳۴ء

☆ ۵۶ - ابوالکلام آزاد۔ ترجمانُ القرآن۔ جلد اول۔ مقبول اکیڈمی' لاہور۔ ص ۳۶ / ابوالکلام آزاد۔ اُمّ الکتاب۔ بساطِ ادب' لاہور۔ بار دوم ۱۹۸۷۔ ص ۳۸

☆ ۵۷ - ترجمانُ القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۴۹۵

☆ ۵۸ - ایضاً"۔ جلد دوم۔ ص ۴۸۴' ۴۹۵

☆ ۵۹ - راغب اصفہانی' امام۔ مفرداتُ القرآن (مترجم محمد عبدہٗ فیروز پوری) اہل حدیث اکادمی' لاہور ۱۹۷۱۔ ص ۷۳۰

☆ ۶۰ - کمال الدین حسین ہمدانی' پروفیسر سید۔ قرآن اور علمُ الافلاک۔ رنگ محل پبلی کیشنز' مظفر نگر یو پی انڈیا۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۸۷۔ ص ۳۰

☆ ۶۱ - ایضاً"

☆ ۶۲ - مصطفیٰ رضا رضوی' غلام حسین۔ تفسیر مبارکُ القرآن (سورہ فاتحہ) حافظ انڈسٹری لیمیٹڈ' پل نمبر ۱۴ نزد جہانیاں ضلع ملتان (اب ضلع خانیوال) ص ۱۸۸' ۱۹۱' ۱۹۲

☆ ۶۳ - سلمان منصور پوری' قاضی محمد سلیمان۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دُوُم۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور۔ ص ۳۱۴' ۳۱۵

☆ ۶۴ - احمد سعید شاہ کاظمی' علامہ۔ مقالاتِ کاظمی۔ جلد اول۔ مکتبہ فریدیہ' ساہیوال۔ بار اول ۱۳۹۷ھ۔ ص ۹۹ - ۱۰۳



تسخیرِ عوالم ---- کس کے لیے؟

اللہ تعالیٰ خالق عالمین ہے، ربُّ العالمین ہے۔ تمام کائناتیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، ان میں اُسی کا حکم چلتا ہے، وہی سب کائناتوں کا پروردگار ہے۔ تمام عالمین میں جو جو کچھ ہوتا ہے، اسی کے امر سے ہوتا ہے۔ سورۃُ الاعراف میں ارشادِ ربُّ العالمین ہے۔ "در حقیقت تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن، رات کے پیچھے دوڑا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے۔ سب اس کے امر کے مسخر ہیں (اس کے فرمان کے تابع ہیں) خبردار ہو، اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ سارے عالموں کا مالک و پروردگار ...... اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھالیتی ہیں تو انھیں کسی مُردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر (اسی مَری ہوئی زمین سے) طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے۔ دیکھو اس طرح ہم مُردوں کو حالت موت سے نکالتے ہیں۔ شاید کہ تم اس مشاہدے سے سبق لو۔(۱)

ایک اور مقام پر اللہ کریم نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو جانتے ہیں کہ زمین اور آسمان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو اسی نے مسخر کر رکھا ہے لیکن پھر بھی دھوکا کھا رہے ہیں (۲) البقرہ میں آسمانوں اور زمین کی ساخت، رات اور دن کے ادل، بدل انسان کے نفع کی چیزوں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلنے والی کشتیوں، اوپر سے برسنے والے پانی اور اس سے زندگی پانے والی مردہ زمین اور زمین

میں پھیلی ہوئی مخلوق اور ہواؤں کی گردش اور آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کیے گئے بادلوں کا ذکر کیا ہے اور انھیں عقل والوں کے لیے نشانیاں بتایا ہے (۳)

سورۃُ النحل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پرندوں کی تسخیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں۔ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۴)

اللہ کریم جل شانہٗ نے سورۃُ الرعد میں زمین اور اس کے نباتات، دریاؤں، پہاڑوں کے عجائبات کا ذکر فرمایا ہے، آفتاب وماہتاب کو مسخر کرنے کی بات کی ہے، آسمانوں کے بے سہارا قائم ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور غور و فکر کرنے والوں اور عقل سے کام لینے والوں کے لیے ان چیزوں میں موجود نشانیوں اور ان نشانیوں کے کھول کھول کر بیان کرنے کو اپنے رب کی ملاقات کے یقین سے منسلک کیا ہے(۵)

سورۃُ لقمان اور سورۃُ فاطر میں اللہ کے چاند اور سورج کے مسخر کر رکھنے کا حوالہ ہے (۶) فاطر کی انہی آیات میں انسان کی تخلیق، میٹھے اور کھاری پانی، تازہ گوشت، زینت کے سامان، پانی کا سینہ چیرتی ہوئی کشتیاں، رات اور دن کا بدلنا اور ان سب کاموں کا ایک سسٹم کے تحت ہونا بیان کیا گیا ہے(۷) سورۃُ الزمر میں ہے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو، وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا، اور اسی نے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے۔ وہ تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمھیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ تمھارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے"۔ (۸)

اللہ کریم نے مختلف کائناتوں، سب عالموں میں جو جو کچھ پیدا کیا، جن چیزوں

کی تسخیر کا ذکر کیا ہے' اس کے متعلق یہ حقیقت تو واضح فرما دی کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے مسخر کیا ہے لیکن کہیں کہیں اس بات کی وضاحت بھی فرما دی کہ یہ سب کچھ اس نے انسانوں کے لیے کیا۔ سورج چاند ستارے' آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے' اس نے اشرف المخلوقات کے لیے مسخر کیا ہے۔ سورۂ الحج میں بتایا گیا ہے کہ اللہ آسمانوں سے پانی برساتا ہے جس کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' اسی کا ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے' اسے اس نے تمھارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا۔ اسی سورہ میں خداوندِ قدوس و کریم نے اونٹوں کو اور جانوروں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دینے کی نوید سنائی ہے۔ (۹)

جو چیز آپ کے لیے مسخر کر دی گئی ہو' اسے آپ جس طرح چاہیں' استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سے استفادہ کرنا' اسے مختلف مقاصد کے لیے زیرِ استعمال لانا اور اپنی مرضی کے مطابق اس سے فائدہ اٹھانا آپ کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ زمین کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے' پانی آپ کی بہبود کے لیے برسایا گیا تو آپ اپنی مرضی کے مطابق اس زمین میں جو فصل چاہیں' اگالیں۔ چاہیں تو اجناس بوئیں' چاہیں تو سبزیاں اگائیں' اور پسند کریں تو پھلوں کے باغ لگائیں ۔ دریاؤں' سمندروں کو انسانیت کے لیے مسخر کر دیا گیا تو آپ بحری جہاز بنا کر اس پر سفر کریں یا جنگی مقاصد کے لیے آبدوزیں چلائیں ۔ آسمانوں اور زمینوں کے مابین کے ماحول کی تسخیر سے مراد یہ بھی ہے کہ آپ ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر یا راکٹ میزائیل بنانے اور چلانے کی صلاحیت سے بہرہ ور کر دیے گئے ہیں۔ تسخیر کے اس معنیٰ کو واضح اور ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اونٹوں اور جانوروں کے مسخر کرنے کی بات بتائی کہ جیسے ہم ان جانوروں کو ذبح تک کر سکتے ہیں' اسی طرح اللہ کریم کے ہمارے لیے مسخر کی ہوئی کائناتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال میں لا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کے نظام کو' سورج چاند اور ستاروں کو' سمندر کو اور زمین و آسمان کی ساری چیزوں کو مسخر کرنے کے اس سارے عمل کی غایت یہی بیان فرمائی ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کیا گیا۔ اس نے سورۂ نحل میں انسان کی حقیقت کا اعلان فرما کر اسے بتایا کہ جانور اس کی پوشاک اور خوراک اور دوسرے فائدوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں' انھیں باربرداری کے لیے اور انسانوں کی سواری کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ آسمان سے پانی اس لیے برسایا گیا ہے کہ انسان بھی سیراب ہوں اور ان کے جانوروں کے لیے چارا بھی پیدا ہو۔ انسان اس پانی کے ذریعے کھیتیاں اگائے اور طرح طرح کے پھل پیدا کرے۔ سورج اور چاند کو اور رات اور دن کو اللہ نے انسان کی بھلائی کے لیے مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ سمندر بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مسخر کر رکھا ہے تاکہ اس سے تروتازہ گوشت لے کر کھاؤ اور پہننے کے لیے زینت کی چیزیں حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ اللہ نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر لڑھک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ" (۱۰)

الجاثیہ میں ہے۔" وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔ اس نے زمین اور آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا' سب کچھ اپنے پاس سے ------اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔" (۱۱)

جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے "کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمھارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں" (۱۲)۔ تو کیا اس کا مطلب واضح طور پر یہ نہیں ہے کہ صاحبِ

اختیار خالق و مالکِ حقیقی نے جن چیزوں کی تسخیر کی ہے' انسانوں کے لیے کی ہے اور اپنی اس نعمتِ عظمیٰ کا انھیں متواتر احسان بھی جتایا ہے اور ہمیں یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ہم اپنے رب کے اس احسان یا احسانات کو یاد کریں اور کہیں کہ "پاک ہے وہ جس نے ہمارے لیے ان چیزوں کو مسخر کر دیا' ورنہ ہم انھیں قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ایک روز ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے" (۱۳)۔

پھر خالقِ حقیقی جل و علا فرماتا ہے "اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے سے تمھاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ جس نے کشتی کو تمھارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمھارے لیے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمھارے لیے مسخر کیا"۔ (۱۴)

اللہ تعالیٰ ہر عالم کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس نے ہر ہر عالَم میں جو جو مخلوق پیدا کی ہے' ان میں سے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے اور ہر مخلوق کو' ہر عالم کو' تمام کائناتوں اور ان میں موجود تمام تخلیقات کو اشرفُ المخلوقات کے لیے مسخر فرما دیا۔ اگر انسانوں میں سے کچھ لوگ اپنی خداداد بصیرت سے کام لے کر ان کائناتوں میں خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ تمام مظاہرِ قدرت اور سب مخلوقات سے کچھ کام لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں کہ بالآخر ان عالموں اور ان میں موجود اہم مظاہر اور قدرت کی نشانیوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کے لیے مسخر کیا ہے۔ لیکن انسانوں میں بھی تو درجے ہیں۔ جو لوگ عبادت و ریاضت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دوست ہو جاتے ہیں' ان کے لیے کائناتِ ظاہری میں موجود چیزیں ہمیں بھی مسخر صورت میں دکھائی دیتی ہیں اور وہ ہَوا پر' ماحول پر متصرّف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمارے سامنے ہے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں' جن کو اس نے نبوت سے سرفراز فرمایا' ان کا مقام ظاہر ہے کہ بہت بلند ہے۔ اسی لیے عالَمِ انسانیت کی عمومیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے

بعض انبیاءِ کرام کا نام لے کر ان کے لیے بعض چیزوں کو مسخر کرنے کی حقیقت کا اظہار مناسب خیال فرمایا۔ اس نے قرآنِ پاک میں پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے (۱۵) اور ہَوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے (۱۶) مسخر کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس نے حضرت سلیمان کے لیے شیاطین کو بھی مسخر کرنے کی بات کی ہے (۱۷)۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی "تمھارے لیے مسخر کیا" کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اس کو عام طور پر لوگ غلطی سے "تمھارے تابع کر دیا" کے معنی میں لے لیتے ہیں اور پھر اس مضمون کی آیات سے عجیب عجیب معنی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تو یہاں تک سمجھ بیٹھے کہ ان آیات کی رو سے تسخیرِ سماوات و ارض انسان کا مُنتہائے مقصود ہے۔ حالانکہ انسان کے لیے ان چیزوں کو مسخر کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے قوانین کا پابند بنا رکھا ہے جن کی بدولت یہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں"۔ (۱۸)

میرا خیال ہے کہ قرآن میں فکر کرنے والا کوئی شخص ان آیات کی رو سے تسخیرِ سماوات و ارض کو انسان کا "منتہائے مقصود" نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ بعض لوگوں نے اس سے تسخیرِ کائنات ہی مراد لی ہے اور یہ کسی طرح غلط نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً ان معنوں میں کہ جلیلُ القدر پیغمبروں کو لوہے اور ہَوا پر جس طرح تصرّف حاصل تھا' اس کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ "اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان (پہاڑوں اور ہوا) کو ایسے قوانین کا پابند بنا رکھا ہے جن کی بدولت یہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں"۔ بلکہ یہاں تسخیرِ ہَوا کا مطلب تسخیرِ ہَوا ہی ہے اور وہ ایک جلیل القدر پیغمبرؑ کے تابع ہی کر دی گئی تھی۔ عام انسانوں اور پیغمبروں میں اس حوالے سے فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے جن کائناتوں کے مسخر کرنے کا اعلان فرمایا ہے' اس میں تشویق و تحریک کا انداز پایا جاتا ہے کہ انسان مختلف علوم حاصل کریں اور مظاہرِ فطرت اور مختلف عالموں کا بنظرِ غائر

مشاہدہ و مطالعہ کریں، ان میں غور کریں تو انھیں تسخیر کر سکتے ہیں ------ اور انبیاءِ کرام کے لیے کسی کدو کاوش کے بغیر کچھ کائناتوں کو ان کے زیرِ فرمان کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کو جس طرح چاہیں، استعمال کریں۔

قرآنِ پاک میں تسخیرِ کائنات کے حوالے سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ لاتعداد کائناتوں میں سے ایک آدھ کائنات کو ان کے لیے تسخیر کر دیا گیا ہے۔ لیکن تسخیر و تصرّف کے یہ الفاظ قرآنِ کریم میں حضور سرتاج الانبیا، خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے استعمال نہیں کیے گئے۔ سب انبیاء و رُسُل کو خالق حقیقی عزوجل نے ہدایت انسانی کے لیے مبعوث کیا، انھیں اپنا پیغام پہنچانے اور لوگوں کو سیدھی راہ پر چلانے کے لیے دنیا میں بھیجا۔ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی (۱۹)۔ اور ہمارے آقا و مولا حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کو سب انبیاء و رُسُل کا امام و مقتدا بنایا (۲۰)۔ اور سب نبیوں سے عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور حکمت دیں۔ پھر کوئی پیغمبر تمھارے پاس آئے اور جو کچھ تمھارے پاس ہے، اس کی تصدیق کرے تو کیا تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے؟ اللہ کریم نے سب سے پوچھا کہ تم اس معاملے میں اقرار و میثاق کرتے ہو۔ انھوں نے اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک دوسرے کا گواہ ٹھہرایا اور خود بھی گواہوں میں ہونے کا اعلان فرمایا۔ (۲۱)

یعنی تمام انبیاءِ کرام اپنے سردار و مقتدا پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد کر چکے ہیں، وہ ایک دوسرے پر گواہ ہیں اور اللہ تعالیٰ خود بھی اس میثاق کا گواہ ہے۔ پھر تسخیرِ عالمین کے سلسلے میں جن پہلوؤں سے عام انسانوں کو، پھر جن اہم شعبوں میں اولیاء اللہ کو، پھر جن خاص الخاص حوالوں سے انبیاءِ کرام کو تخصّص عنایت ہوا ہے، حضور نبی الانبیا علیہ السلام والثنا ان سب خصوصیتوں کے بدرجۂ اولیٰ حامل کیوں نہ ہوں گے اور ان سب عوامل پر بطورِ خاص، سب سے زیادہ متصرّف کیوں نہ فرما دیے گئے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جو جو مخلوق پیدا کی ہے، اس پر رحیم و کریم ہے۔ خالق کو اپنی تخلیق پر پیار تو آتا ہی ہے، شفقت تو ہونا ہی چاہیے۔ پھر اس نے انسان کو ان تمام مخلوقات سے اشرف قرار دے دیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اسے دوسری مخلوقات سے زیادہ پسند ٹھہرا۔ پھر انسانوں میں سے جو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، اس کے حکم کو زیادہ سے زیادہ مانتے ہیں، عبادت و ریاضت میں ایک حیثیت رکھتے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ دوست بنا لیتا ہے اور انھیں خوف و حُزن سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ (۲۲) یوں، اولیاء اللہ کا مقام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عام انسانوں سے بہت بلند ہے۔ پھر ان سے زیادہ انبیاءِ کرام، مُرسلینِ عظام ہیں کہ انھیں اللہ کریم نے معصوم رکھا، انھیں اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنایا۔ ان میں سے کسی کو اپنا خلیل قرار دیا، کسی کو کلیم بنایا۔ پھر انبیاء و رُسُل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام، سب سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ انھیں خدائے برتر نے اپنا محبوب کیا۔ یہاں تک کہ اپنی عطا سے اس نے اپنی کئی صفات اپنے محبوبِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) میں پیدا فرما دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود رؤف و رحیم ہے (۲۳) تو اس نے مسلمانوں کے لیے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رؤف و رحیم قرار دیا ہے (۲۴)۔ اس نے سورۃ الانفطار میں اپنے آپ کو اور سورۃ الحاقہ میں حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو "کریم" فرمایا ہے (۲۵)۔ اس نے اپنے آپ کو بھی "حق" فرمایا ہے اور اپنے محبوبِ کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) کو بھی "حق" فرمایا ہے (۲۶)۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے کام جہاں اپنے سامنے ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے (۲۷)، وہاں ان کاموں کی نگرانی اور گواہی حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذمّے ہونے ذکر بھی کیا ہے (۲۸)۔

اللہ کریم جل جلالہ العلی العظیم نے قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر اپنا اور اپنے محبوبِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر یکجا فرمایا ہے۔ مثلاً

"اور کیا اچھا ہوتا، اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے انھیں دیا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب اللہ اور اس کا

رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے گا" (۲۹)۔

"صرف اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا مددگار ہے" (۳۰)۔

"ان کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے فضل سے غنی کر دیا" (۳۱)۔

"جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی" (۳۲)۔

"اور اب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے کام دیکھیں گے" (۳۳)۔

"بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو' اُن پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (۳۴)۔

"بے شک وہ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی' ذلیل کیے گئے جیسے ان سے پہلوں کو ذلت دی گئی" (۳۵)۔

"یہ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پھٹے رہے اور جو اللہ سے پھٹا رہا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے" (۳۶)۔

"لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ اور قیامت پر' اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے" (۳۷)۔

قرآنِ پاک کے حوالے سے' جب ہم حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں کی تعریف کر رہے ہوں' ان ہاتھوں سے بٹنے والے کرم کا ذکر رہے ہوں تو ہم دراصل خدا کی عطا کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں (۳۸)۔ جب گفتارِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر ہو' حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے ارشادات کی بات ہو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پڑھی جا رہی ہوں تو **وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی** (۳۹)۔ کی رو سے یہ اللہ کی وحی کی تعریف ہوتی ہے' خدا کے احکام کی بات ہوتی ہے۔ جب ہم بعثتِ محمدی (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) کے ذکر میں رطبُ اللساں ہوتے ہیں تو ہم دراصل خدا کے اس احسان کی بات کرتے ہیں جو اس نے اہلِ ایمان پر جتانا ضروری سمجھا ہے۔ (۴۰)

جہاں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی تبلیغ کی جائے' سرکار (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت اور فرمانبرداری کا حوالہ آئے' دراصل یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی خواہش اور خدا کی طرف سے محبت کیے جانے کی نوید کی بات ہو گی۔ (۴۱)

جب حضور آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والثنا کے دربارِ گہربار میں رسائی کی تمنا عملی جامہ پہنے' جب آپ اپنے آپ کو بارگاہِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہنچائیں اور سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شفیعُ المذنبین مان کر درخواست گزار ہوں تو گویا آپ خداوندِ کریم کی صفتِ رحیمی کو جوش میں لا رہے ہیں اور اس کا تواب ہونا آپ کی معصیت کاری کو نیست و نابود کر رہا ہے۔ (۴۲)

مخلوقِ خدا سے اللہ تعالیٰ کی محبت تو ظاہر بات ہے۔ اشرفُ المخلوقات پر' انسانوں میں سے اولیاء و انبیا (رحمہم اللہ تعالیٰ و علیہم السلام) پر اس کی خاص اور خاص الخاص نگاہِ کرم اظہر من الشمس ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تو وہ محبت فرماتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اپنے ساتھ ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرنا اور خدائی کاموں میں ان کا ذکر فرمانا بھی اسی حقیقت پر دال ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ محبت ہوتی ہے تو اس کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ محب اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے' اسے خوبصورت القابات اور پیار کے خطابات سے پکارتا ہے' اس کی بات مانتا ہے۔ محبوب کی تکلیف اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ وہ محبوب کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو عزیز رکھتا ہے جنھیں اس کا محبوب عزیز رکھتا ہو۔ وہ دوسروں کو یقین دلاتا ہے کہ اس کا محبوب سب سے اچھا ہے۔ محب کبھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے محبوب کی توہین کرے' اور

——— وہ اپنے محبوب کے دشمنوں کو خائب و خاسر کرنے اور ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔

اس نقطۂ نظر سے قرآنِ مجید کا مطالعہ کریں تو کلامُ اللہ سے محبت کے یہ تمام تقاضے پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ محبِ حقیقی اپنے محبوبِ حقیقی کی تعریف یوں کرتا ہے کہ قرآنِ مجید حضور محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی تعریف سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اللہ نے انھیں حق کے ساتھ، خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجنے کی بات کی۔ (۴۳) انھیں ایسا رسول فرمایا جنھیں لوگوں کا مشقت میں پڑنا گراں ہے، انھیں لوگوں کی بہت بھلائی چاہنے والا کہا اور مسلمانوں پر بہت کرم والے مہربان قرار دیا۔ (۴۴) اس نے اس شہر کی قسم کھائی جس میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ (۴۵) اس نے اپنے پیارے کی جان کی قسم کھائی۔ (۴۶) اس کو اپنی قسم کھانا تھی تو اس کے لیے بھی "فَلَا وَرَبِّکَ" فرمایا کہ اے محبوب! مجھے تیرے رب کی قسم۔ (۴۷)

خداوندِ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو مسلمانوں کی جانوں کے، خود ان سے زیادہ مالک قرار دیا اور فرمایا کہ ان کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ (۴۸) اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد، مبشر، نذیر، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا چراغ فرمایا۔ (۴۹) اس نے محبوب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے خُلق کو عظیم کہا (۵۰)۔ اس نے ان کے ذکر کو ان کی خاطر بلند کرنے کا اعلان فرمایا۔ (۵۱) اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ (۵۲) قرآنِ کریم میں تعریفِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ انداز بھی دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پورے قرآنِ مجید میں کہیں نام سے نہیں پکارا۔ کہیں "یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ" کہا ہے، کہیں "یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ" پکارا ہے۔ پھر "یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ" اور "یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" کہہ کر خطاب کیا ہے کہ اے کپڑوں میں لپٹنے والے اور اے چادر اوڑھنے

والے! کہیں انھیں چمکنے والا ستارہ کہا، کہیں ان کے چہرۂ مبارک کی قسم کھائی اور کہیں ان کی زلفِ معنبر کی۔ غرضیکہ اس نے اپنے پیارے کو پکارنے کے لیے اپنائیت اور محبت کے اُسلوب اختیار کیے ہیں۔

محبت کا دعویدار اپنے محبوب کی بات مانتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے کلامُ اللہ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب آقائے کائنات علیہ الثناء والصلوٰۃ نے اس تمنا میں بار بار آسمان کی طرف دیکھا کہ بیتُ المقدس کے بجائے کعبۃُ اللہ مسلمانوں کا قبلہ بن جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ادا کا ذکر کر کے فرمایا کہ جس میں تمھاری خوشی ہے، ہم تمھیں اسی کی طرف پھر دیں گے۔ اور پھر فرمایا کہ ابھی اپنا منہ مسجدِ حرام کی سمت پھیر لو(۵۳)

آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثؓ کے نکاح کا پیغام اپنی پھوپھی زاد حضرت زینبؓ کے لیے دیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ نے اسے منظور کرنے میں اس لیے پس و پیش کیا کہ حضرت زیدؓ خاندانی طور پر اتنے عالی نہیں تھے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے حکم نازل فرما دیا کہ جب اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ حکم فرما دیں تو پھر کسی مسلمان عورت یا مرد کو اپنے کسی معاملے میں کچھ اختیار نہیں رہتا۔(۵۴)

محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ محب اپنے محبوب کی تکلیف گوارا نہیں کرتا چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری رات خدا کی عبادت کرنا شروع کی تو اللہ کو محبوب کی اس ادا میں ان کی تکلیف کا خیال ہوا، اور فرمایا کہ اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات میں کچھ وقت کے لیے قیام فرماؤ۔(۵۵)

پھر چاہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ چاہے جانے والے کی رضا چاہے، اس کی خوشی میں اپنی خوشی سمجھے۔ چنانچہ اللہ کریم نے فرمایا "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" بے شک قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔(۵۶)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ محب اپنے محبوب کے عزیزوں اور اس کے نام لیواؤں کو اچھا سمجھتا ہے۔ جن لوگوں سے اس کی نسبت ہوتی ہے' وہ محب کو اچھے لگتے ہیں۔ اس حوالے سے اس فرمانِ خداوندی کو دیکھئے کہ اے محبوب! فرما دیجیے' اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو۔ اللہ تمھیں دوست بنا لے گا' تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔(۵۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بندوں میں سے جس کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے' اسے اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونے کو کہا گیا ہے۔(۵۸) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں کو کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل قرار دیا گیا۔(۵۹)

یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے محبوب سے محبت کرنے والا' دوسروں کو یقین دلاتا ہے کہ اس کا محبوب سب سے اچھا ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ کنکریوں کی جو مٹھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ بدر کے موقع پر دشمنوں کی طرف پھینکی تھی' وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بلکہ خود اللہ نے پھینکی تھی'(۶۰) تو مقصد یہ ہے کہ سب لوگ مان لیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی سورہ میں اللہ کا یہ فرمان کہ اے محبوب' جب تک تم ان میں ہو' اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب میں مبتلا کردے '(۶۱) سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔' دوسرے پیغمبروں کی حیاتِ ظاہری میں بھی ان کی قومیں عذابِ الٰہی کا شکار ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ فرما کر کہ جب تک سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں ہیں' ہم عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے' خداوندِ کریم نے دنیا پر ظاہر کر دیا کہ اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عظیم المرتبت کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

محبت کے تقاضوں میں سے اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی توہین برداشت نہیں کرتا' اور' خدا تعالیٰ نے بھی یہی کیا ہے۔ جو لوگ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے ہیں اور یہ کہ

کوئی فرشتہ اتارا جانا چاہیے تھا' ------ انھیں اللہ نے گمراہ فرمایا' ------ اور گمراہ بھی ایسے کہ اب راہ نہیں پا سکتے۔ (۶۲) یعنی حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کفر ہے اور کفر بھی ایسا کہ اس دلدل میں دھنسنے والے چھٹکارا نہیں پا سکتے' ان کے لیے ایمان کی روشنی کا حصول ممکن ہی نہیں۔

جب منافقین نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "رَاعِنَا" کے بجائے ذرا سا لہجہ بگاڑ کر یہ لفظ کہا جس سے وہ بزعم خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تضحیک کا پہلو نکال لیتے تھے (نعوذُ باللہ) تو اللہ نے حکماً اس لفظ کا استعمال ممنوع فرما دیا اور حکم دے دیا کہ جب آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ مطلوب ہو' " اُنْظُرْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمْ) " کہو' کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیکَ وسلم) ہماری طرف نظرِ کرم فرمائیے۔ (۶۳) اس طرح ہر ایسا لفظ بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال کرنا ممنوع قرار پایا جس کا معنی کھینچ تان کر بھی ایسا نکلتا ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے سے فروتر ہو۔ پھر فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پکارنے کو آپس میں نہ ٹھہرا لو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ (۶۴) پھر ارشاد ہوا کہ اپنی آوازیں اپنے آقا کی آواز سے اونچی نہ کرو اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کہو جیسا تم ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو کہ کہیں تمھارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔ (۶۵) یعنی بارگاہِ مصطفوی (علیہ الصلوٰۃ والثنا) میں اونچی آواز سے بولنا' چلا کر بات کرنا' سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پکارنا جس طرح کوئی ایک آدمی دوسرے کو پکار سکتا ہے' یا کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا جس کے دور کے معنی بھی ایسے نکل سکتے ہوں جو مقامِ مصطفیٰ (علیہ السلام والثنا) سے کمتر ہوں' منع ہے۔ اللہ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین اشارتاً بھی گوارا نہیں۔

اور' ------ محبت کا سب سے بڑا تقاضا یہی ہے کہ جہاں محب کو محسوس ہو کہ اس کے محبوب کی توہین کی گئی ہے یا اسے نقصان پہنچانے کی کوشش

ہوئی ہے یا اسے تکلیف پہنچائی گئی ہے' وہاں اس کا غضب جوش میں آ جائے' وہ محبوب کے دشمنوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہو ------- اس پہلو سے خالقِ حقیقی اور اس کے محبوبِ حقیقی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے باہمی ربطِ محبت پر نظر دوڑائیں تو واضح ہوتا ہے کہ نہ ایسا محب کوئی اور ہو سکتا ہے' نہ ایسا محبوب کسی نے دیکھا ہے۔

جب عاص بن وائل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں (نعوذ باللہ) "ابتر" کا لفظ استعمال کیا تو اللہ نے سورۂ کوثر نازل فرما دی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خیرِ کثیر عطا فرمانے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ "ابتر" تو آپ کا دشمن ہے۔ (۶۶)

ابولہب نے حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی شان میں گستاخی کی تو اللہ نے سورۂ لہب (۶۷) نازل فرما دی جس میں اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹنے کا کوسنا دیا اور اس کی مکمل تباہی کا اعلان فرمایا۔ اسے اور اس کی بیوی امّ جمیل کے جو ابوسفیان کی بہن تھی' آگ میں دھنسنے کے انجام کا ذکر کیا اور اُمّ جمیل کے گلے میں کھجور کی چھال کے رسّے کی بات کی۔ (اور وہ اسی طرح مری کہ سر پر گٹھا لا رہی تھی' راستے میں ستانے کے لیے بیٹھی' گٹھا پیچھے کو کھینچا اور رسّی سے گلے میں پھانسی پڑ گئی)

اسی طرح جب ولید بن مغیرہ نے خالق و مالکِ ہر عالم جل و علا کے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی توہین کی' نعوذُ باللہ انھیں مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نٓ (القلم) نازل فرمائی۔ جس میں پہلے تو قلم اور اس کے لکھے کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ پھر اس بدبخت کی دس برائیاں گنوائیں کہ وہ بڑا قسمیں کھانے والا ہے' ذلیل ہے' بہت طعنے دینے والا ہے' بہت اِدھر کی اُدھر لگانے والا ہے' بھلائی سے روکنے والا ہے' حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے' دُرشت خو ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ حرامزادہ ہے' اس کی اصل میں خطا ہے' وہ اپنے باپ کا نہیں۔ (۶۸) پھر فرمایا۔ "سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ" کہ ہم اس کی سونڈ پر داغ دیں گے۔ اور یہ پیشگوئی یوں پوری ہوئی کہ جنگِ بدر میں ولید بن مغیرہ کی ناک کٹ گئی اور پھر وہ جدھر سے گزرتا ہو گا' لوگ کہتے ہوں گے کہ یہ وہ ہے' جس کے متعلق

اللہ نے کہا تھا کہ اس کی ناک داغی جائے گی اور وہ نشان سامنے ہے' اس لیے وہ جو اس کے زنا کی اولاد ہونے کی خبر تھی' وہ بھی لازماً درست ہو گی۔ یوں' اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنی اصل پر نہ ہونے کا نہ صرف اعلان کیا' بلکہ ثابت بھی کر دیا کہ وہ بے اصل ہے۔

حضور فخرِ موجودات علیہ الثناء والصلوٰۃ کی محبوبیت کے یہ مظاہر کلامُ اللہ میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے تو ہر شخص کو یہ حقیقت سمجھ لینا چاہیے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی' قصہ مختصر"۔ اللہ کریم نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب انبیاء و مُرسلین کے بعد بھیجا لیکن جو مقام آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو عنایت فرمایا' اس سے کسی اور کو سرفراز نہیں کیا۔ اس نے دوسرے تمام انبیا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ اس نے کسی اور پیغمبر پر درود نہیں بھیجا لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے الُوہی حکم سے پہلے اہلِ ایمان کو یہ بتا دینا ضروری سمجھا کہ وہ خود اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ (۶۹)

فرشتوں پر تو ہر مسلمان کے لیے ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن ان کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا پر درودِ پاک بھیجتے رہتے ہیں اور تا قیامت ایسا کرتے رہیں گے۔ درود شریف پڑھنے والے انسان جہاں اللہ جل شانُہٗ کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اس کی سُنّت پر بھی عمل پیرا ہوتے ہیں' وہاں وہ اس عمل میں فرشتوں کی تقلید بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے درود خوانوں پر فرشتوں کی شفقت و محبت کا یہ عالم ہے کہ "ایک بار نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کے چاروں مقرب فرشتے حاضر ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی' یا رسولَ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) اگر آپ پر کوئی دس بار درودِ پاک پڑھے گا تو میں اسے پُل صراط سے بجلی کی تیزی سے گزار دوں گا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ یا رسولَ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) ایسے شخص کو

میں آبِ کوثر پر پہنچا کر سیراب کروں گا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کہنے لگے۔ میں بارگاہِ ربُّ العزت میں اس وقت تک پڑا رہوں گا جب تک وہ بخشا نہیں جاتا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔ میں اس کی روح اتنی آسانی سے قبض کروں گا جس طرح انبیا علیہم السلام کی روح قبض کی جاتی ہے"۔ (۷۰)

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے پہاڑوں اور ہوا کی تسخیر کا قرآنی ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ اور دوسرے تمام جلیلُ القدر انبیاءِ کرام' حضورِ اکرم رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوشہ چین ہیں' آپ کی نبوت و رسالت کے قائل ہیں اور آپ کے مقتدی ہیں۔ انبیاءِ کرام میں سے حضرت آدم علیہ السلام ابُو البشر ہیں۔ کتابوں میں ہے کہ حضرت حوّا علیہا السلام کے ساتھ ان کے نکاح میں درود شریف کو حق مہر قرار دیا گیا تھا۔ (۷۱) پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے دس بار درود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح حضرت حوّا کے ساتھ کر دیا۔ بعض کتابوں میں درود شریف کی تعداد تین یا بیس مرتبہ ہے۔ (۷۲)

شیخِ محقق عبدالحق محدّث دہلوی' مُلّا معین واعظ کاشفی' علّامہ یُوسُف بن اسماعیل نبہانی (رحمہم اللہ) اور دوسرے کئی بزرگوں نے نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اگر دنیا میں میری تعریف کرنے والے نہ رہیں تو ایک قطرہ بارش کا آسمان سے نہ بھیجوں اور ایک دانہ سبزی کا زمین سے نہ اگاؤں۔ اسی طرح بہت سی چیزیں ذکر کیں۔ یہاں تک کہ فرمایا' اے موسیٰ! کیا تم چاہتے ہو کہ تم سے قریب ہو جاؤں' جیسا کہ تمھارا کلام تمھاری زبان سے قریب ہے یا جس طرح کہ وسوسہ تمھارے قلب کا تمھارے دل سے' اور تمھاری روح تمھارے بدن سے اور تمھاری روشنیِ چشم تمھاری آنکھ سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب' میں یہی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھا کرو' تب تمھیں یہی نسبت حاصل ہو جائے گی"۔ (۷۳)

اس صورتِ حال میں ہمارے سرکار حضور حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقام و مرتبہ کی طرف واضح اشارے ملتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مظاہرِ کائنات اور آسمانوں اور زمین کے درمیان موجود بہت سی چیزوں کے مسخر کرنے کا تو اعلان فرمایا اور بعض انبیاءِ کرام کے لیے پہاڑوں اور ہوا کو مسخر کرنے کا تذکرہ کیا لیکن تسخیرِ عالمین کے حوالے سے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی کچھ ارشاد فرمایا' یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالمین کا خالق ہے اور عالمین کا پروردگار ہے' اس نے اپنے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حیطۂ اقتدار و اختیار تمام عالمین تک وسیع فرماتے ہوئے انھیں "رحمۃٌ للعالمین" قرار دے دیا۔ (۷۴) یعنی جن عالمین کو اللہ نے پیدا کیا اور جن عالمین کا وہ رب ہے' ان عالمین کے لیے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجنے کا اعلان فرما دیا۔ تسخیر تو جب ہوتی ہے جب کوئی چیز موجود ہو اور کسی سسٹم کے تحت چل رہی ہو۔ لیکن "رحمت للعالمین" کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نظامِ رحمت جس کے تحت تمام عالمین ایک معیّن صورت میں ایک سسٹم کے تحت چل رہے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ جس نظامِ رحمت سے کوئی سسٹم جاری و ساری ہوتا ہے' اس سسٹم کو قائم کرنے والی ہستی (خدا تعالیٰ) کے بعد' وہی نظامِ رحمت اس سسٹم پر سب سے زیادہ متصرّف ہو سکتا ہے۔ ربُّ العالمین نے عالمین کے نظام کو ایک ترتیب اور نظم کے ساتھ چلانے کا اہتمام کیا تو اس ہستی کو' جس کے لیے اس نے سب کچھ پیدا کیا' رحمت للعالمین بنا دیا۔ تمام عالمین' سب سے پہلے اور سب سے زیادہ رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے لیے مسخر کیے گئے۔

حواشی

☆۱۔ الاعراف۔ ۷۔ ۵۴'۵۷

☆۲۔ العنکبوت۔ ۲۹: ۶۱

☆ ۳ - البقرہ - ۲ : ۱۴۳

☆ ۴ - النحل - ۱۶ : ۷۹

☆ ۵ - الرعد - ۱۳ : ۱ تا ۴

☆ ۶ - لقمٰن - ۳۱ : ۲۹ / فاطر - ۳۵ = ۱۳

☆ ۷ - فاطر - ۳۵ : ۱۱ تا ۱۲

☆ ۸ - الزمر - ۳۹ : ۶۵

☆ ۹ - الحج - ۲۲ : ۶۳ تا ۶۵

☆ ۱۰ - النحل - ۱۶ : ۳ تا ۱۶

☆ ۱۱ - الجاثیہ - ۴۵ : ۱۲، ۱۳

☆ ۱۲ - لقمٰن - ۳۱ : ۲۰

☆ ۱۳ - الزخرف - ۴۳ : ۱۳

☆ ۱۴ - ابراہیم - ۱۴ : ۳۲، ۳۳

☆ ۱۵ - الانبیا - ۲۱ : ۷۹ / ص - ۳۸ : ۱۸، ۱۹

☆ ۱۶ - الانبیا - ۲۱ : ۸۱ / ص - ۳۸ : ۳۶

☆ ۱۷ - صٓ - ۳۸ : ۳۷

☆ ۱۸ - ابوالاعلیٰ مودودی، سید - ترجمۂ قرآنِ مجید - ص ۶۴۷ (ابراہیم - ۱۴ : ۳۳ کا حاشیہ)

☆ ۱۹ - تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ - ۲ : ۲۵۳)

☆ ۲۰ - الخصائص الکبریٰ - امام جلال الدین سیوطیؒ - جلد اول - ص ۲۹۹، ۳۲۲ (ترجمہ از راجا رشید محمود و سید حامد لطیف) / صفی الرحمٰن مبارکپوری - الرحیق المختوم - ص ۲۳۸ / مصباح الدین شکیل - سیرتِ احمدِ مجتبیٰ حصہ اول - ص ۳۰۷ / غلام احمد حریری - سیرتِ سرورِ انبیا - ص ۸۷ / معارج النبوت - جلد دوم - ص ۳۱۱ / محمد عابد - رحمۃ للعالمینؐ - ص ۲۹۰ / کلیم ارائیں - سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک - ص ۷۸

☆ ۲۱ - آلِ عمران - ۳ : ۸۱

☆ ۲۲ - اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ - (یونس - ۱۰ : ۶۲)

☆ ۲۳ - التوبہ - ۹ : ۱۱۷ / الحدید - ۵۷ : ۹ / الحشر - ۵۹ : ۱۰

☆ ۲۴ - سورۂ توبہ کی ۱۱۷ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اور ۱۲۸ ویں آیت میں حضور حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والثنا کو "رؤف رحیم" فرمایا ہے - وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (اور مسلمان پر رؤف اور رحیم ہیں)

☆ ۲۵ - الانفطار - ۸۲ : ۶ / الحاقہ - ۶۹ : ۴۰

☆ ۲۶ - طٰہٰ - ۲۰ : ۱۱۴ / آلِ عمران - ۳ : ۸۶

☆ ۲۷ - النساء - ۴ : ۷۹ / البقرہ - ۲ : ۱۴۳

☆ ۲۸ - البقرہ - ۲ : ۱۴۳ / النساء - ۴ : ۴۱

☆ ۲۹ - التوبہ - ۹ : ۵۹

☆ ۳۰ - المائدہ - ۵ : ۵۵

☆ ۳۱ - التوبہ - ۹ : ۷۴

☆ ۳۲ - الاحزاب - ۳۳ : ۳۷

☆ ۳۳ - التوبہ - ۹ : ۹۲

☆ ۳۴ - الاحزاب - ۳۳ : ۵۷

☆ ۳۵ - المجادلہ - ۵۸ : ۵

☆ ۳۶ - الحشر - ۵۹ : ۴ (سورہ الانفال - ۸ : ۱۳ -- میں آخری حصہ یوں ہے، وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

☆ ۳۷ - التوبہ - ۹ : ۲۹

☆ ۳۸ - "ان کے (بیعت کرنے والوں کے) ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے" (سورۂ الفتح - ۴۸ : ۱۰)

خوشا وہ لوگ، ایسا ہاتھ جن کے ہاتھ پہ آیا
خدا سے خود ملا جس کو خطاب اللہ کے ید کا

(فیروزؔ طغرائی۔ نقوش۔ رسول نمبر۔ جلد دوئم۔ ص ۶۸۵)

☆ ۳۹۔ "اور وہ جو بات اپنی خواہش سے کرتے ہیں، وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں جو انھیں وحی کی جاتی ہے" (النجم۔ ۵۳: ۳،۴)

محمدؐ کا فرمان، فرمانِ حق ہے
یہ فرما رہا ہے خدائے محمدؐ

(عاجز مالیر کوٹلوی۔ ماہنامہ محدّث لاہور۔ رسولِ مقبولؐ نمبر حصۂ دوئم۔ ص ۳۲۵)

☆ ۴۰۔ "بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا" (آلِ عمران۔ ۳: ۱۶۴)

☆ ۴۱۔ "اے محبوب! فرما دیجیے کہ لوگو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔" (آلِ عمران۔ ۳: ۳۱)

☆ ۴۲۔ "اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! آپ کے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول، ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔" (النساء۔ ۴: ۶۴)

☆ ۴۳۔ البقرہ۔ ۲: ۱۱۹

☆ ۴۴۔ التوبہ۔ ۹: ۱۲۸

☆ ۴۵۔ البلد۔ ۹۰: ۱،۲

☆ ۴۶۔ حجر۔ ۱۵: ۷۲

☆ ۴۷۔ النساء۔ ۴: ۶۵

☆ ۴۸۔ الاحزاب۔ ۳۳: ۶

☆ ۴۹۔ الاحزاب۔ ۳۳: ۴۵،۴۶

☆ ۵۰۔ القلم۔ ۶۸: ۴

☆ ۵۱۔ الم نشرح۔ ۹۳: ۴

☆ ۵۲۔ الاحزاب۔ ۳۳: ۳۲

☆ ۵۳۔ البقرہ۔ ۲: ۱۴۳

☆ ۵۴۔ الاحزاب۔ ۳۳: ۳۶

☆ ۵۵۔ المزمّل۔ ۷۳: ۱،۲

☆ ۵۶۔ والضحیٰ۔ ۹۳: ۵

☆ ۵۷۔ آلِ عمران۔ ۳: ۳۱

☆ ۵۸۔ زمر۔ ۳۹: ۵۳

☆ ۵۹۔ الفتح۔ ۴۸: ۲۹

☆ ۶۰۔ الانفال ۸: ۱۷

☆ ۶۱۔ الانفال ۸: ۳۳

☆ ۶۲۔ الفرقان ۲۵: ۷

☆ ۶۳۔ البقرہ ۲: ۱۰۴

☆ ۶۴۔ النور ۲۵: ۶۳

☆ ۶۵۔ الحجرات ۴۹: ۲

☆ ۶۶۔ کوثر ۱۰۸: ۳

☆ ۶۷۔ لہب ۱۱۱: ۱

☆ ۶۸۔ القلم ۶۸: ۴

☆ ۶۹۔ الاحزاب ۳۳: ۵۶

☆ ۷۰۔ نبی بخش حلوائی، محمد۔ شفاء القلوب۔ ص ۲۳۹

☆ ۷۱۔ معین واعظ کاشفی، مُلّا۔ معارج النبوت۔ جلدِ اوّل (مترجم اقبال احمد فاروقی) ص ۲۷۴ / شفاء القلوب۔ ص ۱۹۱، ۱۹۲ / محمد امین، مفتی۔ آبِ کوثر۔ ص ۹۳، ۹۴ / فلاح الدارین۔ ص ۱۲۵

☆ ۷۲۔ انوارِ محمدیہ۔ ص ۲۷ (علامہ قسطلانی کی مشہورِ زمانہ کتاب "المواہب

"اللدنیہ" کی تلخیص علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے "الانوار المحمدیہ" کے نام سے کی۔ زیرِ نظر کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے جو پروفیسر غلام ربانی عزیز نے کیا) / اشرف علی تھانوی، مولانا۔ زاد السعید فی الصلوٰۃ علی النبی التوحید۔ ص ۱۸ / محمد زکریا، مولانا۔ تبلیغی نصاب۔ باب فضائلِ درود شریف، ص ۵۱ (اب تبلیغی نصاب فضائلِ اعمال یا اور ناموں سے اس صورت میں بھی شائع کیا جا رہا ہے کہ اس میں سے فضائلِ درود شریف والا باب نکال دیا گیا ہے)

☆ ۴۳ ۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ۔ جذب القلوب (مترجم حکیم سید عرفان علی) ص ۳۲۹ / یوسف بن اسماعیل نبہانی۔ فضائلِ درود (مترجم حکیم محمد اصغر فاروقی) ص ۳۷، ۳۸ / معارج النبوت۔ جلد اول۔ ص ۳۰۸ / آبِ کوثر۔ ص ۹۳ / تبلیغی نصاب۔ فضائلِ درود شریف، ص ۱۰۴ / ایک گمنام عاشقِ رسولِ انامؐ۔ فضائل و برکاتِ درود شریف۔ ص ۲۵۵، ۲۵۶ / سعادت الدارین۔ ص ۸۷ / مقاصد السالکین۔ ص ۵۳ بحوالہ فلاح الدارین۔ ص ۴۴

☆ ۴۴ ۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیا ۲۱: ۱۰۷)



کائنات کے ۹۲ پائیدار عناصر

عناصر کی تعداد

اللہ جل شانہٗ ایک ہے، وحدہٗ لا شریک ہے اور اسلام میں عدد کی سب سے بڑی اہمیت اِسی اکائی کی ہے جس میں دُوئی کا کوئی تصور نہیں۔ اس خالق و مالک نے مخلوق کی ہدایت اور بہتری کے لیے بہت سے نبی اور رسول بھیجے۔ آخر میں اس ہستی کو بھیجا جنہیں سب سے پہلے تخلیق کیا گیا تھا، یعنی ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے معبود کے عابد بھی ہیں اور عبد بھی ------ لیکن اپنے محب کے محبوب بھی تو ہیں۔ اگرچہ اس سے نہ محب کی یکتائی متاثر ہوتی ہے، نہ محبوب کی محبوبیت میں یکتائی پر حرف آتا ہے (۱)۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق اعداد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اعداد کی تین قسمیں ہیں۔ زائد، ناقص اور کامل۔ عددِ زائد میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے زائد ہوتا ہے مثلاً ۱۲۔ اس کے بعد اعدادِ ضرب (یعنی جن پر تقسیم ہو سکتا ہے یا جن کا حاصل ضرب ۱۲ ہوتا ہے) ۶، ۴، ۳، ۲، ۱ ہیں جن کا مجموعہ ۱۶ ہے۔ عددِ ناقص میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے کم ہوتا ہے مثلاً ۸۔ اس کے اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل کے برابر ہوتا ہے یعنی ۶۔ اس کے اعدادِ ضرب ۳، ۲، ۱ کا مجموعہ بھی ۶ ہے۔

اعدادِ کاملہ اکیس لاکھ تک صرف ۶ ہیں یعنی عددِ کامل چھ جستوں میں اکیس لاکھ تک جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح جب کائنات چھ زمانوں سے گزر چکی تو دنیا میں کم و بیش اکیس لاکھ قسم کے نباتات، حیوانات و جمادات پیدا ہو گئے اور یہ انواع چھ کے عدد کی طرح ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔ اعدادِ کاملہ دس سنکھ تک صرف ۱۷ ہیں (۲)۔

یہ لاکھوں قسم کے نباتات، حیوانات، جمادات اور اس کے علاوہ کروڑوں،

اربوں قسم کے دوسرے عوالم اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خاطر پیدا فرمائے اور حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو ان تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ ان لاتعداد جہانوں میں سے کچھ ہمارے سامنے ہیں، کچھ کے بارے میں سائنس دانوں کی تگ و دو نے کچھ معلومات فراہم کی ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جہاں تک ابھی انسان کا طائرِ خیال پرواز ہی نہیں کر سکا ہے۔ موجودہ علمائے فلک کا خیال ہے کہ کائنات میں کم و بیش تیس کروڑ زمینیں چکر کاٹ رہی ہیں۔ اس نظریے کی بنیاد اس مشاہدے پر رکھی گئی ہے کہ فضا میں شموس کی تعداد دس کروڑ ہے اور ہر سورج کے اردگرد کم و بیش تین زمینیں گھوم رہی ہیں (۳)۔

ان کروڑوں سورجوں اور کروڑوں زمینوں، اور پھر ان میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اور پالے ہوئے اربوں کھربوں جہانوں کے لیے حضور حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا کو رحمت بنا کر بھیجنے کا الوہی اعلان موجود ہے۔ لیکن ہمیں تو ان تمام کائناتوں کی تعداد تک کا علم نہیں۔ پھر بہت سے ایسے عوالم بھی ہوں گے جن کے بارے میں ابھی انسان کو شاید سوچنے کی توفیق بھی نہ ملی ہو۔ ان سب جہانوں کو خالق و مالکِ حقیقی جلّ و علا نے تخلیق کیا، وہ ان تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے ان تمام جہانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

جہاں تک علم الاعداد کا تعلق ہے، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم گرامی "محمد" (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا عدد ۹۲ ہے اور موجودہ سال ۹۲ ہے۔ میرے نزدیک یہ سال حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت کا سال ہے اور یہ گزر گیا تو ہماری زندگیوں میں دوبارہ نہیں آئے گا کیونکہ ساعتیں بھی مستقل نہیں ہوتیں اور لمحوں کی مسافت طے ہوتی رہتی ہے اور جو گھڑی بیت جائے، واپس نہیں آتی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ۹۲ء میں نعت و سیرتِ آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا پر کچھ کام ہونا چاہیے۔ چنانچہ امسال ان شاء اللہ العزیز زیرِ نظر کتاب کے علاوہ "سیرتِ منظوم" (جو قطعات کی صورت میں اردو کی پہلی منظوم کوشش ہے)، سفرِ حرمین

شریفین کی یادداشتیں "سفرِ سعادت، منزلِ محبت" اور ہیئت کے اعتبار سے اردو نعت کا ایک ضخیم انتخاب (ایک طویل مقدمے کے ساتھ) اشاعت پذیر ہو گا اور "داعیٔ صلح و امن" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تکمیل پذیر ہو گی اور اللہ نے چاہا تو یہ کتابیں ۹۲ء کے تحفے ثابت ہوں گی، میرے لیے بھی، آپ کے لیے بھی۔

زیرِ نظر کتاب کا موضوع عالمین اور ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے رحمتِ مجسم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا تخصص ہے۔ عزیز احمد عزیزؔ قاضی سائنس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عناصر کی کل تعداد ۹۲ ہے۔ حضور باعثِ تخلیقِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ سرِّ کائنات ہیں اور کائنات کے ۹۲ پائیدار عناصر کو اپنے وجود میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ عزیز قاضی لکھتے ہیں کہ "اگر عناصر اور ان کے نور کی تخلیق قدیم ہے تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے نور کے حساب سے قدیم ترین ہستی ہیں۔ اگر یہ ۹۲ کا مجسمہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ظہور میں نہ آتا تو کائنات کا وجود ممکن نہ ہوتا۔ **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاک** ۔ الغرض اس تمام کائنات کا تمام کھیل ۹۲ کے عدد پر چل رہا ہے" (۴)۔

"حکمۃ القرآن" کے کئی صفحات ہمارے موضوع پر بہت اہم معلومات رکھتے ہیں اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے بعض حصے قارئین کی نذر کیے جائیں۔

صاحب مدار الافاضل نے ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے کہ علم ابجد اور موجد علم الاعداد خدا نے روزِ آفرینش میں حضرت آدم کو عطا فرمایا۔ (غیاث اللغات) لہٰذا قرآنی اطلاع کے مطابق ہم اسی نظریّہ کو یقینی سمجھتے ہیں اور ابجد کے حروف اور اعداد کو جدولِ ذیل میں علی الترتیب پیش کرتے ہیں۔

علم ابجد میں حروف کے قبائل اور ان کی عناصری ترتیب۔

حرف	اعداد	ہر لفظ کے صنعتی حروف	نمبر قبیلہ
اب	ا = ۱		
	ب = ۲	۲ حروف = +	قبیلۂ اول

ابجد	ا = ۱، ب = ۲، ج = ۳، د = ۴	۲ حروف = ۴ حروف	قبیلۂ اول
ہوّز	ہ = ۵، و = ۶، ز = ۷	۳ حروف =	قبیلۂ دوم
حطّی	ح = ۸، ط = ۹، ی = ۱۰	۳ حروف =	قبیلۂ سوم
کلمن	ک = ۲۰، ل = ۳۰، م = ۴۰، ن = ۵۰	۴ حروف =	قبیلۂ چہارم
سعفص	س = ۶۰، ع = ۷۰، ف = ۸۰، ص = ۹۰	۴ حروف =	قبیلۂ پنجم
قرشت	ق = ۱۰۰، ر = ۲۰۰، ش = ۳۰۰، ت = ۴۰۰	۴ حروف =	قبیلۂ ششم
ثخذ	ث = ۵۰۰، خ = ۶۰۰، ذ = ۷۰۰	۳ حروف = قبیلۂ ہفتم کل ۷ حروف جو قبیلۂ ہفتم پر مشتمل ہوتا ہے [illegible]	

ضظغ	ض = ۸۰۰، ظ = ۹۰۰، غ = ۱۰۰۰	۳ حروف =	قبیلۂ ہشتم

گویا ۴ قبیلے چار حرفی اور تین قبیلے تین حرفی ہیں۔

مندرجہ بالا حروف، اعداد، الفاظ اور قبائل کو بغور دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ حروف اور اعداد میں آٹھ قبائل نظر آتے ہیں۔ کُل حروف ۲۸ اور اعداد کا کُل مجموعہ ۵۹۹۵ ہے جن کے جمل کبیر سے پھر ۲۸ کا عدد نکلتا ہے اور اعداد کا شمار ایک ہزار تک جا پہنچتا ہے۔ گویا

اول — حروف اور اعداد کے لحاظ سے فی الحقیقت ایک حیرت انگیز محاکمہ پیدا ہوتا ہے۔

دوم — ہر قبیلہ میں چار حروف یا تین حروف ہیں گویا ان میں ۴ + ۳ = ۷ کا ایک حیرت انگیز محاکمہ قائم ہو جاتا ہے۔

سوم — علیٰ ہذا القیاس ۴ ۳ = ۱۲ کا بھی ایک حیرت انگیز محاکمہ پیدا ہوتا ہے۔

چہارم — ۱۰۰۰ تک کے اعداد کی تخصیص ثابت ہوتی ہے۔

پنجم — ۴ ـ ۳ = ۱ کا ایک عدد قائم ہوتا ہے۔

ششم — ۴ ۳ سے ایک ہی حاصلِ تقسیم اور ایک ہی باقی بچتا ہے۔

ہفتم — ۴ + ۴ قبائلی تخصیص کے تحت ۸ کا عدد پیدا ہوتا ہے۔

ہشتم — ۳ + ۳ سے ۶ کا عدد قابلِ غور ہے۔

ہم نے علم ابجد کے تمام حروف اور اعداد کا تجزیہ ہر لحاظ سے پیش کر دیا ہے۔ اس پر غور و فکر کی ضرورت اس لیے محسوس ہوتی ہے کہ یہ علم انسان کو کائنات اور اس کی حکمتوں کے کئی محاکمات پیش کرتا ہے [illegible]فطرت یا دینِ قیم کی تعریف جو قرآنِ مجید میں موجود ہے، وہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (۷)

خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں۔ یعنی اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو (یعنی اس کائنات کو) پیدا کیا' صحیفۂ فطرت میں برس کے بارہ مہینے لکھے ہیں۔ ان میں چار ادب و احترام کے ہیں۔ یہی دینِ قیّم ہے (جو روزِ ازل سے نافذ ہے) گویا کتابُ اللہ میں یہ چند اعداد دینِ قیم کی تشریح کے لیے ہیں۔ اب ہم مندرجہ بالا آٹھ شقوں کی عام فہم تشریح پیش کرتے ہیں۔

اول - ۲۸ کا عدد = ارضی قمر کی ۲۸ منزلوں کو پیش کرتا ہے۔ منزلِ شرطین۔ منزلِ بطین۔ منزلِ ثریا۔ منزلِ دبران۔ منزلِ ہقعہ۔ منزل ہنعہ۔ منزلِ وذاع۔ منزلِ نثرہ۔ منزلِ طرفہ وغیرہ وغیرہ + گویا یہ عدد علمِ نجوم سے تعلق رکھتا ہے جس کا علمِ کائنات سے گہرا تعلق ہے۔

دوم - ۷ کا عدد = ہفتہ کے دنوں کی تعداد' سات آسمانوں اور سات زمینوں کا نظریہ رنگ و آہنگ کے سات مشاہدات وغیرہ کو ثابت کرتا ہے۔

سوم - ۱۲ کا عدد = سال بھر کے بارہ مہینوں کو پیش کرتا ہے جیسا کہ قرآنی آیت کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے۔

چہارم - ۱۰۰۰ کا عدد = ہمارے برسوں کی نسبت سے خدا کے ایک دن کو پیش کرتا ہے۔ جیسے خدا نے فرمایا ہے۔

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۸)

(اور تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کا ہے)

پنجم - ۴ منفی ۳ = یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر عُنصُر کے جوہر پر کارفرما چار قدسیہ قدرتوں میں سے اگر باہر کی تین قدسیہ قدرتوں کو علیحدہ کر دیا جائے تو باقی اصل ذومرہ قدرتِ قدسیہ "جبرئیل" میں رہ جاتی ہے۔ گویا ہر عُنصری جوہر کے نیوکلس کا اصل مرکزی جوہر ثابت ہوتا ہے۔

ششم - ۴ تقسیم ۳ سے حاصِل تقسیم ایک کو ابتدائی عُنصر کے جوہر پر قدرتِ قدسیۂ جبریل" یعنی پروٹان کی قدر کو حاصِل تقسیم کے بعد باقی بچ رہنے والے عدد ایک کو قدرتِ قدسیہ میکائیل یعنی نیوٹران کی قدر کو پیش کرتی ہے یا اولین عُنصر ہائیڈروجن کے الیکٹران یعنی قدرتِ قدسیۂ اسرافیل" کی مقدار کو پیش کرتی ہے۔ گویا یہ اولین عُنصر کے جوہر کی کیت کو واضح کرتی ہے۔

ہفتم = ۴ + ۴ = ۸ کی تعداد عناصر کے آٹھ قبائل کو پیش کرتی ہے۔

ہشتم = ۳ + ۳ = ۶ کی تعداد کائنات کی تقویم کے خدائی چھ ایّام کو واضح کرتی ہے۔ جیسے خدا نے ارشاد فرمایا ہے (ہم نے زمین و آسمان یعنی تمام کائنات کو چھ طویل المیعاد دنوں میں پیدا کیا)

گویا یہ آٹھ شقیں محض کائنات اور اس کے عناصر کے محاکمات کو واضح کرتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ اعداد اور حروف پر مشتمل نظر آتی ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی پر اولین علم کی عطا فی الحقیقت انہی محاکمات پر مشتمل تھی جن سے ابنِ آدم کو اس کائنات میں واسطہ پڑ سکتا تھا' یا محض حکمت کے علم پر مشتمل تھے۔

علم ابجد کے آٹھ عظیم الشان محاکمات کے بعد اس کے آٹھ قبائل اور ان کی اُفقی ترتیب کا محاکمہ مزید غور طلب ہے۔ ظاہر ہے کہ آٹھ محاکمات میں سے چار محاکمات زمانے کی مدتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور بقایا چار' عناصر اور ان کے جوہروں کے حیرت انگیز محاکمات سے وابستہ ہیں جن کی وضاحت از بس ضروری نظر آتی ہے۔ یہاں صرف عناصر کے آٹھ قبائل کی عجیب مماثلت اور ان کے آپس میں گہرے تعلق پر بحث کی جائے گی۔

روس کے مشہور سائنسدان دمتری مینڈیلیف کی عناصر کے متعلق تحقیقات کے

نتیجہ کو بیان کر دینا خلافِ موضوع نہ ہو گا۔ اپنی تحقیقات میں انہوں نے لکھا ہے کہ "عناصر مختلف قبائل پر مشتمل ہیں۔ اگر انہیں جوہری اوزان کے مطابق ترتیب دیا جائے تو ایک وقفے کے بعد آنے والے تمام عناصر کے طبیعی اور کیمیائی خواص میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ گویا پہلی صف میں دو عناصر ہیں یعنی ہائیڈروجن اور ہیلیم۔ اس کے بعد آٹھ آٹھ کے دو دَور ہیں۔ پھر اٹھارہ عناصر کے بعد وہی خواص ظاہر کرتے ہیں اور افقی ترتیب میں ہر عُنصر میں سابقہ عُنصر سے ایک الیکٹران یعنی منفی برقیرہ زیادہ ہوتا رہتا ہے اور یہ مشابہت لازمی طور پر الیکٹران کی کسی پائیدار ہیئت کے باعث ہے جو بار بار ظاہر ہوتی ہے"۔

اگر فی الحقیقت ہمارے اَب حضرت آدمؑ کو عناصر کے نام اور ان کی ہیئت کا علم بخشا گیا اور انہیں اہلِ قلم کے لیے حروفِ ابجد اور اعداد کی خاص ترتیب بھی دی گئی تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا کوئی علم حکمت و سائنس سے خالی نہیں۔ حروفِ ابجد کی ترتیب میں بھی کوئی نہ کوئی حکمتی راز مستور ہے اور ان کے قبائل کی تعداد میں کوئی نہ کوئی سائنس کا بے مثال محاکمہ کارفرما ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ روسی یا مغربی علمائے فطرت کے پیش کردہ عناصری نظریات بالکل درست ہیں لیکن ہم ان پر غور و فکر کیے بغیر رہ بھی نہیں سکتے کہ مغربی قوموں نے کائنات کی تحقیقات اور عناصر کے خزانوں کو بہت حد تک چھان مارا ہے۔ ان کے پاس عناصر اور ان کے جوہروں کی تحقیقات کے لیے اس قدر لطیف آلات موجود ہیں کہ عقل انگشت بدنداں ہے۔ آج انہوں نے عناصر کے اعمال کو بہت حد تک نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے بلکہ اب وہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ عناصر میں فی الحقیقت ایک عظیم الشان درجہ بندی ہے اور اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا (۹) کے تحت عناصر کی گنتی اور نمبر شمار اور مخصوص عدد بھی مقرر ہیں۔ وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (۱۰) کے تحت عناصر اور ان کے ہم جا بھی موجود ہیں۔ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (۱۱) یعنی ہر عُنصر اپنے اپنے اندازے میں مخصوص کمیت رکھتا ہے۔ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (۱۲) یعنی ہر عُنصر اپنی جداگانہ

ذات میں متحدُ الاصل اور مضبوط ہے۔ نیز کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ (۱۳) یعنی تمام عناصر کا وزن مخصوص اور مقدار کمیت بھی مقرر ہے۔ نہیں بلکہ تمام عناصر کو پیدا کر کے ان کی حیرت انگیز مقداریں اور اوزان بھی اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر کر رکھے ہیں وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (۱۴) وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کوئی مسلمان محقق جو قرآنی حکمت کو بہت قریب سے سمجھنے کا دعویدار ہے، مغرب کی اس تحقیقات پر بغیر مزید علمی تحقیقات کے، کیونکر حرف گیری کر سکتا ہے؟

ہمارے نزدیک علم ابجد کے تحت عناصر کے مندرجہ ذیل قبائل ترتیب پاتے ہیں اور چونکہ یہ علم ہمارے مورث (اب) کے بعد اس کی عظمت (جد) کا نصب العین ہے، اس لیے اس علم کو علم ابجد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم ابجد کے لحاظ سے قبائل کی حیرت انگیز صنعتی ترتیب جو ہم ذیل میں دے رہے ہیں، فی الحقیقت نوعِ انسانی کے لیے بے حد حکمت آموز ثابت ہو سکتی ہے۔

قبیلۂ اول اب = دو عناصر

دو حروف پر مشتمل ہے جس میں دو عناصر ہیں جو آخری پائیدار عُنصر یورانیم کی تابکاری اور موت کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور اپنے پیچھے سیسے کا فُضلہ چھوڑتے ہیں۔ یعنی ہائیڈروجن اور ہیلیم۔

(1) HYDROGEN

(2) HELIUM

قبیلۂ دوم			
	جد =	۲	کل
	ہوز =	۳	۸
	حطی =	۳	عناصر

یہ قبیلہ آٹھ عناصر پر مشتمل ہے اور مختصر وقفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(3) LITHIUM (4) BERYLLIUM (5) BORON

(6) CARBON (7) NITROGEN (8) OXYGEN

(9) FLUORINE (10) NEON--TOTAL = 8

قبیلۂ سوم
کلمن = ۳
سعفص = ۳
۸ عناصر

یہ قبیلہ بھی ۸ عناصر پر مشتمل ہے اور مختصر وقفہ کی عمر رکھتا ہے۔

(11) SODIUM (12) MAGNESIUM

(13) ALUMINIUM (14) SILICON (15) PHOSPHORUS

(16) SULPHUR (17) CHLORINE

(18) ARGON--TOTAL = 8

قبیلۂ چہارم
حوز = ۳
حطی = ۳
کلمن = ۳
سعفص = ۳
قرشت = ۳
۱۸ عناصر

چونکہ قبیلۂ سوم کا آخری عنصر ص پر ختم ہوتا ہے جس کے اعداد نوّے (۹۰) ہیں اور کائنات کے کُل پائیدار عناصر ۹۲ ہیں جو انتہا کو پہنچ کر تعاملی زنجیر کے ذریعے اَب میں داخل ہوتے ہیں اور کُل تعداد کو ۹۲ کر دیتے ہیں۔ اس لیے قبیلۂ سوم کی ترتیب

کے بعد مسلسل اجزادی ممکن نہیں۔ لہٰذا عناصر کا قبائلی سلسلہ اَب اور جَد کے سلسلہ کے بعد پھر حوّز سے شروع ہوگا۔ اس طرح ہر قبیلہ پانچ پانچ نسبتی قبیلوں پر مشتمل ہو جاتا ہے اور ہر ایک میں ایک ایک الیکٹران بڑھتا چلا جاتا ہے لہٰذا قبیلہ چہارم طویل المیعاد عناصر کی صف میں شامل ہے جس میں ۱۸ عناصر ہیں۔

(19) POTASSIUM (20) CALCIUM (21) CHROMIUM

(22) TITANIUM (23) VANADIUM (24) CHROMIUM

(25) MANGANESE (26) IRON (27) COBALT

(28) NICKEL (29) COPPER (30) ZINC

(31) GALLIUM (32) GERMANIUM (33) ARSENIC

(34) SELENIUM (35) BROMINE

(36) KRYPTON TOTAL = 18

قبیلۂ پنجم
حطی = ۳
کلمن = ۳
سعفص ۳
قرشت = ۳
ثخذ ۳
۱۸ عناصر

یہ بھی طویل المیعاد عناصر کی صف میں شامل ہیں۔

(37) RUBIDIUM

(38) STRONTIUM

(39) YTTRIUM

(40) ZIRCONIUM (41) NIOBIUM (42) MOLYBDENUM
(43) .... (44) RUTHENIUM (45) RHODIUM
(46) PALLADIUM (47) SILVER (48) CADMIUM
(49) INDIUM (50) TIN (51) ANTIMONY
(52) TELLURIUM (53) IODINE
(54) XENON TOTAL = 18

قبیلۂ ششم
کلمن = ۴
سعفص = ۴
قرشت = ۴
ثخذ = ۳
ضظغ = ۳
۱۸ عناصر

اس کے بعد اسی سے قبیلۂ ہفتم پیدا ہو جاتا ہے جو حکمتی لحاظ سے حیرت انگیز ہے لہذا اس کی ترتیب اس قبیلہ کے بعد دی جائے گی۔ یہ بھی طویل المیعاد عناصر کی صف میں ہے لیکن اس قبیلہ کے چار عناصر کے بعد معاً" قبیلۂ ہفتم شروع ہو جاتا ہے جو غالباً کسی حکمتی راز پر مبنی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قبیلۂ ششم سے بھی گہرا تعلق رکھتا ہے کیونکہ اس کے بعد قبیلۂ ششم شروع ہو جاتا ہے۔

(55) CALCIUM (56) BARIUM (57) LANTHANUM
(58) CERIUM
(73) TANTALUM (74) TUNGSTEN (75)
(76) OSMIUM (77) IRIDIUM (78) PLATINUM

(79) GOLD (80) MERCURY (81) THALLIUM
(82) LEAD (83) BISMUTH (84)
(85) (86) RADON
TOTAL = 4 + 14 = 18

قبیلۂ ہفتم
ضظغ = ۳
ثخذ = ۳
قرشت = ۴
سعفص = ۴
۱۴ عناصر

یہ قبیلہ قبیلۂ ششم کا ضمنی ہے جو اپنے خواص کے تحت اُلٹے سرے سے ترتیب پاتا ہے اور اپنے اپنی نمبروں کے تحت ۵۹ لغایت ۷۲ نمبر شمار تک اعداد رکھتا ہے۔ اور پھر اپنی تعالی زنجیر کی وجہ سے حیرت انگیز طور پر قبیلۂ ششم میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس طرح قبیلۂ ششم و ہفتم کے کل عناصر کی تعداد ۳۲ بن جاتی ہے۔

(59) PRASEODYMIUM (60) NEODYMIUM
(61) (62) SAMARIUM (63) EUROPIUM
(64) GADOLINIUM (65) TERBIUM (66) DYSPROSIUM
(67) HOLMIUM (68) ERBIUM (69) THULIUM
(70) YTTERBIUM (71) LUTECIUM (72) HAFNIUM
TOTAL = 14

قبیلۂ ہشتم
ثخذ = ۳
ضظغ = ۳
۶ عناصر

پھر سابقہ ترتیبی تسلسل کے تحت افقی
ترتیب قائم کرتا ہے اور اس طرح پائیدار
عناصر کی کل تعداد ۹۲ تک پہنچ جاتی ہے
اور پھر الٹ کر ابجد کی طرف لوٹ کر آ
جاتا ہے۔

(87) ..... (88) RADIUM (89) ..... (90) THORIUM

(91) ..... (92) URANIUM

گویا عناصر کی کل تعداد ان آٹھ قبائل میں ۹۲ ہے۔ اور ان کے نمبر' ایک مستقل تعالیٰ زنجیر کی کڑیوں کی مانند چل رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی ارتقا' آخری زینے پر پہنچ کر تھیورم نمبر۹۰' نمبر۹۱ اور پھر یورانیم نمبر۹۲ پر ختم ہو جاتی ہے جن کی میعاد شکست یا نصف زندگی حکمائے مغرب کے نزدیک ۴'۵ ارب سال اور ۱۴ ارب سال ہے۔ اس طرح یہ سب سے بھاری اور پائیدار عناصر اپنی آخری عمر کو پہنچ کر حرارت سے خود بخود شق ہو جاتے ہیں اور اس طرح اپنی نابکاری کے بعد ہائیڈروجن عنصر نمبر' پھر ہیلیم نمبر۲ میں زوال پذیر ہو جاتے ہیں' جو مغربی حکما کے نزدیک شمسی توانائی کے اہم اجزا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اشیا کے اس زوال اور ان کی تعالیٰ زنجیر کے متعلق حسب ذیل حکمتی اعلان فرماتا ہے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ (۱۵)

(اور جو اپنی طویل عمر کو پہنچ جاتا ہے' اس کو پھر پیدائش میں نئے سرے میں الٹا دیتے ہیں تو کیا بے علم لوگ حکمتِ خداوندی سے عقل و شعور حاصل نہیں کرتے؟)

اگر مندرجۂ بالا جدول عناصر کے ایٹمی نمبروں کی ترتیب کے لحاظ سے بادی النظر میں ایک صنعتی ترتیب نظر آتی ہے لیکن اگر عناصری قبائل کی ترتیب فی الحقیقت فطرتِ خداوندی کے تحت یہی ہے تو عناصر کے ایٹمی نمبروں اور ان کے اوزان کو سمجھنے کے لیے علم ابجد کی یہ جدول خواہ وہ کسی نظر میں صنعتی ہی نظر آئے'

کم از کم قابلِ غور اور باعثِ تحقیقات ضرور ہے۔ بہرحال اَب یعنی باپ اور جَد یعنی اس کی عظمتِ کردار کا علم عناصر کے حکمتی علم سے کچھ اس قدر مماثل نظر آتا ہے کہ مغرب کے علمائے حکمت و سائنس بھی انگشت بدنداں رہ جائیں۔ خدا کا یہ ارشاد پھر ہمارے عقل و شعور کو چونکا دینے کے لیے کافی ہے یعنی مَنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (۱۶) گویا جو اپنی انتہائی نابکاری کے بعد اپنی عمر کی انتہائی طوالت کو پہنچ جاتا ہے' وہ علم عناصر پر عبور رکھنے کے باوجود اس علم سے ناواقف بن جاتا ہے یعنی زوال پذیر ہو کر اپنے بچپنے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

خدا ہی ایک عنصر کو ارتقا سے دوچار کرتا ہے یعنی ایک حال و کیف سے دوسرے حال و کیف میں نشوونما دے کر اسے اپنی عمر کے حدِ کمال تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کا زوال یقینی ہے۔ ہماری نگاہ میں عناصر کی تمام حکمت و سائنس میں علم کیمیا کے نظریات کی جان یہی فارمولا ہے جسے مغرب نے چوری چھپے اپنے نظریات میں داخل کر لیا ہے۔

اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ روزِ آفرینش میں علم ابجد ہی ہمارے باپ حضرت آدمؑ کو بذریعۂ وحی عطا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ' صلحا' اور اولیاء اللہ نے اس علم سے بے شمار کام لیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اپنی حیاتِ مقدسہ میں اس علم سے نہ صرف علم الجبرا' ریاضی اور اقلیدس کے کئی مسائل حل فرمائے بلکہ اسی علم کے طفیل عناصر کی حکمت و سائنس کے کئی محاکات امتِ مسلمہ کے حوالے فرمائے اگر اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا کی مشہور روایت فی الحقیقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث میں شامل ہے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جن کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور جن کے نام کے اعداد ابجد کے لحاظ سے ۹۲ کے عدد پر مشتمل ہیں' فی الحقیقت علم حکمت و سائنس کے شہر تھے۔ شہر کا لفظ بدیہی طور پر عناصر سے منسوب ہو سکتا ہے اور عناصر کے علم کے لیے اگر کوئی دروازہ حصول متعین کیا جاتا ہے تو وہ خلافتِ راشدہ کے آخری امیر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان

کے بعد شہر میں پہنچنے کے لیے تین اور دروازے آئیں گے حتّٰی کہ تمام شہر کی ماہیت کا علم ممکن ہو جائے گا۔

مغربی علمائے حکمت نے آج ۹۲ پائیدار عناصر کے بعد کئی مزید عناصر کا پتا بھی دیا ہے لیکن ان کے متعلق ان کا اپنا نظریہ یہ ہے کہ یہ سب ناپائیدار عناصر ہیں۔ سائنسی ارتقا اب تک عناصر کی تعداد یک صد چار تک لے جا چکی ہے۔ اگر ہم غور و فکر سے کام لیں تو عربی زبان میں کسی لفظ کی ادائیگی میں خودبخود زبر زیر پیش شد ساکن وغیرہ کے اعراب پیدا ہو جاتے ہیں۔ بظاہر یہ اعراب کوئی حرف نہیں لیکن ان کے بغیر کسی لفظ کا تلفّظ ممکن نہیں۔

اس لحاظ سے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لفظ پر پیش، شد، زبر اور دو الٹی سیدھی پیش کو لکھ دیں تو اس نام کا صحیح تلفّظ سامنے آ جائے گا لیکن بظاہر اگر یہ اعراب نہ بھی ہوں تو ایک عالم لازماً خودبخود اسے صحیح دُہرا لے گا۔ اگر اس عظیم نام پر اوپر ہی اوپر آنے والے اعراب کا تعیّن بھی ممکن ہو جائے تو ہمیں ایسے ناپائیدار عناصر کی تعداد بھی صحیح طور پر معلوم ہو جائے گی جس کی تحقیق علمائے مغرب کر رہے ہیں۔ بہرحال ہم دھڑتے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نام پر یہ ناپائیدار اعراب ان ناپائیدار عناصر کی تعداد کو پیش کرتے ہیں جو کامل تجربات و مشاہدات کے بعد ہی حیطۂ علم میں آ سکتی ہے۔" (۱۷)

حواشی

☆ ۱- شہناز کوثر- قوسِ قزح- اختر کتاب گھر، لاہور- اشاعتِ اول ۱۹۹۰- ص ۷۹

☆ ۲ - غلام جیلانی برقؔ، ڈاکٹر- دو قرآن- شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور- س ن- ص ۲۰۵، ۲۰۶

☆ ۳ - ایضاً- ص ۲۰۶

☆ ۴ - عزیز قاضی، عزیز احمد- حکمۃ القرآن- مجلد دوم- ادارۂ تحقیقاتِ حکمۃ القرآن،

خوشاب- س ن- ص ۱۳۶

☆ ۵ - عربی زبان میں حروفِ تہجی کی تعداد ۲۸ ہے۔ جہاں تک ابجد کی ترتیب کا تعلق ہے، اس کا قدیم ترین ذکر ایک تختی پر ہے جس میں پہلے ۲۲ حروف (چھ کلمات) موجود ہیں۔ یہ مغربی شام کے ایک علاقے لاذقیہ سے دریافت ہوئی ہے۔ یہ تختی چودھویں صدی قبل مسیح کے زمانے کی زبان اوگارت میں لکھی ہوئی ہے اور پہلی قدیم ابجدی تحریر ہے۔ عربی حروفِ ابجد سامی الاصل ہیں اور ان کا رسم الخط بھی سامی آرامی ہے۔ یہ رسم الخط فنیقیوں نے ایجاد کیا تھا۔ حروفِ ہجا کی "ابجد ہوّز" ترتیب سے عربوں نے ایک اور کام کیا۔ انہوں نے ہر حرف کی قیمت رکھ دی (اسلامی انسائیکلو پیڈیا- مدیر سید قاسم محمود- شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی- ص ۴۷)

☆ ۶ - عربی کے ۲۸ حروف میں ۱۳ غیر منقوط ہیں اور ۱۵ منقوط۔ ان میں ۱۴ حروف شمسی ہیں، ۱۴ قمری۔ قرآن مجید کی ۱۱۴ صورتوں میں سے ۲۸ مدنی ہیں۔ سورۂ طور کا پہلا رکوع ۲۸ آیات پر مشتمل ہے اور سورۂ نوح اور سورۂ جن کی آیات ۲۸ ہیں۔

☆ ۷ - التوبہ- ۳۶:۹

☆ ۸ - الحج- ۴۷:۲۲

☆ ۹ - الجن- ۲۸:۷۲

☆ ۱۰ - الذاریات- ۴۹:۵۱

☆ ۱۱ - القمر- ۴۹:۵۴

☆ ۱۲ - النمل- ۸۸:۲۷

☆ ۱۳ - الرعد- ۸:۱۳

☆ ۱۴ - الفرقان- ۲:۲۵

☆ ۱۵ - یٰسٓ- ۶۸:۳۶

☆ ۱۶ - النحل- ۷۰:۱۶

☆ ۱۷ - حکمۃ القرآن- مجلد دوم- ص ۱۳۸-۱۳۶

عالمِ اجرامِ فلکی

خداوندِ قدّوس و لایزال نے زمین' آسمان' سورج' چاند' ستارے۔۔۔۔ اور' ان کے علاوہ بہت سی دنیائیں پیدا کیں' ان میں قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ جب کچھ بھی نہ تھا' خداوندِ کریم و عظیم نے چاہا کہ یہ سب کچھ پیدا ہو جائے'۔۔۔ ہو گیا۔ کُن اور فیکون کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا۔ مگر "کیوں" کا سوال اپنی جگہ ہے اور بہت اہم ہے۔ یہ ہنگامۂ عالم کس سبب سے ہوا؟ اس تخلیق کا باعث کیا تھا' یہ سب کیوں بنایا گیا۔ تو خداتعالیٰ نے اسے بھی راز نہیں رکھا۔ ہر عالم کی تخلیق کا سبب اور زمین و آسمان کی تشکیل کا باعث بھی اس نے بتا دیا۔ مشہور حدیثِ قدسی ہے **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ**۔ اس نے اپنے محبوبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ یہ سب کچھ آپ کے لیے پیدا کیا گیا۔ (۱)

حدیثِ لولاک کو بعض نے موضوع کہا ہے مگر ساتھ ہی محققین نے وضاحت کر دی ہے کہ وضع کا تعلق الفاظ سے ہے' مفہوم اور معنٰی بالکل صحیح ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً" روایت ہے کہ جبریلِ امین علیہ السلام نے بارگاہِ سرکارِ ابد پناہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو جنت پیدا نہ کی جاتی' آپ نہ ہوتے تو "نار" پیدا نہ کی جاتی۔ ابنِ عساکر کی روایت میں "**لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا**" کے الفاظ ملتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی روایت میں زمین و آسمان اور دوسری چیزوں کے پیدا نہ کرنے کی بات ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اگر میں محمد (علیہ الصلوٰۃ السلام) کو پیدا نہ کرتا تو تمہیں پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ

آسمانوں اور زمین کی خلقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خلقت کی وجہ سے ہے۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ اور ایسے دیگر تمام عوالم جو ہمارے علم میں بھی نہیں ہیں' اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تخلیق کیے۔ عالمین کی تخلیق کا باعث بھی حضور علیہ التحیۃ والسلام ہیں' ان کے لیے یہ سب پیدا کیے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے پیارے' حضور سرورِ کائنات باعثِ تخلیقِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کے ذکرِ مبارک کو بلند کرنے کا اعلان فرمایا تو وہ بھی انہی کے لیے۔ **وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ** (۳) کہ ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا۔ عالمین اور ان میں جو جو کچھ ہے' وہ سب محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی کی خاطر پیدا ہُوا اور اس میں ان کا ذکر انہی کی خاطر بلند کیا گیا۔ نیز' ان تمام عالمین اور اس میں موجود تمام مخلوق کے لیے انہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس جس عالم کو اور جس جس چیز کو پیدا کیا' جن عالمین کا وہ رب ہے' اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمت ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیدا کرنا مطلوب نہ ہوتا تو عالمین نہ ہوتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو ان عالمین کا برقرار رہنا' ان کا ایک ترتیب اور تنظیم کے ساتھ چلنا ممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ رحمت ہی ہے جو ہر چیز کو نظم و ضبط میں رکھتی ہے' اس کی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہونے دیتی' اس کو اپنی ڈگر سے ہٹنے نہیں دیتی۔

اب ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دنیا میں بھیجنا تھا اور اس کے لیے دُنیا بنانا تھی۔ زمین کی تخلیق کے سلسلے میں سائنس دانوں کی برس ہا برس کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ شروع میں ارض و سما کا ہیولیٰ (تدوینی عُنصُر) ایک تھا (۴) یہ خلا میں دھوئیں کی طرح اُڑ رہا تھا (۵) موجودہ زمانے میں سائنس دانوں کا اتفاق ہے کہ منظومۂ شمسی میں پائے جانے والے "کُرے"

گیس کا ڈھیر ہیں اور ہماری زمین اور آسمان بھی ایک تھے' بعد میں ایک دوسرے سے جُدا ہوئے(۶) قرآنِ پاک نے تو صدیوں پہلے کہہ دیا تھا کہ "خدا نے آسمان اور زمین کو ایک دھوئیں جیسے مادے سے پیدا کیا" اور "کفار اس طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے کہ آسمان اور زمین دونوں آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں جدا کیا۔" (۷)

قرآنِ مجید میں کئی جگہ اسے دُخان کہا گیا ہے یعنی ایسا دھواں جس کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرّات ہوں۔ یہ مادہ نیبولاؤں کی صورت میں چکر لگاتا رہا۔ اس وقت یہ مادہ آپس میں ملا ہوا تھا۔ قرآنِ پاک میں اس کے لیے "رتق" آیا ہے۔ پھر وہ مادہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہو گیا اور اس سے اَن گنت سورج' سیّارے اور سیارچے وجود میں آئے۔ علیٰحدہ ہونے کے عمل کے لیے قرآنِ پاک میں لفظ "فتق" استعمال ہوا ہے (۸) علمائے فلکیاتِ جدید اب آکر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابتدا میں مادہ ایک ہی جگہ پر نیبولا کی شکل میں موجود تھا۔ یہی بعد میں پھٹ کر تقسیم ہو گیا۔ (۹)

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا" میں "کَانَتَا رَتْقًا" کے الفاظ اس مفہوم کو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں کہ کائناتی مادہ ابتداءً انتہائی سمٹی ہوئی حالت میں تھا اور جب یہ تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک دھماکے کے ساتھ پھٹا تو اس کا پھیلاؤ شروع ہوا جو اَب تک جاری ہے۔ (۱۰)

خدا تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ایک دُھوئیں جیسے مادے سے پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ اس کا باعث حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس دھوئیں میں حرکت پیدا ہوئی۔ لاتعداد چکر چلنے لگے اور کروڑوں سیّارے معرضِ وجود میں آ گئے۔ ان میں زمین بھی شامل تھی۔ پہلے یہ سخت گرم تھی' ڈھیلی اور پھیلی ہوئی۔ بعد میں ٹھنڈی ہو کر سُکڑنے لگی اور آج تک سُکڑ رہی ہے۔ **اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا۔**(۱۱) (کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو سکیڑتے اور اس کے حجم کو گھٹاتے جا رہے ہیں)۔۔۔۔۔۔ اور' یہ سکڑتی سمٹتی ہوئی زمین لاکھوں

قسم کے حیوانات' جمادات' نباتات کے ساتھ آباد ہے اور ہر قسم کے خزانوں اور طرح طرح کی مخلوق سے آباد زمین کو پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کو مبعوث ہونا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش تو بہت پہلے ہوئی تھی۔ پھر ان کے لیے نظامِ کائنات بنایا گیا بلکہ کائنات کی ہر چیز کی پیدائش میں جو ترتیب اور نظم ہے' وہ حضور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی کے دم سے ہے۔ دُخان سے نظامِ شمسی یا نظامِ اجرامِ فلکی کا پیدا ہونا' ان کا ایک سسٹم کے ساتھ چلنا اللہ کریم کے نظامِ رحمت ہی کے تحت ہے اور اس نظام کا نام رحمۃ للعالمین ہے۔

زمین' نظامِ شمسی اور دیگر آسمانی اجرام کی ضخامت کا مقابلہ کرنے سے یہ خیال قائم ہوتا ہے کہ مختلف اجرام ایک ہی طریقے کی ہندسی جیومیٹری ترتیب میں ہیں جو مقدار میں تقریباً ۲۰ ہزار کے مسلسل عامل یا جزوِ ضربی کے تناسب سے بدلتی ہے۔(۱۲) اب اس بات میں شک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ مختلف اجرام ایک ہی طریقے کی ہندسی جیومیٹری ترتیب میں اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ رحمت میں منضبط اور منظم ہیں۔

سورج نظامِ شمسی کا سب سے اَہم اور سب سے بڑا رُکن ہے۔ اس کا حجم زمین کے مقابلے میں ۱۲ لاکھ تمیں گنا زیادہ ہے۔ یہ کہکشاں جو ہمیں نظر آتی ہے' اس میں کم از کم ایک بلین سورج ہیں جن میں سے ہر ایک کا اوسط حجم ہمارے سورج سے کہیں زیادہ ہے۔ علمِ ہیئت کے ماہرین نے اس بات کا اندازہ کیا ہے کہ اس کائنات میں کم از کم ایک لاکھ کہکشاں ہماری اس کہکشاں کی طرح کی موجود ہیں۔ (۱۳)

حقیقت یہ ہے کہ اجرامِ فلکی کے بارے میں معلوم "حقائق" بھی ہمارے اندازوں اور قیاس پر مبنی ہیں اور بہت سے ایسے عوالم ہیں جن کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ سورج زمین سے کتنا بڑا ہے' اس کے بارے میں ایک رائے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کچھ لوگ لکھتے ہیں کہ وہ جسامت میں ہماری زمین سے دس لاکھ

گنا بڑا ہے۔(۱۴) سورج کے مرکز کو کرۂ نور کہتے ہیں۔ سورج کا وہ حصہ جسے تاج کہتے
ہیں، وہاں مسلسل شعلے بھڑکتے رہتے ہیں، یہاں درجۂ حرارت لاکھوں سنٹی گریڈ ہے۔
(۱۵)

چاند کا درجۂ حرارت ۱۰۵ سنٹی گریڈ ہے۔ مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے، اس
کے اندر چودہ سو زمینیں سما سکتی ہیں۔ زحل پر ہزاروں کلومیٹر برف کی تہہ جمی ہوئی
ہے۔ پلوٹو منجمد میتھین گیس سے ڈھکا ہوا ہے۔ دُبِ اکبر یا بناتُ النعش فلک پر
نمایاں نظر آتا ہے۔ چھ اور ستارے ذاتُ الکرسی کہلاتے ہیں۔ موسم سرما میں روشن
ترین ستاروں کا مجموعہ الجبار کہلاتا ہے۔ ہماری زمین کے اردگرد فضا کا ایک غلاف
ہے جو ہر قسم کے حادثات سے اہلِ زمین کو محفوظ رکھتا ہے۔ ٹوٹتے ہوئے تارے یا
شہابیے اڑھائی لاکھ کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے ٹوٹ کر گرتے ہیں اور ہماری زمین
سے پچاس ساٹھ کلومیٹر کی بلندی پر رگڑ کھا کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ (۱۶)

ایک عام بینائی رکھنے والا آدمی آدھی رات کے وقت صرف ایک ہزار
ستارے دیکھ سکتا ہے۔ آج تک بڑی دوربینوں کی مدد سے آٹھ کروڑ ستارے دیکھے جا
چکے ہیں۔ اگر ہر ستارہ اپنی اپنی دنیا کا سورج ہے تو قیاس کیجیے کہ کائنات کتنی وسیع
ہے (۱۷) اور اندازہ فرمائیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت رحمۃ للعالمین کا
دائرہ کہاں تک وسیع ہے اور کہاں کہاں کا نظامِ رحمت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے دائرۂ اختیار میں ہے۔

ستاروں کا فاصلہ ماپنے کے لیے ہمارے اعداد و شمار ناکافی ہیں، اس لیے نوری
سال کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ نور یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر سفر
کرتی ہے۔ اس طرح ایک سال میں اس کا سفر تقریباً ۹۵ کھرب کلومیٹر ہوا۔ یہ فاصلہ
نوری سال ہے۔ اب ۴ ارب کو ۹۵ کھرب سے ضرب دیجیے تو کہکشاں کا ایک سرے
سے دوسرے تک کا فاصلہ یا وقت معلوم ہو گا کہ ایک روشنی جو ایک کہکشاں سے چلی
ہے، وہ ہمارے کرہ تک کتنے وقت میں پہنچی۔ (۱۸)

سیاروں کے متعلق آج کا علم بھی فقط چند درجن خلائی روبوٹوں، سیاروں کے
سیٹلائٹس، چند انسان بردار خلائی جہازوں اور ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک وائجرز خلائی
جہازوں کی فراہم کردہ اطلاعات پر مبنی ہے۔ طیف پیمائی البتہ ایک جادوئی تکنیک ہے
جس سے ان کے مادّوں اور عناصر کے بارے میں کیمیائی تفصیلات کا پتا چلتا ہے۔
سورج کے معلوم سیارے نو ہیں۔ بلحاظِ فاصلہ سورج سے قریب ترین اندرونی خطے
کے چار سیارے نسبتاً ٹھوس اور پتھریلے ہیں۔ بیرونی خطے میں پانچ سیارے ہیں جو
برفیلے اور گیسی ہیں۔ عطارد اور زُہرہ کے کوئی چاند نہیں۔ زمین کا ایک چاند ہے اور
پلوٹو کا ایک چاند یا تابع سیارہ ہے۔ باقی سیاروں میں سے مشتری کے سولہ اور سیٹرن
کے سترہ چاند یا تابع سیارے ہیں، اس طرح نظامِ شمسی کے ۹ سیاروں کے اب تک
معلوم ۴۴ چاند یا تابع سیارے ہیں۔ (۱۹)

نظامِ شمسی سے متعلق سائنسی معلومات کے بارے میں سیّد قطب نے لکھا کہ
"یہ فلکیات کا ایک نظریہ ہے جو آج مقبول ہے اور کل رد کیا جا سکتا ہے۔" (۲۰) لیکن
یہ نظریہ جیسے کچھ بھی ہے، اور ممکن ہے، کل کلاں رد ہی کر دیا جائے یا اس میں
ترمیم ہو جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ عالم خاصے محیرّ العقول ہیں۔۔۔۔۔۔ اور حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام ان عوالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

یہ تفصیلات عام آدمی کے لیے حیران کُن ہیں اور صاحبانِ علم کے لیے
دلچسپ، لیکن یہ تفصیلات "عالمین" کے مفہوم کو محیط نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تو ہمارے
قریب کی باتیں ہیں اور ان عوالم کی بات ہے جن سے اب تک انسانیت کا علم واقف
ہو سکا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ عالمین کا محض ایک حصہ ہیں۔ ہو سکتا ہے،
بہت قلیل حصہ ہو۔ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے "کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سترہ ہزار عالم
پیدا کیے ہیں۔ آسمانوں والے سب ایک عالم، زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو
خدا ہی جانتا ہے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں، اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ حضرت ابوسعید
خدریؓ فرماتے ہیں، چالیس ہزار عالم ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و

آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے' وہ سب عالم ہے۔" (۲۱)

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اس عالم سے باہر ایک لامتناہی خلا میں ہمارے پیشِ نظر عالم کی طرح کے اور بھی ہزاروں لاکھوں عالم بنا رکھے ہوں۔ (۲۲)

جو عالم ہمارے علم میں ہیں' ہم انہی پر غور کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ پھر کیا ہمیں غور نہیں کرنا چاہیے کہ ہمارا نظامِ شمسی محض اتفاق سے تو وجود میں نہیں آیا۔ خالق و مالکِ حقیقی جل و علا اسے ایک ہستی کے لیے وجود میں لایا۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ یہ نظامِ شمسی کس طرح قائم ہے اور اجرامِ فلکی آپس میں ٹکرا کر تباہ کیوں نہیں ہو جاتے۔ انہیں ایک نظم کے ساتھ چلانے میں جو قوت کارفرما ہے' کیا اس کا نام رحمۃ للعالمین ہی نہیں ہے؟

جب مادہ میں حرکت پیدا ہوئی تو کس نظامِ رحمت نے اسے محض حرکت نہیں رہنے دیا بلکہ ایک ارتقائی حرکت بنا دیا۔ وہ طاقت جس نے ستاروں کے وجود میں آتے ہی ان کو لامتناہی خلا میں نہایت باقاعدگی کے ساتھ پھرانا شروع کر دیا اور وہ نظام جس سے ہمارے کرۂ زمین میں ایسی تبدیلیاں عمل میں آئیں جن سے یہاں زندگی ممکن ہوئی' کیا خدا تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ رحمت ہی نہیں ہے! صرف بارش ہی کے معاملے کو دیکھیں تو ایسا سسٹم ہے جس سے انسانی زندگی رواں دواں ہے۔ اگر بارش محض اتفاق کا نتیجہ ہوتی تو کسی علاقے میں خوب بارش ہوتی اور ہوتی رہتی اور کسی علاقے میں سالہا سال تک بارش کا چھینٹا بھی نہ پڑتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر لاہور شہر کی انتظامیہ شہر میں موجود درختوں کو دُھلانا چاہے تو ایک بار ایسا کرنے کے لیے پورے سال کا بجٹ بھی ناکافی ہو اور ظاہر ہے کہ کام پھر بھی تسلی بخش نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ رحمت یہ کارکردگی چند منٹ میں دکھا دیتا ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں "حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ صرف سو مربع میل رقبے کو سیراب کرنے کے لیے جس قدر بخارات کی ضرورت ہوتی ہے' وہ پانچ ٹن

کوئلہ جلانے سے پیدا ہو سکتے ہیں اور تمام ہندوستان پر صرف دس منٹ تک بارش برسانے کے لیے تو کھرب ٹن کوئلہ درکار ہو گا۔ (۲۳)

پھر جو سسٹم پوری دنیا کو پانی سے سیراب کرتا ہے اور باقی تمام عوالم کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھتا ہے'۔۔۔۔ کیا یہ نظامِ رحمت وہی نہیں جس کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!!

حواشی

☆ ۱۔ راجا رشید محمود۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم۔ اختر کتاب گھر' لاہور۔ ۱۹۷۸ء۔ ص ۳۵

☆ ۲۔ موضوعاتِ کبیر از مُلّا علی قاری۔ ص ۵۹' انسان العیون از علامہ برہان الدین حلبی' جلد اول۔ ص ۳۵۷' مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات از علامہ فاسی۔ ص ۳۶۴' نزہۃ المجالس از علامہ عبدالرحمٰن صفوری شافعی۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۹۔ بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم' لاہور۔ جون ۱۹۷۳ء (مضمون "حدیثِ لولاک" از مولانا غلام رسول سعیدی / تابش قصوری' محمد منشا۔ محمدٌ نورٌ۔ س ن۔ ص ۴۱ (مضمون "حدیثِ لولاک" از ابوالضیا محمد باقر ضیا نوری) و مضمون محولہ بالا از غلام رسول سعیدی۔ ص ۴۹ تا ۵۴)

☆ ۳۔ الم نشرح۔ ۹۴: ۴

☆ ۴۔ ہنڈرک فان لون۔ نوعِ انسان کی کہانی (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۳۹ء' ص ۲

☆ ۵۔ جارج گیمن۔ سورج کی تخلیق اور تباہی۔ مطبوعہ لندن۔ ص ۲۲۶ بحوالہ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد۔ جون ۱۹۷۷ء (مضمون "ابتدا و ارتقاءِ حیات' قرآن اور سائنس کی روشنی میں" از ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ص ۵۸۷)

☆ ۶۔ مجتبیٰ الموسوی' سید۔ آخری رسولؐ (ترجمہ سید حسنین مہدی الحسینی) مدرسۃ

الواعظین' لکھنؤ۔ ۱۹۸۶۔ ص ۱۰۷

☆ ۷۔ حٰمٓ السجدہ۔ ۴۱: ۱۱۔ و۔ الانبیاء۔ ۲۱: ۳۰

☆ ۸۔ میاں عبدالرشید۔ نورِ بصیرت۔ جلد اول۔ ص ۱۳۰

☆ ۹۔ سٹرال' آر تھراین۔ جاگرافی (انگریزی) ۱۹۶۹

☆ ۱۰۔ فکر و نظر۔ اگست ۱۹۷۸۔ ص ۴۲ (مضمون "قرآن کے سائنسی و جغرافیائی حقائق" از ملک محمد فیروز فاروقی)

☆ ۱۱۔ الرعد۔ ۱۳: ۴۱

☆ ۱۲۔ عطش درانی' ڈاکٹر (مرتب) علم' سائنس اور اسلام۔ ص ۱۴۳ (مضمون "عالم بالا اور سائنس" از ڈاکٹر ایم ایم قریشی و ڈاکٹر محمد سعود)

☆ ۱۳۔ کلوور مونزما' جان (مرتب) خدا موجود ہے (مترجم عبدالحمید صدیقی) ص ۱۰۰ (مضمون "سب سے اہم مسئلہ جو ہمیں درپیش ہے" از آسکر لیو براں)

☆ ۱۴۔ وحید الدین خاں' مولانا۔ اسلام اور عصرِ حاضر۔ ص ۳۷

☆ ۱۵۔ لیاقت علی خاں نیازی' ڈاکٹر۔ اسلام اور سیرۃ النبیؐ (چند درخشاں پہلو) ص ۳۱

☆ ۱۶۔ ایضاً۔ ص ۳۱ یا ۳۳

☆ ۱۷۔ عنایت کریم' میاں۔ پُکار۔ چوتھا ایڈیشن۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۶۶۔ ص ۲۹۵

☆ ۱۸۔ مطالعۂ فطرت اور ایمان۔ ادارۂ درسِ اشاعتِ اسلام' لاہور۔ س ن ص ۲۴

☆ ۱۹۔ اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور۔ جنوری ۱۹۹۱۔ ص ۱۸۵' ۱۸۶ (مضمون "زمین کے پُراسرار ہمسائے" از ڈاکٹر محمود علی)

☆ ۲۰۔ سید قطب۔ قرآن اور سائنس (مترجم پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی) مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۸۲۔ ص ۸۱

☆ ۲۱۔ تفسیر ابنِ کثیر (مترجم ابو محمد جوناگڑھی) جلد اول۔ ص ۳۹

☆ ۲۲۔ محمد شفیع' مفتی۔ معارفُ القرآن۔ جلد اول۔ ص ۸۰' ۸۱

☆ ۲۳۔ غلام جیلانی برق' ڈاکٹر۔ دو قرآن۔ ص ۳۰۴

عالمِ سماوات

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کئی مرتبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا۔ "کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور پیدا کرنے والا بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچا رہا ہے؟" (۱) "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے' تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل فرما دی ہیں"۔ (۲) "اور اس کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے دلائل ہیں۔" (۳) "اس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین پر۔ جو چاہتا ہے' پیدا کرتا ہے۔" (۴) "اور خدا کے پاس ہی آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی بات ہے اور اسی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے۔ تو اس کی عبادت کر اور اسی پر بھروسا رکھ۔" (۵) "کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ تمہارے لیے نیند کو باعثِ آرام بنایا۔ رات کو تمہارے لیے پوشیدگی کا سامان بنایا' دن کو روزی کمانے کا سبب بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیے"۔ (۶) "کیا وہ بغیر کسی شے کے پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ یقین نہیں رکھتے"۔ (۷)

سورۂ حٰمٓ السجدہ میں اللہ کریم نے دو دنوں میں سات آسمان بنانے کا ذکر یوں فرمایا۔ "پھر اللہ نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت آسمان خلا میں دُھواں بن کر اڑ رہا تھا۔ اللہ نے ارض و سما کو کہا کہ خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے آ کر اپنے فرائض

سنبھالو۔ کہنے لگے' ہم خدائی حکم کو خوشی سے بجا لائیں گے۔ پھر اللہ نے دو دن میں سات آسمان بنا ڈالے اور ہر آسمان کو اس کا لائحۂ عمل سمجھا دیا"۔ (۸) تخلیق کے مدارج کا ذکر قرآنِ کریم نے یوں کیا۔ "کیا کافر اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آغاز میں ارض و سما کا ہیولیٰ ایک تھا۔ ہم نے اسے الگ الگ کیا اور زندگی کا آغاز پانی سے کیا۔ کیا وہ اب بھی نہیں مانتے؟؟" (۹)

فلک کیا ہے؟ کیا سماء (آسمان) اور فلک دونوں ایک چیز ہیں؟ کیا شمس و قمر اور دوسرے سیارے ان میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح لکڑی میں کیل؟ اس سلسلے میں پیر محمد کرم شاہ نے قدیم علماء طبیعین' علماءِ اسلام اور جدید علماءِ ہیئت کی آرا پر بحث کی ہے۔

فلاسفہ یعنی قدیم علماءِ طبیعین کی رائے یہ ہے کہ فلک اور آسمان ایک چیز کے دو نام ہیں۔ فلک میں خرق والتیام ممکن نہیں' زندہ ہے' عالم ہے' اپنے ارادے سے گول حرکت کرتا ہے' پھٹنے اور جڑنے کو قبول نہیں کرتا۔ سیارے ان میں گڑے ہوئے ہیں' فلک متحرک ہیں' افلاک کی تعداد ۹ ہے۔

اس کے برعکس اکثر مفسرین کے نزدیک فلک اور سماء (آسمان) دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور سماء فلک سے اُوپر ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ فلک کسی ایسی چیز کا نام نہیں جس کا کوئی جسم ہو۔ جہاں یہ سیارے گردش کرتے ہیں' یہ ان کا مدار ہے۔ "روحُ المعانی" میں ہے کہ افلاک کی تعداد نو ہونا بھی قطعی اور یقینی نہیں۔ ہو سکتا ہے' وہ اس سے بھی زیادہ ہوں۔ امام رازی اور ابی حیان اَندَلسی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

علامہ ابی عبداللہ انصاری قرطبی لکھتے ہیں۔ "کواکب سیارہ فلک میں چلتے ہیں اور یہ آسمانوں سے نیچے ہیں۔ چاند سب سے نچلے فلک میں ہے۔ اس سے اوپر عطارد' پھر زہرہ' پھر سورج' پھر مریخ' پھر مشتری' پھر زحل ہے۔ آٹھویں کو فلک البروج' نویں کو فلکِ اعظم کہتے ہیں۔ ان سب سے اوپر "سبع سموات" (سات آسمان) ہیں جو ملائکہ

کی جولانگاہ اور اسبابِ ملکوت کا مخزن ہیں"۔ (۱۰)

علامہ احمد سعید کاظمی لکھتے ہیں۔ "اگر کسی وقت کوئی شخص چاند' سورج سے آگے بھی چلا جائے اور اسے آسمانوں کے وجود کا احساس و ادراک نہ ہو' تو کچھ بعید نہیں۔ اس لیے کہ اشیاءِ لطیفہ کثیف چیزوں کی طرح محسوس و مدرک نہیں ہو سکتیں۔ جس کی دلیل سائنس دانوں کا یہ نظریہ ہے کہ سورج اور زمین کے درمیان ایک رقیق مادہ (ایتھر) ہر وقت متحرک ہے جو تمام اجسام کا مبداء اور اصل مادہ ہے۔ لیکن حواسِ خمسہ میں سے کوئی حس آج تک اس کا ادراک نہیں کر سکی' محض اس لیے کہ وہ نہایت رقیق و لطیف ہے۔ لہٰذا اگر آسمان بھی اسی رقّت و لطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوں تو اس میں کون سا تعجب ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ وہ مستقرِ ملائکہ ہے اور ملائکہ لطیف ہیں' اس لیے ان کا مستقر بھی لطیف ہونا چاہیے"۔ (۱۱)

سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی "انسانِ کامل" میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے سے جُدا پیدا کر دیا۔ ہر آسمان کے فرشتے اس آسمان کی جنس سے پیدا کیے۔ پھر اس پانی کے خدا تعالیٰ نے سات دریا بنا دیے جو عالم کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ پس یہ جمیع وجود کی اصل ہے۔ (۱۲)

جو آسمان ہمیں نظر آ رہا ہے' اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ آسمانِ دنیا نہیں ہے' نہ اس کا رنگ اس کا رنگ ہے' نہ اس کا وصف اس کا وصف۔ یہ چیز جو ہم دیکھ رہے ہیں' زمین کی یبوست اور رطوبت سے آفتاب کی حرارت کی وجہ سے بحکمِ طبیعت ہوا کی طرف چڑھا ہوا بخار ہے۔ کبھی وہ کبود نظر آتا ہے' کبھی سفید سیاہ ملا ہوا اور کبھی غبار آلود۔ یہ تمام رنگ بُخارات کی وجہ سے ہیں جو زمین سے چڑھتے ہیں۔ اور جس قدر ان بخارات پر روشنی پڑتی ہے' اس کے مطابق اس میں اختلافِ رنگ پیدا ہوتا ہے۔ آسمانِ دنیا کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے اس کا نام آسمان رکھا گیا ہے۔ دراصل جو آسمان دنیا ہے' نہایت بعید ہونے کی وجہ سے اس پر نظر نہیں پڑ سکتی۔ پھر وہ دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ گھیرے میں وہ تمام افلاک سے چھوٹا ہے۔ چاند

اس فلک کے گھیرے کو چوبیس معتدل مستقیم گھنٹوں میں طے کرتا ہے اور ہر گھنٹے میں چار سو اٹھاون برس اور ایک سو بیس دن کی راہ طے کرتا ہے۔ پھر قمر کے لیے اس فلک میں ایک فلک ہے اور ایسا ہی ہر کوکب کے لیے ایک چھوٹا سا فلک ہے جس میں وہ اس فلکِ کبیر میں گھومتا ہے۔ فلکِ کبیر سست رفتار اور یہ فلکِ صغیر تیز رفتار ہے۔ (۱۳)

حضرت سید عبدالکریم جیلانی اس فلکِ اول کے بعد دوسرے چھ افلاک کی تفصیلات بھی بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلکِ دوم کا جوہر شفاف ہے اور لطیف ہے' اس کا رنگ سفید و سیاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیقتِ فکریہ سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسم قَدِیْرٌ کا مظہر بنایا ہے اور اس کا آسمان اپنے اسم عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ سے پیدا کیا ہے۔ تیسرے فلک کی رنگت زرد ہے اور وہ زہرہ کا فلک ہے۔ اس کا جوہر شفاف ہے۔ اسے حقیقتِ خیال سے پیدا کیا گیا ہے اور عالم مثال کا محل بنایا گیا ہے۔ خدا نے اس کے کوکب "زہرہ" کو اپنے اسم "علیم" کا مظہر بنایا ہے اور اس کے آسمان کو صانعِ حکیم کی قدرت کا مجلیٰ قرار دیا ہے۔ اس کا کوکب ہر گھنٹے میں چھ سو اکتیس برس اور ساڑھے آٹھ یوم کی راہ طے کرتا ہے اور تمام فلک کو چوبیس گھنٹے میں طے کرتا ہے۔ اور فلکِ کبیر کی تمام منزلوں کو تین سو چوبیس یوم میں قطع کرتا ہے۔
فلکِ چہارم ایک جوہر فاخرہ ہے۔ روشن رنگ والا ہے۔ آفتاب منور کا آسمان ہے' افلاک کا قلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نورِ قلبی سے پیدا کیا ہے۔ آفتاب کو اس میں بمنزلہ قلبِ عالم کے رکھا ہے کہ اسی سے ستارے نور حاصل کرتے ہیں۔ خدا نے اس کوکبِ شمسی کو اس فلکِ قلبی میں الوہیت کا مظہر بنایا ہے اور اپنے رنگا رنگ اوصافِ مقدسۂ زکیّہ کی جلوہ گاہ بنایا ہے۔

فلکِ پنجم عظمتِ الٰہیہ اور انتقام کا مظہر ہے۔ اس کا رنگ مثل خون کے' سرخ ہے اور اس کے فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے کمال کے آئینے اور جلال کا مظہر بنایا ہے۔ اس کی روحانیت اہلِ شمشیر و انتقام کی مددگار ہے۔ اور وہ ہر اس شخص کی مدد پر

مامور ہے جو اللہ تعالیٰ کا معاند ہوتا ہے اور جس کی مدد کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہوتا ہے۔

فلکِ ششم ایک جوہرِ شفاف روحانی نیلے رنگ کا ہے اور اس کا کوکب قیومیت کا مظہر اور دیمومیت کا منظر ہے۔ صاحبِ نور ہے' ممد ہے' روشن ہے۔ اس کا ستارہ جس کو مشتری کہتے ہیں' ہر گھنٹے میں نو سو انیس برس پانچ مہینے اور ساڑھے ستائیس دن کی راہ طے کرتا ہے۔ آسمان کو چوبیس گھنٹے میں طے کرتا ہے اور بڑے آسمان کو بارہ برس میں طے کرتا ہے۔ اور ہر سال بڑے آسمان کا ایک بُرج طے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نورِ ہمت سے پیدا کیا ہے۔ فلکِ ہفتم کا جوہر شفاف سیاہ مثل شبِ تاریک کے' ہے۔ خدا نے اسے عقلِ اول کے نور سے پیدا کیا ہے اور اس کی منزل اعلیٰ و برتر بنائی ہے۔ اس کی سیاہ رنگت کا اشارہ اس کی ناشناسی کی تاریکی اور بُعد کی طرف ہے۔ اس کا ہر ستارہ ہر گھنٹے میں ایک ہزار بیس برس اور دس مہینے کی راہ طے کرتا ہے اور بڑے آسمان کو تیس برس کی مدت میں طے کرتا ہے۔ اور تمام ستارے ثابت جو اس میں موجود ہیں' ان کی سیر ایسی مخفی ہے کہ ظاہر نہیں ہوتی۔ بعضے ان میں سے اس آسمان کے ہر بُرج کو تیس برس میں طے کرتے ہیں اور بعضے ان میں سے' اس سے کم یا زیادہ میں طے کرتے ہیں۔ اور بہ سبب دقیق اور کثیر ہونے کے' پہچان میں نہیں آتے۔ اور حسابِ نجوم میں ان کے کوئی نام نہیں ہیں۔ (۱۴)

احمد علی شوق قدوائی اپنی مثنوی "سائنس اینڈ ریلیجن یعنی علم طبیعیات اور مذہب" میں کہتے ہیں:

جسے کوئی فلک سمجھا ہے' وہ ہے دُور نظروں سے
بہت ہو اوج اسے' شاید وہ ہو مستور نظروں سے
ہُوا ہے جس سے ہے پیشِ نظر شکلِ فلک پیدا
فلک سے ہیں جدا انجم' یہ ہے جن کی چمک پیدا (۱۵)

حکماءِ عرب کواکب کے اس مدار کو فلک کہتے ہیں جو طبائع یعنی عناصر کے گوناگوں تغیرات کی آخری حد ہو۔ افلاک کی یہ اسلامی تعریف کئی صدی قبل کی ہے۔ جدید تحقیقات نے اتنے دن بعد اس سے جو اختلاف ظاہر کیا ہے' وہ محض لفظی اختلاف ہے۔ الفاظ کو بدل ڈالو تو مطلب دونوں کا ایک رہتا ہے (۱۵۔الف)

سائنس دان کہتے ہیں کہ زمین کے اوپر پانچ سے دس میل تک کا حصہ ہے۔ اس حصے میں جوں جوں اوپر جائیں' فی ہزار فٹ ۱۰۷ سنٹی گریڈ کے حساب سے درجۂ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی وہ حصہ ہے جس میں سبھی جاندار سانس لے رہے ہیں۔ بادل بھی اسی حصے میں بنتے اور گرجتے برستے ہیں۔ برفباری بھی ہوتی ہے اور موسموں کی تبدیلی کا باعث بھی یہی حصہ ہے۔ اس حصے میں چلنے والی ہوائیں کوئی ایک لاکھ مکعب میل پانی فی سال کے حساب سے عملِ تبخیر کے ذریعے بخارات کی صورت میں اٹھاتی ہیں اور بارش کی صورت میں زمین پر گرا دیتی ہیں۔

اس سے اگلے دس پندرہ میل تک گیس کی تہہ ہے جو سورج سے آنے والی تباہ کن ماورا بنفشی شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے اور زمین پر زندگی کو ممکن بنا دیتی ہے۔ اس کے بعد تیسرا کرہ نسبتاً گرم ہے کیونکہ اس میں خلا سے آنے والے دُم دار ستارے جل کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ہماری زمین ان کی یورش سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ کرہ زمین سے پچاس میل اوپر تک ہے۔

اس کے بعد جو کرہ ہے' وہ ۳۵۰ سے ۴۰۰ میل تک ہے۔ یہ وہ کرہ ہے جو "شارٹ ویوز" کو منعکس کرتا ہے اور یوں' ریڈیو اور دیگر لاسلکی وائرلیس پیغامات وصول کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کا کرہ غالباً چار ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کرے کے اندر ایک حصہ ہے جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔ یہ حصہ خلا سے آنے والے جوہری ذرات سے زمین کو محفوظ رکھتا ہے جس میں مثبت برقیے اور مرکزے وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان پانچ حصوں کے بعد خلا ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور درجۂ حرارت بہت کم ہے۔ (۱۶)

محمد فیروز فاروقی قرار دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ "سماء" کا اطلاق فضا' کرۂ ہوا اور خلا پر ہوا ہے اور کسی ایک آیت میں بھی "سماء" کو ایک ٹھوس اور جامد جسم قرار نہیں دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے مابین ہے (یعنی پوری کائنات) کو چھ ایام میں پیدا کیا۔" (۱۷) اس طرح کہ دو ایام میں سات سماوات مکمل کیے اور ہر "سماء" کو اس کے فرائض سونپ دیے اور زمین کی تخلیق کی (۱۸) اور باقی چار ایام میں زمین پر پہاڑ کھڑے کیے' اس میں برکت رکھی اور ٹھیک حساب کے مطابق اس کو صلاحیتیں عطا کیں (۱۹) ان آیات میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ "سبع سموات" کی تخلیق "ستۃ ایام" میں سے پہلے دو ایام میں مکمل ہوئی۔

سورہ البقرہ کی درج ذیل آیت میں "سماء" کا مفہوم متعین کیا گیا ہے۔

"اللہ نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور "سماء" کو چھت بنایا اور "سماء" سے پانی اتارا"۔ (۲۰)

اس آیت میں "سماء" سے مراد کرۂ ہوائی ہے جس کے نچلے حصے میں رطوبت کی موجودگی اور دیگر اسباب حرارت و دباؤ کے باعث آبی بخارات بارش کی صورت میں زمین پر گرتے ہیں۔ (۲۱) پھر اللہ نے سات سموات مکمل کر دیے اور ہر "سماء" کو اس کے فرائض سونپ دیے اور دنیا کے سماء کو روشنیوں سے مزین کیا اور اس میں محافظ مقرر کر دیے۔ یہ ہیں ربِ عزیز و علیم کے اندازے"۔ (۲۲)

مسلمان فلکیات دانوں نے کائنات کی وسعت کی پیمائش کی جو کوششیں کیں' وہ عمیق نظری کی غماز ہیں۔ یونانی فلکیات دانوں مثلاً "ہپارکوس' اراتو ستینز اور بطلیموس نے جو پیمائشیں کی تھیں' ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان سائنس دانوں نے ستاروں کے فاصلوں کی جدولیں مرتب کیں۔ ان جدولوں میں الفرغانی اور البیرونی کی جدولیں خاص طور پر مشہور ہیں۔ الفرغانی کی جدولوں نے تو کئی صدیوں تک مغربی مفکرین کو متاثر کیا ہے۔ لیکن فلکیات کی تاریخ میں مسلمان سائنس دانوں کا سب سے

زیادہ دیرپا اور اثر آفرین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے بطلیموسی کُرّوں کو محض ریاضیاتی ماڈلوں کے پست درجے سے اٹھا کر انہیں "طبیعی حقائق" کے بلند مقام تک پہنچا دیا۔ ابن الہیثم نے اپنی اہم کتاب "خلاصۂ فلکیات" میں آسمانوں کے طبعی ماڈل پیش کیے ہیں۔ اس کی پیروی مشرق میں طوسی اور کئی دیگر نامور فلکیات دانوں نے کی۔ اس پیروی میں مغربی سائنس دان بھی شامل ہیں۔ (۲۳)

نظامِ اجرامِ فلکی کے بارے میں اب تک حاصل شدہ معلومات ہی انسان کو چکرا کے رکھ دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا عالم پیدا کر رکھے ہیں' ان میں کیا کیا کچھ تخلیق کیا ہے' کیسے ان کی ربوبیت کرتا ہے' کیسے ان کے لیے رحمت کا انتظام کر رکھا ہے۔ اب تک معلوم حقائق ہی اللہ کریم کی خلاقی' ربوبیت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت للعالمینی کے حوالے سے انسان کو عالمِ حیرت و استعجاب میں پہنچا دیتے ہیں۔ آسمانوں کا نظام اس نے کیسا بنا رکھا ہے' ابھی ہمارے علم سے باہر ہے۔ اس کا علم اسی کو ہے جس نے انہیں بنایا ہے' یا اُن کو ہے جن کو شبِ اسرا ان کی سیر کرائی گئی۔

آسمان اللہ نے تخلیق کیے' وہی ان کا رب ہے' اور محبوبِ ربُّ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آسمانوں کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ وہاں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کیسے پر افشانیاں کرتی ہے' کیونکر اپنے اثرات بکھیرتی ہے' وہاں کے رہنے والے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت سے کیسے کیسے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں' ہم ان کے متعلق نہیں جان سکتے۔ ہمارا علم محدود ہے' ہماری نظریں محدود ہیں۔

ہماری محدود نظریں تو حدِ نظر ہی کو آسمان کہنے پر مجبور ہیں۔ ہم کہتے ہیں' آسمان پر بادل چھائے ہیں' آسمان پر سرخی نظر آ رہی ہے' آسمان پر قوسِ قزح کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائیں تو ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے' وہ آسمان پر تو نہیں ہوتا' آسمان کی طرف ہوتا ہے' مگر ظاہر ہے کہ ہم اسی پر آسمان کے معاملات کا اندازہ کرتے ہیں ـــــ چنانچہ "سیرتِ دحلانیہ" میں ہے' طبرستان میں کچھ

لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل تھے مگر ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کرتے تھے۔ ایک شدید گرم دن میں ان میں فساد ہو گیا تو آسمان پر انتہائی سفید بادل نمودار ہوئے اور مسلسل پیدا ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مشرق و مغرب کو گھیر لیا اور آسمان اور شہر کے درمیان حائل ہو گئے۔ ان میں واضح طور پر یہ تحریر نمایاں تھی۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یہ تحریر زوالِ ظہر سے لے کر عصر کے وقت تک مسلسل قائم رہی تو تمام فسادیوں نے توبہ کی اور وہاں کے رہنے والے بہت سے یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کر لیا۔ (۲۴)

رئیس الدین فریدی امروہوی لکھتے ہیں۔ "۶ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ۸ فروری ۱۹۲۷ کو مغرب کے وقت اور مغرب کی سمت آسمان پر تیز روشنی ہوئی جیسے ستارہ ٹوٹنے سے ہوتی ہے اور اس کے فوراً بعد آسمان پر خطِ نورانی سے لفظ "محمد" تحریر ہو گیا۔ جس کی شکل ابتدا میں "محمدؐ" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جیسی تھی اور آہستہ آہستہ اس کی روشنی کم ہوتی چلی گئی اور صورت بھی بدلتی گئی اور کوئی آدھ گھنٹے کے اندر وہ محو ہو گیا۔ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے میں تو اس منظر کو نہ دیکھ سکا مگر دوسرے لوگوں نے بتایا کہ اس تحریر کا خط تین چار انچ موٹا تھا اور لمبائی کوئی چار پانچ فٹ تھی۔ یہ منظر دور دور تک دیکھا گیا۔ چھاؤنی میں انگریزوں نے اس کے فوٹو بھی لیے اور بمبئی کے انگریزی ہفتے وار "السٹریٹڈ ویکلی" میں شائع بھی ہوئے۔

اس واقعے نے جبلپور میں نعتیہ مشاعروں کا طوفان برپا کر دیا۔ جگہ جگہ مشاعرے ہوئے اور خوب خوب شعر نکالے گئے۔ ایک شعر یاد رہ گیا ہے:

خدا کا شکر ہے' ہم کو نہیں اب خوفِ تاریکی
نمایاں آسماں پر ہو گیا جلوہ محمدؐ کا (۲۵)

ہو سکتا ہے کہ "سماء" سے مراد کُرۂ ہوائی ہی ہو جو مختلف گیسوں کا ایک

خلاف ہے۔ گیسوں کا یہ غلاف رُوئے زمین پر زندگی کی حفاظت کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت آکسیجن کو حاصل ہے جو زندگی کے لیے بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "سماء" سے مراد خلا ہو۔ یہ بھی بعید نہیں کہ نظامِ شمسی سے کہیں اُوپر اور اجرامِ فلکی کی راہوں سے کہیں دُور سماوات تخلیق کیے گئے ہوں ------- لیکن اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ عالمِ سماوات کے لیے بھی محبوبِ کبریا نبیُ الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہمارے عالم کی طرح اور انسانوں کو معلوم دوسری کائناتوں کی طرح، عالمِ سماوات میں بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا سکہ چلتا ہے۔

حواشی

☆۱- فاطر۔ ۳۵: ۳۱

☆۲- لقمان۔ ۳۱: ۲۰

☆۳- الروم۔ ۳۰: ۲۲

☆۴- الشوریٰ۔ ۴۲: ۲۹

☆۵- ھود۔ ۱۱: ۱

☆۶- النبا۔ ۷۸: ۶- ۷

☆۷- الطور۔ ۵۲: ۳۶

☆۸- حٰم السجدہ۔ ۴۱: ۱۱، ۱۲

☆۹- انبیاء۔ ۲۱: ۳۰

☆۱۰- تفسیر ضیاءُ القرآن۔ جلد سوم۔ ص ۱۹۴، ۱۹۵

☆۱۱- احمد سعید کاظمی، علامہ سیّد۔ مقالاتِ کاظمی۔ جلد اول۔ ۱۳۹۷ھ۔ ص ۳۷۸، ۳۷۹

☆۱۲- عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی، سیّد۔ انسانِ کامل (مترجم فضل میراں) ص ۴۱۷

☆۱۳- ایضاً۔ ص ۴۱۷، ۴۲۱

☆۱۴- ایضاً۔ ص ۴۲۳، ۴۳۳

☆۱۵- شوق قدوائی، احمد علی۔ "سائنس اینڈ ریلیجن یعنی علم طبیعیات اور مذہب"۔ صدیق بک ڈپو، لکھنؤ۔ ص ۳۵

☆۱۵- الف- رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت۔ دوسری جلد۔ العصر لکھنؤ (جلد ۴۔ نمبر ۶) ص ۶۰۔ مضمون "سائنس کا ایک سبق" از عبداللہ عمادی

☆۱۶- معراج اور سائنس۔ ص ۲۵۸، ۲۵۹

☆۱۷- السجدہ۔ ۳۲: ۴

☆۱۸- حٰم السجدہ۔ ۴۱: ۱۲

☆۱۹- حٰم السجدہ۔ ۴۱: ۹

☆۲۰- البقرہ۔ ۲: ۲۲

☆۲۱- فکر و نظر (ماہنامہ) اسلام آباد۔ اگست ۱۹۷۸۔ ص ۴۳ (مضمون "قرآن کے سائنسی اور جغرافیائی حقائق")

☆۲۲- حٰم السجدہ۔ ۴۱: ۱۲

☆۲۳- عطش درانی، ڈاکٹر (مرتب)۔ مسلمانوں کی سائنسی خدمات۔ مکتبۂ عالیہ، لاہور ۱۹۹۱۔ ص ۲۴ (مضمون "فلکیات میں مسلمانوں کی خدمات" از سید حسین نصر۔ مترجم پروفیسر محمد یُونس حسرت)

☆۲۴- سیرتِ وحلانیہ (اردو ترجمہ) ص ۴۱۱، ۴۱۲

☆۲۵- رئیس الدین فریدی امروہوی۔ سبزہ و گل۔ پرنٹ ویل آفسیٹ، کلکتہ۔ ۱۹۸۲۔ ص ۵۵



عالمِ شمس

ایک فرانسیسی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" کے مصنف لکھتے ہیں۔
"قرآنِ پاک میں چاند کو روشنی دینے والا (منیرا) اور سورج کو چمک دار چراغ (سراجا وہاجا) فرمایا گیا ہے۔ جدید سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ سورج حرارت اور روشنی پیدا کرتا ہے اور چاند صرف سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے، خود روشنی پیدا نہیں کرتا"۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے سُورج کو ایک صدر کی حیثیت دے رکھی ہے۔ اس کا فاصلہ زمین سے ۱۴ کروڑ ۸۸ لاکھ کلومیٹر ہے۔ اس کا قطر تقریباً ۱۳ لاکھ ۸۴ ہزار کلومیٹر ہے۔ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ سورج صرف آگ کا کُرہ ہی نہیں بلکہ قدرت نے اس کو برقی قوت کا منبع بھی بنایا ہے۔ اس سے جو قوت (انرجی) خارج ہوتی ہے، وہ فی سیکنڈ چالیس لاکھ ٹن ہوتی ہے۔ سورج کی سطح کی حدت ۵ ہزار ۵ سو سنٹی گریڈ ہے اور مرکزی حصے کی حدت کا اندازہ ۵ کروڑ سنٹی گریڈ کیا گیا ہے (۲) اس زبردست حرارت میں تو نہ عناصر تھے، نہ سالمے، اور نہ جوہر تھے۔ صرف آزاد نیوٹرون تھے جو بے ترتیبی سے حرکت کر رہے تھے۔ جب کائناتی مادہ پھیلنے لگا تو درجۂ حرارت گرنے لگا اور جب یہ گر کر ایک ارب درجہ رہ گیا تو نیوٹرون منجمد ہو کر مجموعے بن گئے۔ برقیے نکلے جو مرکزوں سے منسلک ہو گئے اور ایٹم بن گئے (۳)

مختلف دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آفتاب ٹھوس نہیں ہے بلکہ اس کا اندرونی حصہ مائع اور سیال ہے اور بیرونی حصے پر چلتی ہوئی گیسوں کے بادل ہیں جو سورج کے گرد بمنزلہ زمین کے کُرۂ ہوائی کے ہیں۔ لارڈ کیلون نے اندازہ

کیا ہے کہ اگر سوا مربع گز سطح سورج پر ایک برتن رکھا جائے اور اس میں پانی کھولنے کے لیے ڈالا جائے تو فی منٹ جس قدر بھاپ برتن میں پیدا ہو گی، اس سے ۷۸ ہزار گھوڑوں کی طاقت کے برابر کام لیا جا سکتا ہے۔ اب اگر اسی حساب سے تمام سطح سورج کی گرمی کی طاقت کا اندازہ لگایا جائے تو عقل کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر کُرۂ زمین سے نصف قطر کے" زمین کے مانند دو ٹھوس کُرے ۱۹ کروڑ میل کے فاصلے پر واقع ہوں اور بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے، وہ ایک دوسرے کے مرکز کی طرف کھنچ آئیں تو گو شروع میں ان کی حرکت بہت سُست ہو گی لیکن چھ ماہ کے بعد وہ اس قدر زور کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے کہ حرارت جو اسی خوفناک صدمے سے پیدا ہو گی، وہ سورج کی حرارت کے برابر ہو گی اور جو جسم صدمے کے بعد ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہو گا، وہ حرارت کی شدت سے سورج کے برابر ہو گا اور اس کی گرمی کئی کروڑ سال کے لیے، سورج کی طرح کافی ہو گی۔ اس طرح بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ہمارے سورج کی ابتدا اسی طرح ہوئی ہو گی کیونکہ آئے دن کے مشاہدات ثابت کرتے ہیں کہ ستاروں کی دنیا میں نئے نئے سورج پیدا ہو رہے ہیں جن کے یک لخت ظہور کی وجہ اسی طرح بیان کی جا سکتی ہے۔ (۴)

قرآن مجید میں ہے۔ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور بلندی سے پانی اتارا۔ پھر اس پانی سے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کیے اور اس نے تمہارے لیے کشتی کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے لیے دریاؤں کو تابع فرمان کر دیا اور تمہارے لیے آفتاب و مہتاب کو مسخر کر دیا جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا"۔ (۴)

پروفیسر کمال الدین حسین ہمدانی کہتے ہیں۔ محققین حکماءِ حال کی رائے یہ ہے کہ آفتاب کی دو حرکتیں ہیں، ایک وضعیہ اور دوسری انتقالیہ۔ حرکتِ وضعی سے مراد آفتاب کا اپنے محور کے گرد حرکت کرنا ہے اور حرکتِ انتقالیہ سے مراد یہ ہے کہ

فضائے وسیع میں آفتاب مع تمام سیارات کے جو اس کے نظام کے اندر واقع ہیں، حرکت کرتا ہے۔ (۶)

سورۂ یٰسین آفتاب کی مذکورہ دونوں حرکات کو بیان کر رہا ہے۔ "اور آفتاب ہے جو اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ یہ عزیز و علیم خدا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کو دیکھو، ہم نے اس کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ آخر کار کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ چاند کو آپکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور سب اپنے فلک میں تیر رہے ہیں"۔ (۷)

آیت کا مطلب ہے کہ آفتاب سے ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو پالے۔ تحقیقاتِ جدید کے مطابق آفتاب اپنی سیر انتقالی میں تمام سیارات کے ساتھ ۱۲ میل فی سیکنڈ حرکت کرتا ہے اور قمر اپنی سیرِ انتقالیہ میں زمین کے ساتھ ۲۰ میل فی سیکنڈ حرکت کرتا ہے۔ تو فلسفۂ جدیدہ کی رُو سے بھی آفتاب چاند کو نہیں پا سکتا۔ کیونکہ اس کی حرکت سُست ہے اور اس کی تیز (۸)

پیر محمد کرم شاہ الازہری مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "سورج اپنے مقرر مقام کی طرف محو حرکت ہے اور اس کی مجال نہیں کہ وہ مقرر شدہ وقت سے ایک سیکنڈ تاخیر سے وہاں پہنچے یا وہاں سے سرک کر کسی اور جگہ پہنچ جائے، جو مدار اس کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ جو ٹائم ٹیبل اس کے طلوع و غروب، ارتفاع و انخفاض کا مقرر کر دیا گیا ہے، نہ اس میں ردّ و بدل کی گنجائش ہے اور نہ کوئی چیز اس کی خلاف ورزی کر سکتی ہے"۔ (۹) یہ بات البتہ الگ ہے کہ قادرِ مطلق عزیز و علیم جلّ شانہٗ اُس نظامِ رحمت کو اس میں کسی تبدیلی کا اختیار عطا کر دے جو اس سسٹم کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

حکمائے جدید نے بہت سے آفتاب بیان کیے ہیں اور دلائل قویّہ سے ثابت کیا ہے کہ ثوابت اور سیارے بجائے خود ایک ایک آفتاب ہیں جو فضا میں گردش کرتے

رہتے ہیں مگر بسبب دوری کے، ہمیں ان کی گردش محسوس نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ ان کا ہمارے اس نظامِ شمسی سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان سب کے نظام جدا جدا ہیں۔ (۱۰) ہمیں تو جو سورج نظر آ رہا ہے، اسی کی بات کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی سورج ہوں، نظامِ شمسی سے دور کئی اور "نظامِ شمسی" ہوں اور کئی دوسرے عوالم بھی ہوں تو ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ان کا علم ہونا، نہ ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اصل بات یہ حقیقت ہے کہ معلوم اور نامعلوم جتنے بھی عالم خداوندِ قدّوس و لایزال نے پیدا کیے ہیں اور ان کا وہ رب ہے، ان تمام عالموں کے لیے حضور حبیبِ خالقِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

یہ جو سورج ہمیں ہر روز نظر آتا ہے اور ہم اس کی روشنی اور دھوپ سے مستفید ہوتے ہیں، ہمارے آقا و مولا حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے بھی رحمت ہیں۔ انہی کے لیے اس کی تخلیق کی گئی تھی، انہی کے نظامِ رحمت کے تصرف و اختیار میں اس کی ہر حرکت ہے۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں، اگر ڈوبا ہوا سورج ان کی خاطر پلٹ پڑے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

منزلِ صہبا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھا ہوا تھا کہ وحی کے آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر ہوئے اور نزولِ وحی کا زمانہ اس قدر طویل ہوا کہ شاہِ خورشید دارالملکِ مغرب کی طرف چلا گیا۔ جب وحی ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا تم نے عصر کی نماز ادا کر لی ہے؟ عرض کیا، یا رسولَ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر علی تیرے اور تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت میں تھے تو سورج کو حکم دے کہ وہ واپس لوٹ آئے۔ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورج غروب ہو چکا تھا لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ پھر طلوع ہوا اور دشت و جبل اس کی کرنوں سے چمکنے لگے۔ طحاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

احمد بن صالح (امام بخاری کے استاد) فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کے لیے مناسب نہیں کہ اس حدیث کی مخالفت کریں کیونکہ یہ معجزات و نشاناتِ نبوت میں سے ہے (۱)

تیری مرضی پا گیا' سُورج پھرا اُلٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی' مہ کا کلیجا چِر گیا

مفتی محمد امین (فیصل آباد) نے "البراھین الساطعہ لرد الشمس البازغہ" میں لکھا ہے کہ اس حدیثِ پاک کو بڑے بڑے جلیل القدر علما اور ثقہ محدثین نے ثابت کیا ہے مثلاً امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں' قاضی عیاض نے شفاء شریف میں' محدث طبرانی نے معجم میں' ابنِ مندہ نے' ابنِ شاہین نے' ابنِ مردویہ نے بحوالہ نسیم الریاض' امام قسطلانی' نے مواہب میں' امام احمد بن صالح نے بحوالہ زرقانی و نسیم الریاض' علامہ احمد شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض میں' مُلّا علی قاری نے شرح شفاء میں' امام سخاوی نے مقاصدِ حسنہ میں' علامہ ابنِ عابدین نے روا لمختار میں' علامہ حلبی نے سیرتِ حلبیہ میں' علامہ تقی الدین حلبی نے نزہتہ الناظرین میں' علامہ شیخ عماد الدین یحیٰی بن ابی بکر عامری نے بجتہ المحافل میں' علامہ جلال الدین سیوطی نے کشف اللبس میں' علامہ جمال الدین اگر یمنی نے شرح المحافل میں' قاضی امام عراقی نے شرحِ تقریب میں' علامہ حقی نے تفسیر روح البیان میں' علامہ محمود آلوسی نے تفسیر روحُ المعانی میں' شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارجُ النبوت میں' شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالتہ الخفا میں' مُلّا جیون نے نورُ الانوار میں' علامہ نبہانی نے انوارِ محمدیہ' میں' علامہ عبدالرحمٰن صفوری نے نزہتہ المجالس میں' شیخ فرید الدین عطار نے منطق الطیر میں' خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری نے تحفۂ رسولیہ میں' اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی نے منیر العین میں اور مولانا نور بخش توکّلی نے سیرتِ رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں اس حدیثِ پاک کو صحیح ثابت کیا ہے (۲)

حواشی

☆۱- میاں عبدالرشید- نورِ بصیرت جلد اول- مطبوعہ لاہور- ۱۹۸۲ء- ص ۱۳۸

☆ ۲ - عزیز احمد خاں- اللہ کی عظمت اور قرآن کا نظریۂ علم و سائنس- ص ۱۷۳' ۱۷۴

☆ ۳ - آغا اشرف- معراج اور سائنس- ص ۲۳۸

☆ ۴ - العصر (ماہنامہ) لکھنؤ (مدیر پیارے لال شاکر میرٹھی) کا ۱۹۱۳ تا ۱۹۱۷ کا انتخاب بعنوان- رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت- دوسری جلد- خدا بخش لائبریری- پٹنہ- ۱۹۸۰- ص ۳۷۵' ۳۷۶ (مضمون "انتہائے سائنس از فیروز الدین مراد)

☆ ۵ - ابراہیم- ۱۴: ۳۳

☆ ۶ - محمد کمال الدین حسین ہمدانی- قرآن اور علم الافلاک- مطبوعہ مظفر نگر یوپی- ۱۹۸۷- ص ۱۲

☆ ۷ - یٰسٓ- ۳۶: ۳۸ - ۴۰

☆ ۸ - قرآن اور علم الافلاک- ص ۱۳

☆ ۹ - ضیاءُ القرآن- جلد چہارُم- ص ۱۷۹ (سورہ یٰس کا حاشیہ نمبر ۳۴)

☆ ۱۰ - قرآن اور علم الافلاک- ص ۱۳

☆ ۱۱ - معارج النبوت- جلد سوم (اردو ترجمہ) ص ۳۲۵ / شواہد النبوت (اردو ترجمہ) ص ۱۴۰

☆ ۱۲ - مفتی محمد امین' ابوسعید- ردِّ شمس کے متعلق بے نظیر فتوٰی- مطبوعہ فیصل آباد- ۱۳۹۴ھ

☆☆☆

عالمِ قمر

زمین سے قریب ترین جو کُرہ ہے' اس کو چاند کہتے ہیں۔ یہ زمین کے اطراف گردش کرتا ہے۔ یہ زمین سے کافی مشابہ ہے۔ اور زمین سے دو لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو ستاون میل یا تین لاکھ چھیاسی ہزار کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔

چاند کی سطح پر جو کالے کالے دھبے نظر آتے ہیں' وہ آتش فشانوں کے دہانے اور بڑے بڑے غار ہیں۔ ان کے علاوہ پہاڑ بھی واقع ہیں جن کی چوٹیاں کافی اونچی ہیں۔ ان میں سے ایک چوٹی کا اندازہ اٹھارہ ہزار فٹ کیا گیا ہے۔ آتش فشانی دہانے چاند کی سطح کی بناوٹ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سب سے بڑے دہانے کے قُطر کا اندازہ ایک سو پچاس میل ہے۔ ان کی گہرائیوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ آتش فشانی دہانوں میں سے ہلکے رنگ کی شعاعیں خارج ہوتی ہیں جو بعض اوقات سیکڑوں میل اونچی اڑتی ہیں۔

چاند سے جو روشنی ہم تک آتی ہے' یہ اس کی اپنی روشنی نہیں ہوتی بلکہ یہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ چاند پر جتنی روشنی پڑتی ہے' اس کا تقریباً سات فی صد حصہ زمین تک آتا ہے۔ چاند ہر روز تقریباً پچاس منٹ دیر سے نکلتا ہے جس کی وجہ سے اس کی شکلیں بدلتی ہیں۔

چاند کی کشش زمین کی کشش کا چھٹا حصہ ہوتی ہے۔ یعنی اگر کوئی چیز زمین پر چھ کلو وزن کرے تو وہ چاند میں صرف ایک کلو وزن کرے گی۔ اگر فٹ بال کو زمین پر اُچھالا جائے تو وہ پچیس فٹ اچھلے گا' وہی فٹ بال چاند میں ایک سو پچاس فٹ اونچا اچھلے گا۔ چاند کی سطح پر کوئی فضا نہیں ہے' نہ وہاں بادل اٹھتے ہیں اور نہ بارش ہوتی

ہے' نہ آندھیاں چلتی ہیں' نہ طوفان۔ چاند زمین سے کافی چھوٹا ہونے کے باوجود اپنی کشش سے زمین کو متاثر کرتا ہے۔ اس کا خاص اثر سمندروں پر پڑتا ہے جس سے مدوجزر پیدا ہوتا ہے۔

سائنس دانوں کا متفقہ خیال ہے کہ چاند ایک روز زمین کے قریب آجائے گا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور زمین کے اطراف ایک ہالہ بن جائے گا۔ اس وقت سمندروں میں زبردست طوفان آئیں گے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی واقعے کو قرآن میں اس طرح کہا گیا ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ یعنی قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا (۱)

چاند ہمیں بہت حسین نظر آتا ہے۔ نیلے آسمان میں خوبصورت اور چھوٹے چھوٹے تاروں کے جھُرمٹ میں چمکتا ہوا' عجیب و غریب سماں پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہماری اندھیری راتوں کو روشن کرتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جو لوگ محسوس کرنے والا دل رکھتے ہیں اور جو کائنات کی نیرنگیوں کو آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں' چاند ان کے دل کی دنیا روشن کرنے کے لیے بھی اپنے اندر بہت کچھ رکھتا ہے۔ چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک کھُلی نشانی ہے (۲) چاند کی ہیئت' اس کی گردشیں' اس کی بدلتی ہوئی شکلیں' اس کا دکھائی دینا' اس کا دکھائی نہ دینا' اس کا گرہن میں آجانا' سمندر پر اس کے اثرات' زمین پر اور زمین پر رہنے والوں اور زمین میں نشو و نما پانے والوں پر اس کے اثرات اس حقیقت پر دال ہیں کہ یہ سب اللہ کے قائم کردہ نظامِ رحمت کی جلوہ سامانیوں کے مظاہر ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق چاند کی دنیا کے بارے میں سائنس کی معلوم کردہ بنیادی معلومات یوں فراہم کرتے ہیں۔ چاند کا قطر ۲۱۶۰ میل اور زمین کا ۷۹۸۰ میل ہے۔ چاند زمین سے ساڑھے تیرہ گنا چھوٹا ہے۔ چاند تیز رفتاری سے زمین کے گرد گھومتا ہے۔ اس کا فرض از بس مشکل ہے کہ وہ ایک تیز گھومنے والی زمین کے اردگرد گھوم رہا ہے کہ نہ تو زمین سے اور نہ کسی اور ستارے سے ٹکراتا ہے۔

چاند کے اندر ہوا موجود نہیں ہے' اس لیے رہائش کے قابل نہیں اور نہ کہیں پانی ملتا ہے۔ یہ ایک خشک بیابان ہے۔ چونکہ چاند کا حجم زمین سے کم ہے اس لیے اس کی کشش بھی بہت کم ہے۔ اشیا کا وزن دراصل کشش زمین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پتھر اس لیے وزنی ہوتا ہے کہ زمین اسے کھینچتی ہے۔ جب ہم کوئی پتھر زمین سے اٹھاتے ہیں تو زمین اسے ہمارے ہاتھوں سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے اور وزن کا احساس ہوتا ہے۔ علماءِ نجوم نے ثابت کیا ہے کہ چاند میں کشش ثقل زمین سے چھ گنا کم ہے۔ اس لیے جو آدمی زمین پر غلہ کی ایک بوری اٹھا سکتا ہے' وہ چاند پر چھ بوریاں اٹھائے گا۔ وہاں کرکٹ کی گیند بلّے کی چوٹ سے چھ گنا دور جائے گی اور فٹ بال چھ گنا اونچا۔ چاند کی دنیا میں جیبی گھڑی کا احساس تک نہ ہو گا۔ لیکن اگر ہم اسی گھڑی کو ساتھ لے کر کسی ایسے ستارے پر چلے جائیں تو زمین سے ایک لاکھ گنا بڑا ہو تو ایک چھٹانک گھڑی ۱۵۰ من وزنی ہو جائے گی اور ہم اس کے بوجھ سے پس جائیں گے (۳)

احمد علی شوق قدوائی لکھتے ہیں۔ "سائنس کی رو سے ثابت کیا جاتا ہے کہ قمر زمین ہی کا ٹکڑا ہے۔ جب زمین زور سے گردش کرنے لگی تو وہ ٹکڑا اس سے ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ پھر بلند ہو کر اور پھیل کر گردش کرنے لگا۔ قرائن سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بحرالکاہل کے ایک مقام سے یہ ٹکڑا کٹا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ یونہی سہی مگر قمر نہ خود کٹ سکتا تھا' نہ جگہ سے ہٹ سکتا تھا۔ وہ کشش جس نے قمر کو کھینچ کر بلند کیا اور وہ قوت جو اس کو خلا میں قائم رکھے ہوئے ہے' گردش میں رکھتی ہے' ------
یہ سب عادی اسباب اور خدا کی حکمت اور قدرت کے تحت ہیں:

قمر ٹکڑا زمیں ہی کا سہی' خود کٹ نہ سکتا تھا
وہ بے حکم خدا اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکتا تھا
یہ سب اسباب عادی ہیں' انھی طبعی سمجھا کیا
خدا کو چھوڑ کر وہموں کے کانٹوں سے اُلجھا کیا (۳-الف)

زمین کی طرح چاند کی بھی دو گردشیں ہیں۔ ایک محوری گردش اور دوسری زمین کے گرد مدار میں گردش۔ چاند کی محوری گردش کی رفتار ساڑھے سولہ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ ان دونوں رفتاروں میں اس قدر توازن ہے کہ زمین سے چاند کا ایک ہی رُخ نظر آتا ہے (۴)

حضرت سید عبدالکریم جیلانی چاند کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "اور جاننا چاہیے کہ چاند کا جرم نیلگوں ہے۔ بذاتِ خود اس میں کوئی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ جب اس کا نصف حصہ آفتاب کے مقابل ہوتا ہے تو وہ اس سے نور حاصل کرتا ہے۔ پس ہمیشہ اس کا نصف روشن رہتا ہے اور جو نصف آفتاب کے مقابل نہیں ہوتا' وہ تاریک رہتا ہے۔ اسی لیے چاند کا نور ہمیشہ آفتاب کی جہت سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے' باقی سیارے کہ ان میں سے ہر کوکب بہ تمامہ نورِ شمس کے مقابل رہتا ہے' ان کی مثال شفاف بلّور کی سی مثال ہے کہ جب اس پر روشنی پڑتی ہے تو اس کے ظاہر اور باطن میں سرایت کر جاتی ہے۔ بخلاف اس کے چاند' کہ وہ مثل کرۂ معدنیہ صیقل کردہ کے ہے کہ بجز مقابلہ شمسی کے نور قبول نہیں کرتا۔ اسی لیے اس کا نور زمین میں کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ باقی کواکب کا یہ حال نہیں ہے"۔ (۵)

چاند کے گھٹنے بڑھنے سے مہینے کے ایام کی گنتی کو از بر کر لینے میں مدد ملتی ہے۔ ہیئت دانوں نے مشاہدات سے یہ معلوم کیا ہے کہ چلتے چلتے جب زمین سورج اور چاند کے درمیان آ جاتی ہے تو چاند کو گہن لگ جاتا ہے جس سے ساعت بھر کے لیے چاندنی شب میں اندھیر چھ جاتا ہے۔ (۶)

پروفیسر سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی (علی گڑھ) کا خیال ہے کہ دورِ جدید میں چاند پر چند پُراسرار چیزیں معلوم ہوئی ہیں جن کو کئی مقامات پر درزیں پائی جاتی ہیں۔ ان درزوں سے زیادہ وہ عجیب و غریب چمکتی ہوئی لکیریں ہیں جو چاند کے کوہ و صحرا کو مسلسل طے کرتے ہوئے میلوں تک چلی گئی ہیں۔ ساتویں شب کے بعد جیسے جیسے چاند بڑھتا جاتا ہے' نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں حتیٰ کہ چودھویں کو ان کا بہت

واضح مشاہدہ ہوتا ہے۔ چاند پر ان لکیروں اور درزوں کے مشاہدوں سے ہمارا ذہن معجزۂ شق القمر کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ لکیریں بہت ممکن ہے معجزۂ شق القمر کے آثار ہوں اور قادرِ مُطلق کی قدرت سے یہ قطعی ممکن ہے کہ چاند کے شق ہونے کے بعد پھر جب اس کو اتّصال عنایت فرمایا گیا تو ایسا جُڑا ہو کہ اس کا کوئی نشان نہ ہو یا آثار و علامات بھی باقی رکھے گئے ہوں اور یہ پُراَسرار شگاف اور لکیریں معجزۂ شق القمر کی نشاندہی کرتی ہوں۔ (۷)

شاعر اپنے انداز میں اس کو بیان کرتا ہے:

انگشت کے نشان نمایاں ہیں چاند پر
دیکھے ہیں آدمی نے جو منظر، ثبوت ہیں
"شقُ القمر" سے ٹکڑے ہوئی سطحِ ماہتاب
جو آ رہے ہیں چاند سے پتّھر، ثبوت ہیں (۸)

انجیل میں ہے کہ پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے۔ آسمان اور زمین' چاند اور سورج' ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے (۹)

علماءِ کرام لکھتے ہیں کہ امیرُالمؤمنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ' ابن مسعود' ابنِ عباس' ابنِ عمر' انس بن مالک' حذیفہ الیمانی' جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم معجزۂ شق القمر کی روایت کرتے ہیں (۱۰) مُسندِ احمد میں ہے کہ اہلِ مکہ نے نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزہ طلب کیا جس پر دو مرتبہ چاند شق ہو گیا (۱۱) لیکن روایاتِ صحیحہ سے ایک ہی مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے (۱۲)

علامہ قرطبی نے حضرت ابنِ عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایئے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا' اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے؟ وہ بولے' ضرور۔ اس رات کو چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے' اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا(۱۳) اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکۂ مکرمہ کے مقام منٰی میں تشریف رکھتے تھے(۱۴)

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعے کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کُرّہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور دونوں ٹکڑے آ کر جڑ جائیں' یہ ناممکن ہے۔ پیر محمد کرم شاہ کہتے ہیں۔ "جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کُرّے کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور وہ اس طرح سے پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت اتنی طاقتور ہو کہ وہ دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے"۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "ہمیں ان تکلّفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند کے پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا"۔ (۱۵)

سید سلیمان ندوی بھی کہتے ہیں کہ فلاسفۂ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرامِ فلکی میں خرق والتیام اور شکست و ریخت محال ہے' اس لیے شقِ قمر بھی ناممکن ہے۔ متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرامِ فلکی میں خرق والتیام اور شکست و ریخت ممکن ہے' مگر اب کہ جدید طبیعیات و ہیئت نے ہمارے معلومات کو آسمان و زمین میں بدل دیا ہے' یہ مباحث بے سود اور بیکار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جا رہے ہیں اور ہیئتِ جدید اور علمِ تکوین میں تو زمین' سورج اور ستاروں کے آغازِ آفرینش کی داستان ہی اس بات سے شروع ہوتی ہے (۱۶)

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قُربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شقِ قمر کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ یہ قیامت کے واقعے کا ذکر ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اس کے متعلق کہتے ہیں۔ "فلسفیانہ خیالات کے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ شقُ القمر جس کا یہاں مذکور ہے' قیامت میں واقع ہو گا ———— بے شک شقُ القمر ایک عجیب واقعہ ہے جو سمجھ میں نہیں

آتا اور اسی لیے معجزہ ہے لیکن قیامت اس سے زیادہ عجیب ہے۔ تو تعجب ہے کہ فلسفی مسلمان قیامت کو تسلیم کریں جو زیادہ عجیب ہے اور معجزے کے منکر ہوں"۔ (۱۷)

"فلسفی مسلمان" کی تہمت تو کسی حد تک مولانا عبدالماجد دریابادی پر لگ سکتی تھی لیکن وہ تو اس معجزے کے قائل ہیں۔ لکھتے ہیں۔ "معجزۂ شق القمر رسول اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مشہور معجزات میں سے ہے۔ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قیام مکہ میں تھا اور ہجرت کو ابھی ۵ سال کا زمانہ باقی تھا کہ ایک مرتبہ غالباً بتقریبِ حج جب منیٰ میں اجتماع تھا تو مشرکینِ مکہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے فرمائش کی۔ آپؐ نے باذنِ الٰہی چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور وہ لوگوں کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا نظر آیا"۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔ جصاص میں ہے کہ "حضراتِ صحابہ سے یہ نقل متواتر ہو کر پہنچی ہے اور اس کا انکار کسی صحابی نے بھی نہیں کیا"۔ احادیث میں یہ خبر ایک نہیں، دس دس صحابیوں سے روایت ہوئی ہے۔ (۱۸)

تعجب انگیز بات یہ ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا کوئی تعلق فلسفہ سے نہیں ہے اور وہ اشتقاقِ قمر کے واقعے کو معجزہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے ایک حادثہ مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چاند میں پیش آیا اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو اس کی طرف توجہ صرف اس غرض سے دلائی کہ یہ امکانِ قیامت اور قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ (۱۹)

جس حقیقت کو ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور سید سلیمان ندوی بھی دوسرے علما کی طرح تسلیم کرتے ہیں، مولانا مودودی اس میں بھی اپنے لیے الگ راہ نکال رہے ہیں۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں، لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رُجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا (۲۰) میرے نزدیک

ایسا ماننے والے تو مشرکینِ مکہ کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ یہ جادو کا اثر ہے (۲۱) ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ کفار نے یہ دیکھ کر کہا، یہ ابنِ ابی کبشہ (یعنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ہے۔ لیکن سمجھ داروں نے کہا، مان لو۔ ہم پر جادو کیا ہے لیکن ساری دنیا پر تو نہیں کر سکتا۔ اب جو لوگ سفر سے آئیں، ان سے دریافت کرنا کہ کیا انھوں نے بھی اس رات کو چاند دو ٹکڑوں میں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ لوگ آئے، ان سے پوچھا۔ انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ ہاں فلاں شب کو ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے (۲۲) علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "خطباتِ مدراس" میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالا بار کے راجا نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے (۲۳) مولانا مودودی بھی کہتے ہیں کہ مالا بار کی تاریخوں میں یہ ذکر آیا ہے کہ اس رات وہاں کے ایک راجا نے یہ منظر دیکھا (۲۴) "شرفُ النبی" (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہے۔ "اس معجزے کو ساری دنیا نے دیکھا"۔ (۲۵)

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اللہ کریم جلّ وعلا نے تمام کائناتوں، تمام عالموں کی تخلیق کی، جب ان تمام عوالم کے لیے انھیں رحمت بنا کر بھیجا، جب ان تمام عوالم میں اور ان میں موجود ہر چیز کی زندگی میں، ان کی ترتیب و تنظیم میں اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ رحمت ہی کام کر رہا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ یہ نظامِ رحمت جسے رحمۃ للعالمین کہتے ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے حکم سے اس سسٹم میں کوئی تبدیلی کر دے۔ جو خالق نظامِ شمسی کو چلا رہا ہے، وہ اسے ختم یا برباد کیوں نہیں کر سکتا۔ جو خالق و مالک عالمِ قمر تخلیق کرتا ہے، اسے اپنے نظامِ رحمت کے تصرّف و اختیار میں دیتا ہے، وہ خود یا اس کا قائم کردہ نظامِ رحمت اگر اس عالم میں کوئی وقتی یا مستقل تبدیلی کر دے تو اس میں تعجبُ کی کیا بات ہے۔

اور، عالمِ قمر میں میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصرُّف حضور

اکرم علیہ التحیۃ والثنا کی عمر مبارک کے ۴۸ برس ہی تو ظاہر نہیں ہوا' جب آپ پنگھوڑے میں تھے' اس وقت بھی چاند اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھلونا۔ وہ جس ہستی کی رحمۃ للعالمینی کے سبب قائم تھا اور ایک مدار میں گھوم رہا تھا' جب وہ ہستی اس دنیائے آب و گل میں تشریف فرما ہوئی تو چاند کو ان کی انگشتِ مبارک کے اشارے پر چلنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن میں اپنے پنگھوڑے میں لیٹے ہوتے تو چاند کی طرف راغب ہوا کرتے تھے اور اکثر اس سے باتیں کیا کرتے تھے (۲۶) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاند کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرماتے تو چاند حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس و معطر انگلی مبارک کے اشارے سے حرکت کرتا تھا (۲۷)

بیہقی' صابونی' خطیب اور ابن عساکر حضرت عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہما) سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسولُ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) مجھے اس بات نے ایمان لانے پر مجبور کیا کہ آپ بچپن میں چاند سے گفتگو فرمایا کرتے تھے اور آپ جدھر اشارہ فرماتے تھے' چاند اُدھر ہی ہو جاتا تھا۔ (۲۸)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اس واقعے کو یوں زبان بخشتے ہیں:

چاند جھک جاتا جدھر اُنگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشارے پر کھلونا نور کا (۲۹)

اور ---------- حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسخیرِ عالمِ قمر کی پیشگوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی کر چکے تھے۔ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تحقیق چاند اس کو اس کے بچپن میں سُلانے کے لیے لوریاں دے گا اور جب وہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بڑا ہو گا تو اس چاند کو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے پکڑے گا"۔ (۳۰)

حواشی

☆ ۱- القمر۔ ۵۴:۱

☆ ۲- عزیز احمد خاں۔ اللہ کی عظمت اور قرآن کا نظریۂ علم و سائنس۔ ص ۱۷۱' ۱۷۲

☆ ۳- غلام جیلانی برق' ڈاکٹر۔ دو قرآن۔ ص ۱۰۳' ۱۰۵' ۱۰۶

☆ ۳- الف- شوق قدوائی۔ سائنس اینڈ ریلیجن۔ ص ۳۳

☆ ۴- آغا اشرف۔ معراج اور سائنس۔ ۱۹۹۰۔ ص ۲۰۳

☆ ۵- عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی' سید۔ انسانِ کامل (مترجم فضل میراں) مطبوعہ کراچی۔ ستمبر ۱۹۸۰۔ ص ۳۲۲

☆ ۶- محمد سعید عارف۔ تحریکاتِ قلبِ قرآنِ کریم: سورہ یٰسٓ۔ مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۹۱۔ ص ۱۰

☆ ۷- کمال الدین حسین ہمدانی' پروفیسر حکیم سید۔ قرآن اور علم الافلاک۔ رنگ محل پبلی کیشنز' مظفر نگر۔ یوپی۔ نومبر ۱۹۸۷۔ ص ۳۰

☆ ۸- خالد عرفان۔ الہام۔ مطبوعہ کراچی۔ جنوری ۱۹۸۶۔ ص ۲۸

☆ ۹- انجیل۔ متی۔ ۲-۲

☆ ۱۰- معارج النبوت۔ جلد سوم (اردو ترجمہ) ص ۵۹۱ / تفسیر ضیاءُ القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۵۲

☆ ۱۱- تفسیر ابنِ کثیر۔ اردو ترجمہ از ابو محمد جونا گڑھی۔ جلد پنجم۔ ص ۱۵۵' ۱۵۶

☆ ۱۲- اشرف علی تھانوی' مولانا۔ بیان القرآن۔ جلد ۱۱ / مفتی محمد شفیع۔ معارفُ القرآن۔ جلد ہشتم۔ ص ۲۲۶

☆ ۱۳- محمد کرم شاہ' پیر۔ ضیاءُ القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۵۱

☆ ۱۴- مفتی محمد شفیع۔ معارفُ القرآن۔ جلد ہشتم۔ ص ۲۲۵

☆ ۱۵- ضیاء القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۵۲

☆ ۱۶- سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی

☆ ۱۷ - ڈپٹی نذیر احمد دہلوی۔ تفسیر غرائبُ القرآن۔ ص ۹۷۱ (تفسیر حاشیہ سورہ قمر)

☆ ۱۸ - القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر از مولانا عبدالماجد دریابادی۔ ص ۱۰۵۶

☆ ۱۹ - تفہیم القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۲۳۰ (سورہ القمر کی آیت نمبر ایک کی تفسیر)

☆ ۲۰ - سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی

☆ ۲۱ - القمر۔ ۵۴ : ۲

☆ ۲۲ - تفسیر ابنِ کثیر۔ جلد پنجم۔ ص ۱۵۶ (اردو ترجمہ) / مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ جلد ہشتم۔ ص ۲۲۵ / ضیاءُ القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۵۱

☆ ۲۳ - ضیاء القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۵۱

☆ ۲۴ - تفہیمُ القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۲۳۱

☆ ۲۵ - عبدالمالک بن عثمان نیشاپوری۔ شرفُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی)۔ ۱۹۸۳۔ ص ۱۲۵

☆ ۲۶ - مصباح الدین شکیل' شاہ۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ ص ۷۷

☆ ۲۷ - عبدالحق محدث دہلوی۔ مدارجُ النبوت۔ جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۲۱ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۶۷

☆ ۲۸ - امام جلال الدین سیوطی۔ الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۱۰۵ / انوارِ محمدیہ (علامہ قسطلانی کی معرکۃ الآرا کتاب "المواہبُ اللدنیہ" کی تلخیص "الانوارُ المحمدیہ" از علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی کا اردو ترجمہ جو پروفیسر غلام ربانی عزیز نے کیا) ص ۳۶ / عبدالرحمٰن جامی۔ شواہدُ النبوت (اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم) ص ۶۸ / احمد بن زینی دحلان مکی' قاضی۔ سیرتِ دحلانیہ (اردو ترجمہ از صائم چشتی)۔ ص ۱۵۸

☆ ۲۹ - احمد رضا خاں بریلوی' اعلیٰ حضرت شاہ۔ حدائقِ بخشش۔ حصہ دوم

☆ ۳۰ - انجیل برنباس۔ فصل ۴۷۔ ص ۱۰

عالمِ نُجُوم و کواکب

قرآنِ پاک میں اجرامِ فلکی کے لیے لفظ "نجُوم" آیا ہے جس کے معنی ہیں' نظر آنے والے' خواہ وہ روشنی پیدا کرنے والے ہوں یا روشنی منعکس کرنے والے۔ دوسری طرف سیاروں کے لیے لفظ "کواکب" استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے معنی مشہور آیۂ نور سے واضح ہو جاتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال یوں ہے جیسے ایک طاقچے میں چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشے (کی قندیل) میں ہے۔ شیشے کی وہ قندیل ایسے ہے جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا کوکب ...." یہاں موضوع ایسی چیز ہے (شیشہ) جو روشنی کو منعکس کرتی ہے اور اسے موتی کی سی چمک دیتی ہے مثلاً کواکب جو سورج سے روشنی پاتے ہیں۔ (۱)

نظام کوپرنیکی جو آج کل رائج ہے' اس میں تعدادِ سیارات کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔ ابتدا میں تو یہ لوگ چھ سیاروں کے قائل تھے۔ پھر چند حکما کو مریخ اور مشتری کے درمیان ایک سیارے کے ہونے کا احتمال ہوا۔ پھر سرس دریافت ہوا۔ پھر سیارہ ارانوس تحقیق میں سامنے آیا۔ پھر تین اور سیارے معلوم ہوئے۔ اس طرح محققین گیارہ سیاروں کے قائل ہو گئے۔ تحقیقات جاری رہی جس کے نتیجے میں قریباً اٹھائیس سیارے دریافت ہوئے۔ پھر اہلِ ہیئت کی رائے پلٹی کہ وہ سیارے جو مریخ و مشتری کے درمیان معلوم ہوئے ہیں' مستقل سیارے نہیں ہیں بلکہ یہ سب کسی بڑے سیارے کے اجزا ہیں۔ پھر ایک کو اُرانوس کے پیچھے اور ایک کو عطارد سے پہلے مانا گیا تو سیارے نو قرار پائے مگر مشہور آٹھ ہیں' کیونکہ ملکان کی رصد بہت دشوار ہے۔

سورۂ یُوسُف میں ہے: اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

وَاَتَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ (۲) یہ گیارہ ستارے وہ ہیں جنہیں حضرت یُوسُف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا اور جن کی تاویل عالم بیداری میں ان کے گیارہ بھائیوں سے کی گئی کیونکہ دراصل جناب یُوسُف نے خلافِ واقعہ بیان نہیں کیا تھا۔ اگر سچ بھائیوں کو خواب میں دیکھا ہوتا تو اس خواب کی تاویل کی کیا ضرورت تھی۔ بے شک انہوں نے ستارے ہی خواب میں دیکھے تھے۔ ان گیارہ سے مراد سیّارات لیے جائیں تو خصوصیت کی وجہ اور عدد کی مناسبت پیدا ہو سکتی ہے لہٰذا بہ قرینۂ عقلیہ اِن ستاروں سے سیارات ہی مراد لینا چاہیے جن کو حضرت یُوسُف علیہ السلام نے اپنے سامنے جھکتے ہوئے دیکھا تھا۔ پروفیسر محمد کمال الدین حسین ہمدانی کہتے ہیں' میں نے تفسیر نیشاپوری اور تفسیرِ کشاف زمخشری دیکھی ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان ستاروں کی نسبت دریافت کیا جنہیں خواب میں حضرت یُوسُف علیہ السلام نے دیکھا تھا تو آپ نے ان کے نام جریان' طارق' ذیان' قابس' عمودان' فلیق مصبح' خروج' فرغ و ثاب اور ذوا لکتفین ہیں۔

جریان کے معنی چلنے والے کے ہیں' اس سے مراد "ارض" (زمین) ہے جس پر لفظِ "جاریہ" کا اطلاق کیا گیا ہے۔ طارق سے مراد "زہرہ" ہے کیونکہ طارق صبح کے ستارے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ۔ اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ (۳) اور قسم ہے آسمان اور طارق کی اور طارق کیا ہے' تُو کیا جانے۔ وہ تو چمکنے والا ستارہ ہے۔ ذیان سے مراد "عطارد" ہے۔ لُغت میں اس لاغر آدمی کو کہتے ہیں جس میں تر و تازگی باقی نہ ہو۔ عطارد بھی ایسا ہی ہے یعنی خشک ہے کیونکہ آفتاب سے قریب ہے۔

قابس دہکتے ہوئے انگارے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد فلان "زُحل" ہے۔ یہ ایک بڑی آگ سے حرارت حاصل کر رہا ہے کیونکہ آفتاب سے بہت قریب ہے۔ فلان اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہو۔ عمودان سے مریخ مراد ہو سکتا ہے

کیونکہ ہمیشہ اس کے گرد دو چاند پھرتے رہتے ہیں جن کی شعاعیں مثل عمود کے اس پر پڑتی ہیں۔ فلیق سے مراد وہ بڑا ستارہ ہو گا جس کی بابت خیال ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہت سے چھوٹے چھوٹے ستاروں میں تقسیم ہو گیا۔ جن کو مشتری کے ستارے کہتے ہیں۔ کیونکہ فلیق کے معنی منفلق ہونے یعنی پھٹ جانے والے کے ہیں۔

نو سیارے تو نظامِ شمسی کے معلوم ہیں۔ دسواں سیارہ وہ تھا جو پھٹ کر بہت سے چھوٹے چھوٹے ستارے بن گیا۔ اگرچہ وہ اس وقت سیّارات میں مندرج نہیں لیکن سیارات کے شمار میں تھا تو ضرور۔ رہا گیارھواں سیارہ جسے حدیث نے بیان کیا ہے' یہ وہ جدید سیارہ ہے جو ابھی تک معلوم نہیں کیا جا سکا۔ یقیناً آیندہ یہ بھی معلوم ہو گا کیونکہ مصری مجلّہ "الضیاء" میں جو شیخ ابراہیم بازیجی کی ادارت میں نکلتا ہے' لکھا ہے کہ یہ جدید سیارہ آفتاب کی سمت کو دکھائی دیا اور حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سیارے کا سال بہ نسبت مریخ کے سال کے' ۴۳ دن کم ہے (۴)

فلکیات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے جتنے ذرّے ہیں' شاید اسی قدر آسمان میں ستاروں کی تعداد ہے۔ ان میں کچھ ستارے ایسے بھی ہیں جو زمین سے کسی قدر بڑے ہیں۔ مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر لاکھوں زمینیں رکھی جا سکتی ہیں۔ اور بعض ستارے تو اس قدر بڑے ہیں کہ اربوں زمینیں ان کے اندر سما سکتی ہیں۔ یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کی مانند ایک انتہائی ممکن حد تک تیز اڑنے والا ہوائی جہاز جس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہو' وہ کائنات کے گرد گھومے تو اس ہوائی جہاز کو کائنات کا پورا چکر لگانے میں تقریباً ایک ارب سال لگیں گے۔ یہ آئن سٹائن کا نظریہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان ابھی تک کائنات کی وسعت کو سمجھ نہیں سکا ہے۔

آسمان گرد و غبار سے پاک ہو تو پانچ ہزار ستارے خالی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں' لیکن معمولی دُوربینوں کی مدد سے یہ تعداد بیس لاکھ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور وقت کی سب سے بڑی دوربین جو ماؤنٹ پیلومر پر لگی ہوئی ہے' اس سے اربوں

ستارے نظر آتے ہیں۔ مگر یہ تعداد اصل تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ کائنات ایک بے انتہا وسیع خلا ہے جس میں لاتعداد ستارے غیر معمولی رفتار سے حرکت کر رہے ہیں' کچھ ستارے تنہا سفر کر رہے ہیں' کوئی دو یا زیادہ ستاروں کے مجموعوں کی شکل میں ہیں اور بے شمار ستارے ایسے ہیں جو مجامع النجوم کی صورت میں متحرک ہیں (۵)

۱۹۲۶ میں امریکی ماہرین فلکیات نے دعویٰ کیا کہ ہماری کائنات میں کم از کم ۱۵ سو کھرب ستارے ایسے ہیں جن میں زندگی موجود ہے (۶)

آپ اندازہ فرما رہے ہیں کہ اب تک کی معلوم کائنات میں سے محض عالم نجوم و کواکب میں بے شمار دنیائیں ہیں۔ ستاروں کی بہت سی دنیائیں ایسی بھی ہیں جن میں زندگی موجود ہے۔ یہ سب دنیائیں خالق و مالک حقیقی جلّ شانہٗ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ یہ ستاروں کا عالم' یہ ہر ستارے کا عالم' یہ ہر ستارے میں موجود چیزوں میں سے ہر چیز کا عالم' وہاں اگر جاندار ہیں تو ان میں سے ہر طرح کے جانداروں کا الگ الگ عالم' ان سب کا پروردگار اللہ عزّوجلّ ہے اور ان سب کے لیے اس نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

مریخ کا حجم زمین سے چھ گنا بڑا ہے' اس کا ایک سال ہمارے ۶۸۷ دنوں کا ہوتا ہے۔ مشتری زمین سے تیرہ سو گنا بڑا ہے' اس کا ایک سال ہمارے بارہ برسوں کے برابر ہوتا ہے۔ زُحل زمین سے ۷۴۸ گنا ہے۔ یورانس کو ہرشل نے ۱۷۸۱ء میں دریافت کیا تھا۔ یہ زمین سے ۴۹ گنا بڑا ہے۔ ایک چکر چوبیس سال میں ختم کرتا ہے۔ نپٹون کا حجم زمین سے پچپن حصہ زیادہ ہے۔

آج سے ارب کھرب سال پہلے دنیائے کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے جو اب تک کواکب کی شکل میں' ہوا میں محوِ پرواز ہیں۔ مختلف آفتابوں نے کھینچ کر' ان کی حرکات کو دوری بنا دیا۔ ثوابت دراصل مہیب آفتاب ہیں جو ہم سے بہت دور ہیں۔ (۶۔ الف) اگر یہ نزدیک ہوتے تو ہم مختلف شموس کی حرارت سے جل جاتے۔ اور یہ

بڑے بڑے آفتاب ہماری زمین اور نظامِ شمسی کو کھینچ کر درہم برہم کر دیتے۔ لیکن اللہ کا نظامِ رحمت انھیں دُور رکھے ہوئے ہے۔ شہاب بہت چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں جو صرف مرتے وقت نظر آتے ہیں۔ شہاب بے نور ستارہ ہے۔ اس میں سورج سے روشنی حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ جب یہ چلتے چلتے کہیں زمین کے قریب آ جاتا ہے تو زمین اسے کھینچتی ہے۔ نتیجۃً یہ کرہ ہوا میں نہایت تیزی کے ساتھ گزرتا ہے اور خاکی ذرات سے رگڑ کھا کر پہلے گرم اور پھر مشتعل ہو جاتا ہے۔ اسے آگ لگ جاتی ہے اور گیسی صورت میں تبدیل ہو کر ہوا میں بکھر جاتا ہے۔

دُمدار ستارے کافی تعداد میں آسمان پر موجود ہیں۔ بسا اوقات یہ سورج سے دُور ہٹ جاتے ہیں اور پھر قریب گھومنے لگ جاتے ہیں۔ یہ ستارے کسی شفاف مادے سے بنے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ نظر ان سے گزر کر ان ستاروں کو بھی دیکھ لیتی ہے جو ان کی آڑ میں ہوں۔ ان کی دُم دراصل ان ستاروں کی مادہ تکوینی کے بخارات ہیں جو تپشِ آفتاب سے نکلتے ہیں۔ جونہی یہ سورج سے دور ہٹ جاتے ہیں' دُم غائب ہو جاتی ہے۔ (۷)

یہ لاتعداد دُم دار ستارے آگ کے کُرّے ہوتے ہیں اور ان کے قطر سیکڑوں سے لے کر ہزاروں کلومیٹر تک ہوتے ہیں اور ان کی دُم ہزاروں سے لے کر لاکھوں کلومیٹر لمبی ہوتی ہے۔ دُمدار تارے جب سورج کے قریب آتے ہیں تو بے انتہا خوفناک ہو جاتے ہیں۔ ان کی رفتار میں تیزی اور بے انتہا چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر زمین ان کی زد میں آ جائے تو نباتات اور حیوانات جل کر راکھ ہو جائیں۔ ہوا اور پانی کے زبردست طوفانوں سے اور زلزلوں سے بستیاں نیست و نابود ہو جائیں۔ (۸)

ہماری زمین کو تو ایک چاند میسر ہے مگر سیاروں کے ساتھ کئی کئی چاند ہیں۔ مثلاً مریخ کے دو' زحل کے نو' مشتری کے دس اور یورنس کے چار چاند ہیں (۹)

نظامِ کواکب کا اصلی حسن بیرونی مشاہدے ہی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وقت بھی کہ ہم اسے ایک غلط مقام سے دیکھ رہے ہیں' طاقتور دُوربینیں اس کے حسن

اور ترکیبی و تکوینی وحدت کو آشکار کر رہی ہیں۔ (۹۔ الف)

ابنِ ماجہ کا قول ہے کہ "چھوٹے چھوٹے سیاروں میں' جو بڑے بڑے سیاروں کے گرد گردش کرتے ہیں' بعض ایسے بھی ہیں جو حرکت میں کسی کے تابع نہیں"۔ اس قول کا مطلب اب سیکڑوں برس کے بعد یورپین تحقیقات سے یہ ظاہر ہوا کہ زحل کے گرد ۹ سیارے گردش کرتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جتنے چھوٹے سیارے کسی بڑے سیارے کے گرد گردش کرتے ہیں' ان سب کی گردش اسی سمت کو ہوتی ہے جس سمت کو خود بڑا سیارہ گھومتا ہے لیکن زُحل کے سیاراتِ تبعہ میں ایک ایسا سیارہ دریافت ہوا ہے جس کی حرکت فی نفسہٖ مستقل اور حرکتِ زُحل کے برعکس ہے (۹۔ب)

یہ ساری کائنات ستاروں کے بے شمار جھرمٹوں کی صورت میں ہے۔ ہر جھرمٹ کو کہکشاں کہتے ہیں۔ علماءِ فلکیات کے اندازے کے مطابق پانچ سو ملین (ایک ملین برابر دس لاکھ) کہکشانوں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں۔ قریبی کہکشاں جس کے ایک حصے کو ہم رات کے وقت سفید دھاری کی شکل میں دیکھتے ہیں' اس کا رقبہ ایک لاکھ نوری سال ہے اور ہم زمین کے رہنے والے' کہکشاں کے مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ پھر یہ کہکشاں ایک اور بڑی کہکشاں کا جزو ہے جس میں اسی طرح کی سترہ کہکشائیں حرکت کر رہی ہیں۔

ان تمام گردشوں کے ساتھ ایک اور حرکت جاری ہے اور وہ یہ کہ ساری کائنات غبارے کی طرح چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ ہمارا سورج ہیبت ناک تیزی کے ساتھ چکر کھاتا' گھومتا ہوا بارہ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنی کہکشاں کے بیرونی حاشیے کی طرف مسلسل بھاگ رہا ہے۔ اور' اپنے ساتھ نظامِ شمسی کے تمام توابع کو بھی لیے جا رہا ہے۔ اسی طرح تمام ستارے اپنی گردش کو قائم رکھتے ہوئے کسی نہ کسی طرف کو بھاگ رہے ہیں۔ کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے' کسی

کی ۳۳ میل فی سیکنڈ' کسی کی ۸۴ میل فی سیکنڈ۔

یہ ساری حرکت حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی کے ساتھ ہو رہی ہے' نہ ان میں باہم ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا ہے (۱۰) تنظیم' باقاعدگی اور ترتیب کے ساتھ تمام ستاروں کا اپنی اپنی راہ چلنا' اور کسی کا کسی کے ساتھ نہ ٹکرانا خالق کریم جلّ شانہٗ العظیم کی قدرتِ کاملہ کا کارنامہ ہے۔ اور خالق و مالکِ حقیقی نے اپنے محبوب علیہ التحیۃ والتسلیم کو ان سب عوالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ہماری کہکشاں میں ہمارے سورج کے مماثل اور اس سے چھوٹے بڑے تارے ہیں۔ ہر تارے کے درمیان کھربوں میل کا فاصلہ ہے اور بہت بڑے تارے اس سے زاید فاصلہ رکھتے ہیں اور ہر تارے کا اپنا الگ نظام ہے۔ ممکن ہے ان میں سے بعض سیاروں پر زندگی بھی پائی جاتی ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انسانی شکل کے مماثل ہے یا کسی اور طرح کی۔

یہ نہ سمجھیے کہ کائنات کی حدیں کہکشانی وسعت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ کائنات صرف نظامِ شمسی ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ اس عظیم ترین وسعت کو کہتے ہیں جس میں ایسی کھربوں کہکشائیں موجود ہیں۔ کائنات میں اس عظیم کہکشاں کی حیثیت بھی ایسی ہی ہے جیسے زمین پر پائے جانے والے سمندروں کے مماثل کئی سمندروں کے پانی کا صرف ایک قطرہ۔ (۱۱)

کہکشاں (گلیکسی) میں چھوٹے' بڑے' عظیم اور عظیم ترین تارے پائے جاتے ہیں۔ ہر گلیکسی کا اپنا علیحدہ نظام ستارگان ہوتا ہے۔ ہر گلیکسی میں تاروں کے علاوہ بے انتہا دُخانی مادہ پایا جاتا ہے جس کو سائنس دانوں نے دھول' گیس یا بادل کہا ہے۔ یہی وہ مادہ ہے جس سے سائنس دانوں کی متفقہ رائے میں' کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔ موجودہ سائنس اور سائنس دانوں کی پیدائش سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرما دیا کہ کائنات کی تخلیق دُخان یعنی دھوئیں سے ہوئی (۱۲)

آسمان پر برہنہ آنکھ سے' کہکشاں کے علاوہ تین گلیکسیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اگر بڑی دُوربین سے دیکھا جائے تو آسمان پر نظر آنے والے تاروں سے بھی زیادہ گلیکسیاں نظر آئیں گی۔ اللہ نے ان تمام گلیکسیوں کو دھوئیں یا ستاروں کا ڈھیر نہیں بنایا بلکہ ان کو قوتِ رفتار بھی عطا کی ہے۔ یہ اپنے مرکز کے اطراف گھومتی رہتی ہیں اور ساتھ ہی اپنے مقام سے دُور چلی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی و کبریائی دیکھیے کہ کس حکمت سے ان تمام گلیکسیوں کو پابند نظم و ضبط کر دیا کہ وہ اپنی مقررہ راہ سے ہٹتی ہیں' نہ ایک دوسری سے ٹکراتی ہیں۔ پھر ان کی رفتار کا اندازہ کیجیے جو سوائے حیرت کے' ہمیں کچھ نہیں دیتیں (۱۳) اور سوچیے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کس نظامِ رحمت کے زیرِ اہتمام ہو رہا ہے۔

ان گلیکسیوں کے علاوہ آسمان میں تاروں کا مجموعہ بھی دیکھا گیا ہے جن کو کلسٹرز کہتے ہیں۔ ان میں تاروں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوتی ہے۔ ورگو اور کوما' دو کلسٹر ہم سے قریب ہیں۔ ورگو کا فاصلہ ۵ کروڑ نوری سال اور کوما کا تیس کروڑ نوری سال ہے۔ جو دُور ہیں' ان کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔

اللہ کریم نے جو بے شمار دنیائیں پیدا کی ہیں' ان میں اگر صرف ستاروں کی دنیا (۱۳۔ الف) کے بارے میں سوچیں تو انسانی ذہن پریشان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ نجوم و کواکب کے اندر کیا کیا اور کتنی دنیائیں پیدا کر رکھی ہیں اور ان میں سے ہر ستارے میں کیا کیا ہے' اس کے متعلق ابھی ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہر ستارہ' ستاروں کا ہر مجموعہ اور ستاروں پر مشتمل ہر کہکشاں کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کیسے کی' اس کے لیے اسے کوئی تردّد نہیں کرنا پڑا۔ بس اس نے کہا' ایسے ہو جا' ویسے ہو گیا۔ سورۃ البقرہ میں ہے۔ "اللہ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو بس اس کام کی نسبت اتنا کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے"۔ (۱۴) سورہ یٰسٓ میں ہے "جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ وہ ہو جاتا ہے" (۱۵)

عالم نجوم و کواکب تو ایک عالم ہے۔ اس کے اندر پدموں عالم اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھے ہیں۔ ان پدموں عوالم میں سے ہر ایک عالم کے اندر پتا نہیں' اس نے کتنی کتنی دنیائیں تخلیق فرما رکھی ہیں۔ عالم نجوم و کواکب کے علاوہ' وہی جانے کہ اس نے کتنے اور عالم پیدا کیے ہوئے ہیں ------ اور یہ سب کچھ اس کے امرِ کُن کا مرہونِ منت ہے۔ فرماتا ہے۔ "ہم نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور ہم نہیں تھکے"۔ (۱۶)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سب کچھ پیدا فرمایا ہے تو ایک سسٹم کے تحت اسے چلا بھی رہا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ "اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے مشتملات کی باگیں تھامے ہوئے ہے کہ کہیں وہ اپنے مداروں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں' اگر ایسا اتفاق ہو تو اس کے بعد کوئی نہیں جو اس کو تھام سکے"۔ (۱۷)

اللہ تعالیٰ ان سب عالمین کا خالق ہے' ان کا پروردگار ہے' انھیں ایک معین نظام کے تحت چلا رہا ہے ------ تو اس نے یہ بھی واضح کر رکھا ہے کہ یہ سب عالمین اس نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے بنائے' اور انہی کو ان سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

پھر ہمارے لیے کچھ تعجب نہیں ہو گا' اگر ہمیں دوسرے عوالم کی طرح عالم نجوم و کواکب میں بھی آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصرف نظر آئے۔

بیہقی میں ہے۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں' میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ شریفہ کی رات کو آپ کی والدہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر تھی۔ اس رات آپ کے گھر میں سوائے روشنی کے' کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے ستاروں کی طرف دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ کہیں یہ مجھ پر گر ہی نہ پڑیں۔ (۱۸)

وہ ستارے جن کو اور جن میں موجود ہر عالم کو رحمت کا سایہ حضور رحمۃ

للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے دم قدم سے نصیب ہوتا تھا' سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دنیائے آب وگل میں تشریف آوری پر خوشی کی وجہ سے زیادہ روشن کیوں نہ ہو جاتے۔ عیدِ میلادُالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں منانا ان کا حق بھی تھا اور فرض بھی' سو انھوں نے ادا کیا۔

حواشی

☆۱ - میاں عبدالرشید۔ نورِ بصیرت۔ جلد اول۔ ص ۱۳۸

☆۲ - یُوسُف۔ ۱۲ : ۴

☆۳ - طارق۔ ۸۶ : ۲' ۳

☆۴ - قرآن اور علمُ الافلاک۔ ص ۲۲ - ۲۵

☆۵ - وحیدالدین خاں' مولانا۔ مذہب اور جدید چیلنج۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۵۷

☆۶ - عنایت کریم' میاں۔ پکار۔ مطبوعہ لاہور۔ س ن۔ ص ۲۰۶

☆۶ - الف - "ثوابت اور سیاروں کی حالتیں جدا جدا ہیں۔ ثوابت سے مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل حرکت نہ کرتے ہوں۔ چونکہ وہ بے حد فاصلے پر ہیں' اس سبب سے ان کی رفتار بہت دیر کو اور مشکل سے محسوس ہوتی ہے:

ثوابت اور سیار۔ ان میں کیا کیا فرق ہے' دیکھو
حرارت' رنگ' رفتار۔ ان میں کیا کیا فرق ہے' دیکھو

(شوق قدوائی' احمد علی۔ مثنوی "سائنس اینڈ ریلیجن یعنی علم طبیعیات اور مذہب"۔ ص ۱۵)

☆۷ - غلام جیلانی برقؔ' ڈاکٹر۔ دو قرآن۔ ص ۱۰۸' ۱۱۱' ۱۱۳' ۱۱۵

☆۸ - آغا اشرف۔ معراج اور سائنس۔ ص ۲۲۷

☆۹ - محمد ابراہیم' ابوخالد۔ حیرت کدۂ کائنات۔ دارالسلام نارووال۔ ص ۴۰

☆۹ - الف - غلام جیلانی برقؔ' ڈاکٹر (مرتب) عظیم کائنات کا عظیم خدا۔ ص ۱۲۲

(مضمون "ستاروں کی دنیا" از رابرٹ گرانٹ ایٹیکن)

☆۹ - ب - رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت۔ دوسری جلد۔ العصر لکھنؤ۔ مطبوعہ پٹنہ۔ ۱۹۸۰ء۔ ص ۷۱ (مضمون "سائنس کا ایک سبق" از عبداللہ عمادی)

☆۱۰ - مذہب اور جدید چیلنج۔ ص ۵۹

☆۱۱ - عزیز احمد خاں۔ اللہ کی عظمت اور قرآن کا نظریۂ علم و سائنس۔ ص ۱۹۳' ۱۹۵ / معراج اور سائنس۔ ص ۲۴۳

☆۱۲ - ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ (حٰمٓ السجدہ۔ ۴۱ : ۱۱)

☆۱۳ - اللہ کی عظمت اور قرآن کا نظریۂ علم و سائنس۔ ص ۱۹۹' ۲۰۰

☆۱۳ - الف -

ہُوا ہے جس سے ہے پیشِ نظر چشمِ فلک پیدا
فلک سے ہیں جُدا انجمؔ' یہ ہے جن کی چمک پیدا
خلا میں ہیں' کشش چاروں طرف ہے' گر نہیں سکتے
مدار ان کا ہے قائم' اس سے ہٹ کر پھر نہیں سکتے
کوئی بے نور ہے ان میں' کوئی پُر نور ہے ان میں
قریبِ شمس ہے کوئی' تو کوئی دُور ہے ان میں
کوئی سُست اور کوئی ایسا کہ بے حد تیز' رَو اس کی
کوئی ایسا کہ موقوف اور سیّارے پہ ضَو اس کی
ہے کوئی ان میں نیلا' کوئی سُرخ اور زرد ہے کوئی
ہے کوئی گرم ان میں فطرتاً اور سرد ہے کوئی

(شوق قدوائی۔ مثنوی "سائنس اینڈ ریلیجن"۔ ص ۳۵)

☆۱۴ - البقرہ۔ ۲ : ۱۱۷

☆۱۵ - یٰسٓ۔ ۳۶ : ۸۲

☆١٦- قٓ- ٣٨:٣٨

☆١٧- فاطر- ٣٥:٤١

☆١٨- سیرتِ دحلانیہ (اردو ترجمہ) ص ١٣٢، ١٣٣ / احمد سعید دہلوی- معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم- ص ١٥٨ / مودودی، ابوالاعلیٰ- سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم- جلد دوم- ص ٩٥



عالمِ ملائکہ

ملائکہ اللہ کے ایمان دار مکرم بندے ہیں (١) جو اس کی نافرمانی کبھی نہیں کرتے اور جو اس کا حکم ہوتا ہے، وہی کرتے ہیں- ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہیں- اُن کے جسم نورانی ہیں- وہ نہ کچھ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، ہروقت اللہ کی عبادت میں رہتے ہیں- اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ قدرت دی ہے کہ وہ جو شکل چاہیں، اختیار کریں (٢)

قرآنِ مجید میں ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (٣) اور انھوں نے ان فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس کی بیٹیاں بنا ڈالا- يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (٤) فرشتے دن رات خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور ہرگز نہیں تھکتے- لَا يَسْبِقُونَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ (٥) فرشتے خدا سے بات کرنے میں پیش قدمی نہیں کرتے اور وہ اس کے ہر قسم کی تعمیل کرتے رہتے ہیں- وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (٦) اور آپ فرشتوں کو عرش کے اردگرد خدا کی تسبیح کرتے دیکھیں گے-

فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا خمیر نور سے اٹھایا گیا ہے- ان کا اپنا جہان ہے جس کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں- ان کی تعداد باقی تمام مخلوقات سے زیادہ ہے (٧) تعداد میں بے شمار ہیں- اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی تعداد کوئی نہیں جانتا- ارشادِ ربانی ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (٨) اور تیرے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام مخلوقات کے

دس حصے تصوّر کیے جائیں تو نو حصے صرف فرشتے ہی ہیں (۹)

فرشتوں کی کوئی خاص صورت نہیں کیونکہ حقیقت میں ان کی ارواح مجر
ہیں۔ صورت اور بدن ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے۔ جس کی شکل میں
چاہیں' متشکل ہو سکتے ہیں۔ ہاں قرآن شریف سے ان کے بازو ثابت ہیں (۱۰) قرآ
پاک نے فرشتوں کے بازوؤں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے لہٰذا اس بات پر ایمان ل
ضروری ہے اور اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ پروں کی صحیح تعداد کا علم اللہ کو ہے۔ اس
سے یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ بازوؤں سے مراد قوائے ملکی ہیں جس طرح دوسر
احکامِ متشابہاتِ قرآنی ہیں۔ عدد مذکورہ سے حصر مراد نہیں کہ چار چار بازوؤں سے
زیادہ فرشتوں کو نہیں ملے۔ (۱۱)

تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ شبِ معراج ختمُ المرسلین (صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرشتوں کی قطاریں جاتی ہوئی دیکھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم) نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ جبریلؑ نے عرض کی' میں
جب سے پیدا ہوا ہوں' اس قطار کو ایسے ہی دیکھ رہا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ و
وسلم) نے ان میں سے ایک فرشتے سے اس کی عُمر پوچھی تو اس نے عرض کی' مجھ
کچھ خبر نہیں۔ اتنی بات ہے کہ ربِ قدیر ہر چار لاکھ سال کے بعد ایک تارا پ
فرماتا ہے اور میں نے چار لاکھ تارے دیکھے ہیں (۱۲)

آسمان اور زمین بلکہ تمام اجزاءِ عالم پر فرشتے مقرر ہیں۔ بحکمِ خداوندی ا
کے مُدبّر اور نگہبان ہیں۔ ان میں بعض حاملانِ عرش ہیں اور بعض عرش کے گرد صف
بستہ کھڑے ہیں اور بعض عرش کے طواف میں مشغول ہیں۔ بعض جنت کے خاز
ہیں' بعض دوزخ کے خازن ہیں۔ بعض ملائکۂ رحمت ہیں اور بعض ملائکۂ عذاب
زحمت ہیں۔ بعض قبضِ ارواح پر مقرر ہیں اور بعض آدمیوں پر مقرر ہیں۔ بعض
فرشتے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں' بعض آدمیوں کو شیطان اور موذی چیزوں سے بچا
کے لیے مقرر ہیں۔ بعض قبر میں مردے سے سوال کرنے پر مقرر ہیں۔ غرض' دنیا ا

آخرت کے مختلف کاموں پر فرشتے مقرر اور مؤکّل ہیں اور مختلف کام ان کو تقسیم کر
دیئے گئے ہیں (۱۳)

پروفیسر (اب ڈاکٹر) محمد طاہر القادری لکھتے ہیں۔ "فرشتوں کو بحیثیتِ مخلوق
باقاعدہ وجود اور تشخّص حاصل ہے۔ وہ مستقل ہستیاں ہیں' مجرد قوتیں یا نظامِ عالم کے
اسباب نہیں ہیں جیسا کہ بعض تجدّد پسند لوگوں کا خیال ہے جنھوں نے بلاجواز انھیں
سائنسی تحقیق کا موضوع بنا لیا ہے۔ انہوں نے آیاتِ قرآنی کی فاسد تاویلات اور
احادیث کے انکار کی بنا پر فرشتوں کے تصوّر کو اس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی ہے
کہ وہ کسی نہ کسی سائنسی اصول اور معیار کے تابع ہو جائے۔ ایسے لوگ اس
حقیقت کو یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں کہ فرشتے جس نوعِ تخلیق سے تعلق رکھتے ہیں' وہ
سائنس کے دائرۂ تحقیق سے ہی خارج ہے۔ سائنس صرف عالمِ حسیات و مادیات کے
حقائق سے بحث کرتی ہے' اسے مابعد الطبیعی اور روحانی حقیقتوں سے کوئی واسطہ ہی
نہیں۔ اس لیے سائنس کا یہ کام نہیں کہ اپنے موضوعِ تحقیق سے ہٹ کر کسی غیر
متعلقہ حقیقت سے بحث کرے' اس کی ماہیت اور وجود کے بارے میں رائے زنی
کرے۔ جو شے اس کی حد جستجو سے ماورا ہو' اس کا انکار کر دے۔ سائنس کے نام پر
ایسی نام نہاد تحقیق خود غیر سائنسی ہے"۔ (۱۴) مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے فرشتے
کی حقیقت میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے صرف یہ لکھا ہے۔ "اہلِ اسلام کے
نزدیک فرشتہ جسمِ نورانی ہے جو نور سے پیدا ہوا اور افعالِ قویّہ پہ قدرت رکھتا ہے
اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہو سکتا ہے۔ حکما کے نزدیک فرشتہ جوہر مجرد عن
المادہ کا نام ہے"۔ (۱۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی چار مقرب ترین فرشتوں کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ "یہ
چاروں دنیا کے بڑے بڑے انتظامات پر مامور ہیں۔ ملک اور ملکوت کے اہم امور انھی
کے سپرد ہیں۔ ان میں جبرائیل علیہ السلام کے ذمے علومِ ربانی کا القا اور وحیِ الٰہی کا
(کی) انبیا کی طرف ترسیل ہے۔ میکائیل علیہ السلام کے ذمے تمام مخلوقات کو رزق کی

بہم رسانی ہے۔ رزق کی تقسیم و مقدار انہی کے سپرد ہے۔ اسرافیل علیہ السلام کے ذمّہ صُور کا پھونکنا ہے۔ یہ صُور پہلی بار عالم کی ہلاکت کے لیے پھونکا جائے گا۔ دوسری بار اس کے پھونکنے سے مُردے قبروں سے اٹھیں گے اور میدانِ حشر میں حاضر ہوں گے۔ عزرائیل علیہ السلام تمام عالم کی ارواح قبض کرنے کے مختار و مجاز ہیں۔ اکثر علماءِ کرام کی رائے ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں مگر بعض علما ان چاروں کو ہم رُتبہ قرار دیتے ہیں"۔ (۱۶)

فرشتوں کے مقامات اور ان کی اطاعت گزاری کے حوالے سے شیخ محقق کہتے ہیں۔ "ہر ایک فرشتے کے لیے خداوند تعالیٰ کے نزدیک ایک مخصوص رتبہ و مقام ہے۔ وہ اس سے تجاوُز و ترقی نہیں کرتے جو کمال ان کے مناسبِ حال پر انہیں عطا کر دیا گیا ہے۔ ان میں تحصیلِ کمال کے ذوق و شوق کا کوئی دخل نہیں۔ جو چیز ان کے حق میں "قوّتاً" دی گئی ہے' وہ بالفعل نہیں ہے کیونکہ شوق تو اس پر ہوتا ہے جو حاصل نہ ہو۔ مگر ملائکہ کے ہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں جسے وہ حاصل کرنے کے لیے جدّوجُہد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ عشق کی دولت سے محروم ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرشتوں کے ہاں خداوند تعالیٰ کی محبت اور معرفت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تحصیلِ معرفت اور تلاشِ محبت کی کشمکش کے ذوق سے محروم ہیں۔ فرشتے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہو"۔ (۱۷)

عام انسان انہیں ان کی اصل صورت میں نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ انسانی آنکھ صرف کثیف اور مادی اجسام کو ہی دیکھ سکتی ہے' غیرمادی اور لطیف اشیا کو نہیں۔ مگر وہ عرفاءِ کاملین جنہوں نے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے ذریعے اپنی باطنی آنکھ روشن کرلی ہوتی ہے اور ان کی چشمِ بصیرت سے مادّی حجابات اٹھ چکے ہوتے ہیں' وہ نہ صرف ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ انہیں ان سے ملاقات اور اکتسابِ فیض کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔ (۱۸)

انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن ظاہر ہے کہ صرف وہ انسان جو اپنے مقصد تخلیق سے پوری طرح واقف ہے' اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات پر پوری طرح عامل ہے' تقوٰی کے ساتھ ساتھ علم و فضل اور دانش و حکمت کی نعمتوں سے بھی بہرہ ور ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مخلوقِ خدا کے ساتھ حُسنِ سلوک پر دل و جان سے عمل پیرا ہے۔ اگر انسان انسانیت کے درجے سے گرا ہوا ہے تو وہ فرشتوں سے کیا افضل و اشرف ہو گا' وہ تو حیوانات کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ "معارج النبوت فی مدارج الفتوت" میں ہے کہ جب فرشتوں میں سب سے افضل' حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اپنے وجود میں مشاہدہ کر کے دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی۔ ان دو رکعتوں میں تیس ہزار سال کی مدت صَرف ہوئی۔ نماز کے بعد انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ الٰہ العالمین! کیا کسی بندے کو ایسی عبادت میسّر ہو گی جیسی میں نے کی ہے۔ خطابِ باری ہوا کہ نبیؐ آخری الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اپنی خالقیت سے ایسے گروہ کی تخلیق کروں گا جو دو رکعت نماز بہت ہی کم وقت میں' بہت سی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ساتھ ادا کریں گے اور ان دو رکعت کا ثواب تمہاری دو رکعت پر فوقیت حاصل کر لے گا کیونکہ فراغت اور عافیت تمہارا شعار اور طرۂ امتیاز ہے اور کوئی ایسا امرمانع نہیں ہے جو تمہیں ہماری عبادت سے باز رکھے لیکن انسانوں کی کیفیت تم جیسی نہیں ہے۔ وہ میری عبادت اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود کرتے ہیں اور شیطان سے سخت جنگ کر کے مجھے ایک سجدہ کرتے ہیں۔ (۱۹)

اگر بعض اہلِ ایمان کی ایسی نماز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نماز سے فوقیت حاصل کر لے گی' جو بہت سی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ساتھ ادا ہو گی۔۔۔۔۔۔ تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہلُ اللہ اور عرفا کی نماز کا مقام کیا ہو گا۔ اور' حضور سیدِ ہرانس و جاں' رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت و تکریم کا کیا معیار ہو گا جن کے ادنیٰ نام لیواؤں کی نماز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی

نماز سے افضل تسلیم ہوتی ہے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے فضل سے عالم ملائکہ کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور تمام ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے مستفید ہوتے ہیں۔ جو رحمت کے باعث تخلیق ہوتا ہے' رحمت سے مستفید ہوتا ہے' وہ اپنی جبلت کے اعتبار سے شکرگزار ہوتا ہے۔ اور' فرشتوں کو تو اللہ کریم جل وعلا نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت پر بھی مامور کر رکھا ہے۔ اور' انہیں خدمت کا یہ اعزاز حضور نبیُ الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کے اس دنیائے آب وگل میں تشریف آوری کے ساتھ ہی شروع تھا' اعلانِ نبوت کے بعد نہیں ملا۔ ابنِ شیخ نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھُولا فرشتوں کی جنبش سے ہلا کرتا تھا۔ (۲۰)

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھولا کبھی ہمارے ہلانے کا محتاج نہ ہوا (۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جھولے میں ہوتے تھے تو حلیمہؓ یا گھر کے کسی دوسرے فرد کو جھُولا جھلانے کی ضرورت نہ پڑتی تھی بلکہ آپ کا جھولا خود بخود جھلتا رہتا تھا (۲۲) فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پنگھوڑے کو ہلاتے تھے (۲۳)

جب حضور فخرِ موجودات سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے شریکِ تجارت بن کر' ان کے غلام میسرہ کے ساتھ سفر کو گئے تو میسرہ نے دیکھا کہ سورج کی تپش کے دوران دو فرشتوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنا سایہ کیا ہوا تھا۔ جب قافلہ مکۂ معظمہ پہنچا تو شدید دوپہر تھی اور حضرت خدیجہؓ نے دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اونٹ پر سوار ہیں اور سر پر دو فرشتوں نے سایہ کر رکھا ہے (۲۴)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار

ابو جہل نے لات و عُزّیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو زمین پر ناک رگڑتے (نماز میں سجدہ کرتے) دیکھا تو اپنے پیروں سے اس کی گردن روند ڈالوں گا۔ ایک دن حضور نبیٔ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نماز میں مشغول تھے کہ ابوجہل نے دیکھ لیا اور اپنا ارادہ پورا کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ پھر اچانک اُلٹے پاؤں پھرا جیسے ہاتھوں سے کسی چیز کو روک رہا ہو۔ لوگوں نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا' میں نے اپنے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان دہکتی آگ کی ایک خندق دیکھی اور بڑا خوفناک منظر تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "ابوجہل میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے کر کے لے جاتے"۔ (۲۵)

صحیح مسلم میں ابنِ عباسؓ سے' بیہقی میں ابو بردہؓ بن نیاز' سے سائبؓ ابی حبیش سے' حضرت علی المرتضیٰؓ سے اور حضرت سہیلؓ بن عمرو سے' امام احمد نے ابنِ سعد سے' ابنِ جریر نے حضرت ابنِ عباس سے' ابنِ اسحاق نے ابو واقد لیثی سے حدیثیں روایت کی ہیں جن میں ہے کہ جنگِ بدر میں ملائکہ نے مسلمانوں کی مدد کی۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں بدر کے کنوئیں سے پانی لا رہا تھا کہ ہوا کا ایک ایسا شدید جھونکا آیا کہ ایسا جھونکا میں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ یکے بعد دیگرے چار جھونکے آئے۔ یہ دراصل چار جلیل القدر ملائکہ کی آمد تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ میں میدانِ کارزار میں ایک کافر کے پیچھے دوڑا۔ ابھی وہ میری تلوار کی زد سے باہر ہی تھا کہ اس کے سر پر ایک تازیانے کی آواز آئی۔ وہ کافر میرے سامنے منہ کے بل گرا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ ملائکۂ آسمان کی امداد تھی۔ ابوبردہؓ تین سر قلم کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لائے اور عرض کیا' یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) دو آدمیوں کو میں نے قتل کیا ہے مگر تیسرے کو ایک خوبصورت سفید شکل آدمی

نے قتل کیا اور میں نے سر کو اٹھا لیا ہے۔ آقا حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا' یہ بھی ملائکہؑ آسمان کی مدد و نصرت تھی۔ بہت سے صحابہؓ نے بتایا کہ ہم کسی کافر کو قتل کرنے کے لیے تلوار سونتتے تھے کہ اس کا سر ہمارے وار سے پہلے ہی تن سے جدا ہو جاتا تھا۔ (۲۷)

ابن حبش نے قسم کھائی کہ مجھے بدر کے دن کسی انسان نے اسیر نہیں کیا۔ پوچھا گیا' پھر تجھے کس نے گرفتار کیا۔ کہا' جب قریش نے راہِ فرار اختیار کی تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ناگاہ ایک شخص میرے پاس پہنچا' اور اس نے مجھے باندھ لیا۔ وہ شخص لمبے چوڑے قد والا گورا چٹا ایک ابلق گھوڑے پر فضا میں سوار تھا۔ "اس اثنا میں عبدالرحمن ابن عوفؓ میرے پاس پہنچے اور مجھے بندھا ہوا پایا۔ اور مجھے رسولُ اللہ صلعم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس لے گئے۔ آنسرُور صلعم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا کہ اسے معزز فرشتے نے گرفتار کیا ہے۔ پھر فرمایا' اے ابنِ عوف! اپنے قیدی کو لے جا"۔ (۲۸)

جنگِ بدر میں ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ارشادِ قرآنی ہے۔ "تمہارے رب نے پانچ ہزار مسلح فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کی"۔ (۲۹) اور اللہ کریم جل شانہٗ العظیم یہ مدد کیوں نہ فرماتا کہ اس کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے (۳۰)

صحیحین میں ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں' میں نے جنگِ اُحد کے دن نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے دو شخصوں کو دیکھا جو کافروں سے لڑ رہے تھے۔ ان شخصوں کو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام دو فرشتے تھے جو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدد کے لیے بہت سی لڑائیوں میں بھیجے (۳۱)

جنگِ خندق میں بھی اللہ عزّ و جلّ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے صحابہؓ کی مدد کے لیے روحانی فوج نازل فرمائی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز تھی

چنانچہ ارشاد ربانی ہے "تو ہم نے تمہاری مدد کے لیے کافروں پر ہوا اور اس فوج کو بھیجا' جس کو تم نے نہیں دیکھا"۔ (۳۲)

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِس دنیا سے تشریف لے جانے سے تین دن پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ اس دنیا میں اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہیں۔ آنسرُور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا' خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں خود کو کرب' حُزن اور الم میں پاتا ہوں۔ تیسرے روز جب جبرئیل علیہ السلام عیادت سے فارغ ہوئے تو انہوں نے عرض کی کہ ملک الموت دروازے پر موجود ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے حالانکہ آپ سے پہلے کسی سے یہ اجازت حاصل نہیں کرتا تھا اور آپ کے بعد بھی کسی سے اجازت طلب نہیں کرے گا۔ ملک الموت اجازت لے کر اندر آئے تو سلام کے بعد عرض کی کہ حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ کے حکم سے سرتابی نہ کروں۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو آپ کی روحِ مطہر کو قبض کروں اور عالمِ علوی میں لے جاؤں ورنہ واپس چلا جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ روحُ الامین علیہ السلام نے کہا کہ حق تعالیٰ آپ کے دیدار کا مشتاق ہے۔ حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکُ الموت کو اشارہ فرمایا کہ جس کام کا اسے حکم دیا گیا ہے' اس پر عمل کرے۔ (۳۳)

حضرت عمر فاروق' حضرت ابوہریرہ' حضرت عمران بن حصین' حضرت عمار بن یاسر' حضرت حمزہ' حضرت عبداللہ ابن عباس' حضرت اسامہ بن زید' حضرت ابوسعید خُدری' حضرت ام سلمہ' حضرت تمیم بن سلمہ' حضرت حارث بن نعمان' حضرت محمد بن عثمان' حضرت محمد بن مسلمہ' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت حذیفہ بن یمان' حضرت قتادہ' حضرت براء' حضرت اسید بن حضیر' حضرت عوف بن مالک اشجعی' حضرت ابی ابن کعب' حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت معاذ بن جبل' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

اور حضرت عرباض بن ساریہ (رضی اللہ عنہم) سے بہت سی حدیثیں روایت ہیں جن میں انہوں نے اور دوسرے صحابۂ کرام نے فرشتوں کو شکلِ انسانی میں دیکھا اور ان کی باتیں سُنیں (۳۴)

یہ فرشتے جن میں جلیل القدر ملائکہ بھی شامل ہیں، حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ ان میں افضل الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تو عام طور پر حاضر ہوتے تھے۔ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری بھی ملائکہ مقربین کے لیے اعزاز ہے اور ملائکہ کی یہ خصوصیت بھی بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ، ان کے درود بھیجنے کا ذکر بھی کیا ہے۔ "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جیسا سلام بھیجنے کا حق ہے"۔ (۳۵)

شہناز کوثر لکھتی ہیں۔ "اس آیۂ کریمہ میں یہ حقیقت پہلے واضح کر دی گئی ہے کہ خالق و مالکِ حقیقی جلّ شانہٗ، اور اس کے جلیل القدر اور مقرب فرشتے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ حقیقت کے اس اظہار و اعلان کے بعد اہلِ ایمان کو ہدایت دی گئی، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا پر درود بھیجیں، اور درود کے ساتھ ساتھ خوب خوب سلام بھی بھیجیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس احساسِ تفاخر سے بھی مملو رہیں کہ اس کام میں تعمیلِ حکم اور تکمیلِ فرض کے ساتھ وہ اللہ کریم اور اس کے فرشتوں کی سنت پر بھی عمل کر رہے ہیں۔ درودِ پاک پڑھنے کی سعادت سے بہرہ ور ہونا اللہ اور ملائکہ کی سُنت پر عامل ہونا بھی ہے"۔ (۳۶)

فرشتے ایسی مخلوق ہیں جس پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس مخلوق کی ایک فضیلت یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر درودِ پاک بھیجتے رہتے ہیں اور تا قیامت ایسا کرتے رہیں گے۔ درود شریف پڑھنے والے انسان اللہ

تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ان فرشتوں کی سنت پر بھی عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر فرشتوں کی طرف سے محبت و شفقت کا یہ عالم ہے کہ "ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کے چاروں مقرب فرشتے حاضر ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ پر کوئی دس بار درودِ پاک پڑھے گا تو میں اسے پُل صراط سے بجلی کی تیزی سے گزار دوں گا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ایسے شخص کو میں آبِ کوثر پر پہنچا کر سیراب کروں گا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کہنے لگے۔ میں بارگاہِ ربُّ العزت میں اس وقت تک پڑا رہوں گا جب تک وہ بخشا نہیں جاتا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کی، میں اس کی روح اتنی آسانی سے قبض کروں گا جس طرح انبیا علیہم السلام کی روح قبض کی جاتی ہے"۔ (۳۷)

"سیرتِ دحلانیہ" میں ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی تو فرشتوں نے کہا، اے ہمارے معبود! تیرا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یتیم ہو گیا، اس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا، میں اس کا ولی، نگہبان، حامی، پالنے والا، مددگار اور رازق ہوں اور اس کے لیے کافی ہوں۔ تم اس پر درود پڑھو اور اس کے نام کے ساتھ برکت حاصل کرو (۳۸)

ایسے میں جن مفسرین نے سورۂ نجم کی تفسیر میں یہ قرار دیا ہے کہ "شَدِیْدُ الْقُوٰی" حضرت جبرئیل ہیں، وہی سب سے اونچے کنارے پر تھے، "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" کے مصداق بھی وہی تھے۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے نہیں، حضرت جبرئیل کے قریب ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور حضرت جبرائیل کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا، پھر یہ

فاصلہ بھی کم ہو گیا۔ ابن کثیر، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ یہی معنیٰ کرتے ہیں۔ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ کہتے ہیں۔ "اَوْحٰى کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عبدہٗ کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی"۔ (۳۹) البتہ "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى" کی تفسیر میں انہوں نے لکھا ہے کہ "یہاں تک ہم نے ایک مکتبِ فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ دوسرے مکتبِ فکر کے علماءِ اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے ...."
آخر میں انہوں نے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کیا ہے (۴۱)

مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر "خزائنُ العرفان علیٰ کنزُ الایمان" میں ہے کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ "شَدِيْدُ الْقُوٰى" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ فَاسْتَوٰى کے بارے میں امام فخر الدین رازی رَحمۃُ اللہُ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکانِ عالی اور منزلاتِ رفیعہ میں اُستوٰی فرمانا ہے (تفسیرِ کبیر) نیز تفسیر "روحُ البیان" میں ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُفقِ اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر اُستوٰی فرمایا اور حضرت جبرئیل سدرۃُ المنتہیٰ پر رُک گئے، آگے نہ بڑھ سکے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھوں تو تجلیاتِ جلال مجھے جلا ڈالیں اور حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور مستوائے عرش سے بھی گزر گئے۔ مولانا نعیم الدین کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب ہونے کے بجائے صحیح تر معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قُرب کی نعمت سے نوازا۔ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى کے مفہوم میں لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ یہ وحی بے واسطہ

تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور یہ خدا اور رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان کے اسرار ہیں جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے مخفی رکھا اور نہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیا وحی فرمائی اور محب و محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جو کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا (روح البیان) (۴۱)

علامہ سیّد محمودؔ آلوسی بغدادی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ "میں کہتا ہوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربِ کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قُربِ الٰہی نصیب ہوا لیکن اس طرح جیسے اس کی شانِ کبریائی کے لائق ہے"۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃُ اللہ علیہ سے جب اس سلسلے میں سوال کیا جاتا تو جواب میں فرماتے۔ "ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا، اللہ کو دیکھا ......" یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اَشِعَّۃُ اللَّمعَات" کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ (۴۲)

سوال صرف اتنا ہے کہ اگر حضور حبیبِ خداوندِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ کے محبوب ہیں، یہ ساری کائناتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پیدا کیں، ان کی خاطر اس نے ان کا ذکر بلند فرما دیا، انہیں تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ تو جو عوالم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کے مرہونِ منت ہیں، کیا عالمِ ملائکہ اُن میں نہیں ہے۔ کیا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ صاحبانِ اتقا انسان فرشتوں سے افضل ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاشُبہ تمام انسانوں سے، تمام مخلوقِ خداوندی سے افضل ہیں۔ کیا فرشتوں کے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھُولا جھلانے کی بات غلط ہے، کیا فرشتے طائف کے واقعے میں حضورِ اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہونے کے بعد طائف والوں کو غرق کرنے کی اجازت نہیں چاہتے تھے؟ کیا انہوں نے بدر، اُحد اور خندق کی جنگوں میں صحابۂ کرام کی مدد نہیں کی۔ کیا حضرت جبرائیل اجازت کے بغیر آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں داخل ہوتے تھے؟ یا ہو سکتے تھے۔ کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے سے معذرت کی روایت درست نہیں۔ ان سب معاملات کے ہوتے ہوئے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج اس بات کو قرار دینا کہ انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے شرفِ دیدار سے نوازا، اور ان سے دو کمانوں جتنے اور پھر اس سے زیادہ قریب ہو گئے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ نہیں جھپکی تھی ------- کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد درست ہے اور بے شک درست ہے کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے ------ تو لازماً" سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ملائکہ کے لیے بھی رحمت ہیں۔ اور جو عالم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے سبب قائم اور منظم ہے، جس عالم کے رہنے والے میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہروں (مکہ مکرمہ اور مدینۂ منورہ) کی حفاظت کے لیے متعین ہیں (۴۳) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتے ہیں (۴۴) اور ان میں سے سب سے افضل ہستی جبرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی دربانی کرتی تھی (۴۵) --------- اس عالم کے تمام رہنے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کے مرہونِ منت ہو سکتے ہیں اور ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن میں سے کسی کے دیدار کے متمنی کیوں ہوں۔

حواشی

☆ ۱- بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (بلکہ وہ فرشتے خدا کے معزز بندے ہیں) الانبیاء۔ ۲۱:

۲۶

☆ ۲- محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدرُ الافاضل مولانا۔ کتابُ العقائد۔ مطبوعہ سیالکوٹ۔ ص ۱۹

☆ ۳- الزخرف۔ ۴۳: ۱۹

☆ ۴- الانبیاء۔ ۲۱: ۲۰

☆ ۵- الانبیاء۔ ۲۱: ۲۷

☆ ۶- الزمر۔ ۳۹: ۷۵

☆ ۷- جی اے حق محمد۔ اسلامی عقائد۔ مطبوعہ واہ کینٹ۔ ۱۹۸۱۔ ص ۱۰۳

☆ ۸- المدثر۔ ۷۴: ۳۱

☆ ۹- عبدالحق محدث دہلوی، شیخ۔ تکمیلُ الایمان۔ اردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی۔ ۱۹۸۰۔ ص ۲۸

☆ ۱۰- محمد رکن الدین، مولانا۔ توضیحُ العقائد۔ رکنِ دین حصہ دوم۔ مطبوعہ سیالکوٹ۔ اشاعتِ ہشتم۔ ۱۹۷۶۔ ص ۵۲

☆ ۱۱- تکمیل الایمان (اردو ترجمہ) ص ۲۹

☆ ۱۲- جی اے حق محمد۔ اسلامی عقائد۔ ص ۱۰۳

☆ ۱۳- محمد ادریس کاندھلوی، مولانا۔ عقائدُ الاسلام (بیرونی سرورق پر ناشر کا نام مکتبہ رشیدیہ ساہیوال ہے اور اندرونی سرورق پر مکتبہ عثمانیہ، جامعہ اشرفیہ لاہور درج ہے) ص ۵۴

☆ ۱۴- محمد طاہر القادری، پروفیسر۔ اجزائے ایمان حصہ دوم (ترتیب و تدوین : راجا رشید محمود) اشاعتِ اول فروری ۱۹۸۴۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵

☆ ۱۵- عقائد الاسلام۔ ص ۵۴

☆ ۱۶- تکمیل الایمان۔ ص ۳۴ ......

☆ ۱۷- ایضاً"۔ ص ۳۲

☆ ۱۸ - اجزائے ایمان۔ حصہ دوم۔ ص ۱۵۲

☆ ۱۹ - معارج النبوت۔ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۳۸۰

☆ ۲۰ - عبدالحق محدث دہلوی، شیخ۔ مدارجُ النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۱ / مصباح الدین شکیل، شاہ۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ ص ۷۷ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا۔ ص ۶۷

☆ ۲۱ - محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۳۶

☆ ۲۲ - محمد اشرف، عبدالمصطفیٰ۔ سیرتِ سیدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ حصہ اول۔ ص ۳۲۵

☆ ۲۳ - انوارِ محمدیہ۔ ص ۳۶ / نقی علی خاں، مولانا۔ انوارِ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۰۸ / شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچپن۔ اختر کتاب گھر، لاہور۔ ۱۹۹۳۔ ص ۲۱۵، ۲۷۱

☆ ۲۴ - سیرتِ دحلانیہ (اردو ترجمہ) ص ۳۰۲، ۳۰۳

☆ ۲۵ - احمد سعید دہلوی، مولوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۹۸

☆ ۲۶ - ایضاً۔ ص ۹۲ - ۹۳

☆ ۲۷ - عبدالرحمٰن جامی، نور الدین۔ شواہدُ النبوت (اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم) ص ۳۶

☆ ۲۸ - معارجُ النبوت (مترجمین حکیم محمد اصغر فاروقی و اقبال احمد فاروقی) مکتبۂ نبویہ، لاہور۔ جلد سوم۔ اشاعت دوم ۱۹۸۸۔ ص ۹۷

☆ ۲۹ - آلِ عمران۔ ۳: ۱۲۵

☆ ۳۰ - محمود احمد رضوی، سید۔ جامعُ الصفات۔ ص ۱۱

☆ ۳۱ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۹۱

☆ ۳۲ - الاحزاب۔ ۳۳: ۹

☆ ۳۳ - معارجُ النبوت۔ جلد سوم۔ ص ۳۹۶، ۳۹۷

☆ ۳۴ - جلال الدین سیوطی، علامہ۔ الخصائص الکبریٰ۔ جلد دُوم (اردو ترجمہ از راجا رشید محمود و سید حامد لطیف) ص ۱۵۰ - ۱۵۶ / احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۹۴، ۹۲ - ۹۸ / معارجُ النبوت۔ جلد سوم۔ ص ۴۷۳

☆ ۳۵ - الاحزاب۔ ۳۳: ۵۶

☆ ۳۶ - شہناز کوثر۔ قوسِ قزح (صدارتی ایوارڈ یافتہ) اختر کتاب گھر، لاہور۔ ۱۹۹۰۔ ص ۲۹، ۳۰ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ دسمبر ۱۹۸۹۔ درُود و سلام حصہ سوم۔ ص ۲۷، ۲۸

☆ ۳۷ - نبی بخش حلوائی، مولانا۔ شفاء القلوب۔ ص ۲۳۹ (میری والدہ معظّمہ درودِ پاک کی کثرت کرتی تھیں۔ ۱۹۔ اگست ۱۹۹۰ کو فوت ہوئیں تو ہچکی تک نہیں لی۔ صبح صادق کے وقت تین چار بار خون کی قے کی، آنکھوں میں تحیّر کے آثار پیدا ہوئے، انہوں نے ٹانگیں سیدھی کر لیں، ----- اور بس! میں نے اپنی زندگی میں اتنی آسانی سے کسی کی رُوح قبض ہوتے نہیں دیکھی۔ محمود)

☆ ۳۸ - سیرتِ دحلانیہ (اردو ترجمہ) ص ۱۳۶

☆ ۳۹ - تفسیر ضیاءُ القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۱۳

☆ ۴۰ - ایضاً۔ ص ۱۵، ۱۹

☆ ۴۱ - کنزُ الایمان فی ترجمہ القرآن مع تفسیر خزائنُ العرفان۔ چاند کمپنی، لاہور۔ ص ۷۸۵، ۷۸۶

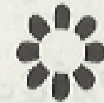
☆ ۴۲ - تفسیر ضیاءُ القرآن۔ جلد پنجم۔ ص ۲۳

☆ ۴۳ - جواہر۔ جلد اول۔ ص ۲۲۹ ("ان شہروں کے ہر کونے پر فرشتے متعین ہیں جو دجال اور طاعون کو ان میں داخل نہ ہونے دیں گے") بحوالہ جامعُ الصفات از سید محمُود احمد رضوی۔ ص ۱۱

☆ ۴۴ - جامعُ الصفات۔ ص ۱۱۲ (ابو نعیم کعب احبار سے راوی ہیں کہ ہر صبح کو ستر ہزار ملائکہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں اور روضۂ مبارک پر اپنے پروں کو ملتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے

ہیں اور اُنہی کی مثل شام کو دوسرے فرشتے آ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔ جواہر۔ جلد اول۔ ص ۵۴۱ / شفاءُ السقام۔ ص ۱۵۵)

☆ ۴۵ - ایضاً"۔ ص ۱۳ (روایت ہے کہ جب ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر سے شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی تو اس نے شانہ ہائے اقدس پر ایک بہت بڑے چیتے کو دیکھا جس سے ڈر کر بھاگا اور پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "یہ جبریل تھے جو ہمارے گھر کی دربانی کر رہے تھے۔ اگر ابوجہل ہم سے قریب ہوتا تو وہ اسے پکڑ لیتے"۔ جواہر۔ جلد اول۔ ص ۷۷)



عالمِ جنّات

جِنّ ایک قسم کی مخلوق ہے۔ ان کا بدن خلاصہ ہے اجزائے ناری و ہوائی کا۔ قرآن میں اس کو مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۱)۔ وَمِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۲) سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ ان کا بدن روحِ ہوائی کا حکم رکھتا ہے جو آدمی کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ آدمی کی روحِ ہوائی خلاصہ ہے عناصرِ اربعہ کا، اور ان کا بدن خلاصہ ہے اجزائے ناری و ہوائی کا۔ اسی سبب سے بعض آدمیوں کے بدن کے اندر تصرّف کر کے گھس جاتے ہیں اور نکل آتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے (۳)

مُلّا معین واعظ کاشفی سورۂ الحجر کی محولہ بالا آیت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جنّوں کو نارِ سموم سے پیدا کیا گیا ہے۔ نارِ سموم وہ دہکتی ہوئی آگ تھی جس کو خالقِ کائنات نے بنایا تھا جس میں نور و ظلمت کا امتزاج تھا۔ نور سے ملائکہ کی تخلیق فرمائی گئی اور ظلمت سے دیو اور اُجنّہ وجود میں آئے۔ اس آگ کے جوہر سے جان جو کہ تمام جنّوں کا مورثِ اعلیٰ تھا، وجود میں آیا تھا۔ چونکہ ملائکہ کی تخلیق نور سے ہوئی تھی، اس لیے وہ طاعت و عبادت میں مشغول ہو گئے اور گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ و معصوم رہے۔ شیاطین چونکہ دھوئیں اور آگ سے بنے تھے، اس لیے وہ نافرمانی اور سرکشی میں مبتلا ہوئے اور ایمان و طاعت سے بے بہرہ رہے۔ چونکہ جنّوں کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی جو نور و ظلمت کا امتزاج رکھتی ہے اس لیے بعض جن دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے اور بعض کفر و طغیان پر رہے (۴)

قرآنِ مجید میں ہے۔ "اور ان مشرکوں نے جنّوں کو خدا کا شریک بنایا ہے"۔

(۵) اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں۔" (۶)
"بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے"۔ (۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ جنوں کو پوجتے تھے یا کچھ لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنا رکھا تھا اور انہیں قدرت کے کاموں میں دخیل سمجھتے تھے۔ یا انہیں خدا کا رشتہ دار مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم حضور رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی معرفت ان غلط اور باطل اعتقادات کی تغلیط کی اور بتایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۸) جنّ اور انس کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ عبادت کریں۔ قیامت کے دن انسانوں اور جنوں سے پوچھا جائے گا کہ "اے جنّ اور انس کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہی میں سے پیغمبر تمہارے پاس نہیں آئے اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے"۔ (۹)

سورۂ الرحمان میں بتایا گیا کہ آسمان اور زمین خدا کی قدرت میں ہیں اور ان حدود سے نہ انسان بھاگ سکتے ہیں، نہ جنّ۔ فرمایا۔ "اے جنّ و انس! اگر آسمان و زمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرتِ قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے"۔ (۱۰)

اللہ کریم جلّ شانہٗ، و عمّ نوالہٗ نے واضح فرما دیا کہ انسانوں کی طرح جنّ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور ان کا مقصدِ تخلیق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول رہیں۔ انسانوں کی طرح جنوں کو بھی پیغامِ حق پہنچانے کے لیے رسول آئے اور ان تک حق پہنچایا۔ نیز یہ کہ انسانوں کی طرح جن بھی اللہ کی قائم کردہ حدود میں ہیں اور اس کی قدرت سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ مخلوقاتِ الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے۔ اہلِ لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ "جنّ" سے مشتق ہے جس کے معنی "چھپنے

اور چھپانے" کے ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً" مستور رہتی ہے، اس لیے اس کو جنّ کہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ (۱۱)

جنوں میں مذکر اور مونث ہوتے ہیں۔ ان میں سلسلۂ توالد بھی جاری ہے۔ ان میں مسلمان اور کافر بھی ہیں۔ ان کی قوت انسان سے زاید ہے (۱۲)

ایک بار حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے وادیٔ نخلہ میں قیام فرمایا۔ آپ رات کو نماز میں تلاوتِ قرآنِ مجید میں مشغول تھے کہ نصیبین کے سات (ایک روایت میں ہے کہ نو) جن آپ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے قرآنِ پاک سنا اور نماز پورا ہونے کے بعد خود کو صاحبِ قرآن (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے ظاہر کر دیا۔ حضور رسولِ انس و جنّ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے انہیں ایمان کی دعوت دی جسے انہوں نے بلاتوقف قبول کر لیا۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب اپنے گھر واپس پہنچو تو اپنی قوم کو دین کی دعوت دو اور میرا پیغام اُن تک پہنچا دینا۔ (۱۳)

یہ جماعت قوم کی طرف واپس آئی تو کہنے لگی۔ "اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو سچی راہ کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے اور خدا کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں کریں گے"۔ (۱۴)

اس رات کے تین ماہ بعد ان روحانی اشخاص کی ایک جماعت جو لطیف اجسام رکھتے ہیں اور احکامِ الٰہی کے مکلّف ہیں، فلاح و نجات کے چہروں پر حجاب کا پردہ ڈالے، خود کو چھپائے، مکہ کے مقبرۂ حجون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ آج رات مجھے جنّات کے پاس جانے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دوں۔ حضرت ابنِ مسعودؓ ساتھ ہو لیے۔ ایک روایت میں ہے کہ بارہ ہزار، ایک قول کے مطابق ساٹھ ہزار اور ایک مذہب کے مطابق جنّات کے چالیس جھنڈے تھے اور ہر جھنڈے

کے زیرِ سایہ کثیر تعداد تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد جمع ہوئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد انہیں ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی۔ تمام نے قبولیت کا جامہ پہنا اور محبت کا جامِ معرفت پیا۔" (۱۵) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک خط کھینچ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ اس خط سے باہر نہ آنا اور کسی چیز سے ڈرنا مت۔ ان کا بیان ہے کہ میں اس خط کے درمیان بیٹھا رہا اور دور سے مجلس کو دیکھتا رہا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہلِ مجلس کے نزدیک پہنچے تو وہ احتراماً" کھڑے ہو گئے اور آپ کی خدمت بجا لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک ان کے پاس رہے (۱۶) جب فجر کا اجالا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا۔ میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا' اس میں کیا حرج ہے' کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی سے وضو کیا۔ اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو آدمی پاس آ کر کہنے لگے کہ یا رسولُ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے پوچھا کہ یا رسولُ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا' یہ شہر نصیبین کے جن تھے۔ اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لیے لائے تھے۔ انہوں نے مجھ سے توشہ مانگا تو میں نے دے دیا۔ عرض کی' یا رسولُ اللہ (صلی اللہُ علیکَ وسلم) کیا آپ کے ساتھ کوئی توشہ کا سامان تھا۔ فرمایا' میں نے ان کے لیے گوبر اور ہڈی کا چارا مقرر کیا ہے۔ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گوبر اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا (۱۷) بخاری و مسلم نے مسروق سے' بیہقی ابونعیم نے علی بن رباہ سے' ابو الجوزا سے' ابو یعلیٰ سے اور ابوتاح سے' طبرانی نے ابوزید کے واسطے سے' ابوعبداللہ جدلی سے' عمرو بکالی سے اور ابورجا سے یہ حدیث روایت کی ہے (۱۸)

امام مسلم و احمد و ترمذی حضرت علقمہؓ سے راوی ہیں۔ انہوں نے حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ سے لیلۃ الجن کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ ایک اور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ رات کو ہم نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو نہ پایا۔ اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا اس طرح غائب ہو جانا ہم کو اضطراب و قلق میں مبتلا کر گیا۔ اور یہ رات بڑی بے چینی سے بسر ہوئی۔ صبح کو ہم نے دیکھا کہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) غارِ حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے استفسار پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا۔ رات جنّوں کا قاصد آیا۔ میں اس کے ساتھ گیا اور میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم سب کو اس مقام پر لے گئے اور وہاں جنّوں کے آگ جلانے کے نشانات دکھائے (۱۹)

خطیب حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ہمراہ تھے کہ ناگاہ ایک بہت بڑا سیاہ رنگ کا اژدھا آیا اور اس نے اپنا سر حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے کانوں کے قریب کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے کان میں کچھ فرمایا۔ پھر وہ اژدھا غائب ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا' یہ جنّوں کا قاصد تھا۔ وہ قرآن کی ایک سُورت بھول گئے تھے۔ جنّات نے اس کو میرے پاس پوچھنے کے لیے بھیجا تھا (۲۰)

معجم طبرانی میں بیان کیا گیا ہے کہ جنگِ خندق کے آغاز میں ایک جوان' جس کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی' ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کر کے گھر روانہ ہوا۔ وہ مسلح اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے اپنی بیوی کو غیر مردوں کے درمیان کھڑے دیکھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ اپنی عورت کو نیزے سے ہلاک کر دے۔ اس عورت نے کہا' تھوڑی دیر اپنا ہاتھ روکے رکھو اور گھر میں جا کر دیکھو کہ کیا ہے اور بستر پر کون ہے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس نے بستر پر ایک سانپ کو سوئے ہوئے دیکھا۔ وہ سانپ کو نیزے کی نوک پر رکھ کر باہر لایا۔ وہ سانپ تھوڑی دیر نیزے کی نوک پر تڑپا' اس کے بعد مر گیا۔ اسی وقت جوان نے بھی اپنی روح عزرائیل کے سپرد کر دی۔ کسی شخص کو معلوم نہ ہو سکا کہ سانپ پہلے مرا یا

وہ جوان۔ اس واقعے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا' اپنے ساتھی کے لیے بخشش طلب کرو۔ پھر فرمایا' مدینہ میں جنّوں کی ایک جماعت ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔ اگر اس قسم کی کوئی چیز تمہارے سامنے ظاہر ہو تو تین روز تک اس کے نزدیک نہ جاؤ۔ اس کے بعد ظاہر ہو تو اسے قتل کر دو' کیونکہ وہ شیطان ہے (۲۱)

خصائصُ الکبریٰ میں ایک جیسے کئی واقعات درج ہیں جن میں کسی شخص یا جماعت نے کسی سانپ کو مرے ہوئے پایا اور اسے دفن کر دیا تو ہاتف کی آواز آئی کہ یہ سانپ دراصل مسلمان جن تھا۔ بعض صورتوں میں ہے کہ یہ وہ جنّ تھا جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی (۲۲)

ابو نعیم نے اُبَیّ بن کعبؓ سے روایت کی کہ ایک جماعت حج کے ارادے سے روانہ ہوئی۔ راستہ بھول گئی۔ جب اس جماعت نے موت کا مشاہدہ کیا یا وہ مرنے کے قریب ہوئے تو وہ اپنے کفن پہن کر مرنے کے لیے لیٹ گئے۔ اتنے میں ایک درخت کے درمیان سے ایک جنّ نکل کر ان کے پاس آیا اور بولا کہ میں اس جماعت کا باقی ماندہ ہوں جنھوں نے نبیُ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم سنا تھا۔ میں نے نبیُ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرما رہے تھے کہ مومن مومن کا بھائی اور اس کا رہبر ہے' وہ اس کو رسوا نہیں کرتا۔ دیکھو' یہ پانی ہے اور یہ راستہ ہے۔ پھر اس جن نے انھیں پانی کی طرف رہبری کی اور راستہ بتایا(۲۳)

حضرت خزیمہؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ ابو عامر راہب حضور سیّدُ الانبیاء وُالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ملتِ ابراہیمی کا پیرو کار تھا' ٹاٹ پہنتا اور اطراف و اکنافِ عالم میں پھرتا تھا۔ وہ احبارِ یہود اور علماءِ نصاریٰ سے ملتِ خلیل علیہ السلام کی تحقیق کرتا تھا تاکہ وہ اسے نبیٔ آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور ملتِ ابراہیمی کے احیا کی خبر دیں۔ ایک روز وہ اوس و خزرج کی محفل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا بیان کر رہا تھا کہ ابو الہیثم خزاعی نے

اس سے پوچھا کہ اگر تم انہیں پا لو' تو کیا ان کی صفت اس سے زیادہ کرو گے۔ اس نے کہا' ہاں۔ خدا کی قسم! میں نے جنّ و انس سے ان کی بہت صفت سنی ہے۔ ابو الہیثم نے حیران ہو کر کہا' یہ تو ہو سکتا ہے کہ انسانوں میں سے علما نے آسمانی کتاب سے ان کی صفات معلوم کر کے تجھے بتائی ہوں' لیکن جنّوں سے خبر حاصل ہونا عجیب ہے۔

اس پر ابو عامر نے واقعہ سنایا کہ میں ماہِ رجب میں ایک دفعہ یمن کی طرف چل پڑا۔ چاند کی رات تھی' میں اونٹ ہانکے لیے جا رہا تھا کہ نیند نے مجھ پر غلبہ کر لیا۔ بیدار ہوا تو ایک نامعلوم بیابان میں تھا جس کے اطراف میں آگ دور سے ستاروں کی مانند دکھائی دیتی تھی۔ نزدیک پہنچا تو آگ کے اردگرد نہایت مہیب شکل و صورت کے لوگوں کو دیکھا جن کی شکلیں انسانوں جیسی نہیں تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ جن ہیں۔ میں بہت ڈرا۔ میرے اونٹ نے مارے ڈر کے بھاگنا شروع کر دیا۔ ان میں سے بعض میری طرف بھاگے' میں فریاد کرنے لگا اور پناہ چاہی۔ ان میں سے چار افراد نے آ کر مجھے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ انہوں نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں یمن کے ایک کاہن سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر سنائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب نسب' شکل و صورت اور ہیئت سے بھی مجھے تفصیلاً مطلع کیا۔ اس کہنے والے جن نے مجھے کہا' اے ابو عامر! چاہیے کہ تو ان باتوں پر یقین کرے اور یہ خبر لوحِ تحقیق سے پڑھی ہوئی سمجھے۔ (۲۴)

اسماء بنت الجارہم کی والدہ کہتی ہیں' میں نے حضور سیدِ انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ معظمہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال پر جنّوں کو نوحہ کرتے سنا۔ انہوں نے آٹھ اشعار نقل کیے ہیں۔ چند کا ترجمہ یہ ہے:

☆ "اس پاکباز نوجوان امینہ کی موت پر روتے ہیں جو انتہائی گراں جمال و عفت کی مالکہ ہیں۔ وہ خاتون جو حضرت عبداللہؓ کی صاحبِ قرینہ زوجۂ اقدس ہیں۔ وہ خاتون جو

اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون و راحت عطا کرنے والی امی جان ہیں۔ آپ اُن کی والدۂ مکرمہ ہیں جو مدینۂ منورہ میں صاحبِ منبر ہوں گے۔ ایسی خاتون کو خوشی سے کیسے سپردِ خاک کیا جا سکتا ہے۔ اے غمزدہ! موت اس عرش والے اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو اپنے دین کو بلند رکھتا ہے"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے منقول ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ پاک ہوئی تو حجون کے مقام پر جس کے نیچے قبرستان ہے اور قریش اس مقام پر اپنے کپڑے دھو کر سکھایا کرتے تھے۔ اس مقام کے جن نے کوہ ابو قبیس کے جنّ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی شہادت جن اشعار میں دی' ان کا ترجمہ یہ ہے:

☆ "میں قسم کھاتا ہوں کہ کوئی عورت انسانوں میں نہ خود اتنی سعادت مند ہے اور نہ کسی نے اتنے سعادت مند اور نجیب و شریف کو جنم دیا ہے۔

☆ جیسا کہ بنو زہرہ سے تعلق رکھنے والے قابلِ صد افتخار' امتیازی اوصاف کی مالکہ' قبائل کی ملامت اور طعن و تشنیع سے منزہ و مبرا اور مجد و بزرگی کی مالکہ' حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے مقدس اور سعادت مند بچے کو جنم دیا ہے۔

☆ تحقیق اس نے جنم دیا ہے اس ذاتِ اقدس کو جو سب مخلوق میں سے بہتر ہیں اور احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیارے نام سے موسوم۔ پس کس قدر عزت والا اور کتنا بلند مقام والا مولود ہے"۔

اب ابو قبیس پر موجود جنّ نے اس مبارک خبر کو پا کر جو اشعار کہے' ان کا ترجمہ یہ ہے:

☆ اے بطحا کے رہنے والو! دھوکا نہ کھاؤ اور مغالطے میں نہ رہو اور سابقہ اعمال و افعال سے حقیقتِ امر معلوم کرو۔

☆ بے شک بنو زہرہ قبیلہ ابتدا اور انتہا دونوں میں تمہارا ہی حصہ ہے اور وہ شاخ اور سرو ناف کے رشتہ میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

☆ مگر تم گزشتہ لوگوں میں سے یا جو باقی بچ رہے ہیں' ان میں سے کوئی ایسی مقدس عورت دکھاؤ اور پاکیزہ ماں بتاؤ۔

☆ جس کا بیٹا بنی زہرہ کی لاڈلی ماں آمنہؓ کے مقدس بیٹے جیسا ہو جو کہ مقامِ نبوت کے مالک ہیں اور خدا ترس اور پابندِ احکامِ خداوندِ اعلیٰ ہیں (۳۵۔الف)

بیہقی کی روایت میں حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں ایک جنّ سے میری دوستی تھی۔ وہ آنے والی باتوں کی خبریں مجھے بتاتا تھا اور میں لوگوں کو بتا دیا کرتا۔ لوگ بکثرت میرے معتقد ہو گئے اور مجھے نذرانے دینے لگے۔ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا کہ اس جنّ نے مجھے آ کر جگایا اور کہنے لگے' اٹھ ہوش میں آ' اور سمجھ لے کہ لُوی بن غالب کی اولاد میں سے ایک نبی پیدا ہوئے ہیں۔ پھر اس جن نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ان جنّوں پر تعجب آتا ہے جو بے قرار ہو کر اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے مکہ جاتے ہیں۔ تجھے بھی اس سردارِ عرب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف آنکھیں اٹھانی چاہئیں اور بنو ہاشم کے اس سردار کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ تین راتیں میرے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا تو میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ "مرحبا اے سواد بن قارب! ہمیں معلوم ہے کہ تم کس لیے یہاں آئے ہو"۔ میں نے اپنا نعتیہ قصیدہ پڑھ کر سنایا۔ ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے اللہ کے رسول! (صلی اللہُ علیکَ وسلم) جس دن سواد کے لیے کوئی سفارشی نہ ہو گا' آپ اس دن میرے سفارشی ہو جائیے"۔ (۳۶)

امام احمد نے جابرؓ بن عبداللہ سے' ابونعیم نے ضمرہؓ سے اور بیہقی نے امام زین العابدینؓ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نبوت کی خبر سب سے پہلے مدینہ میں ایک جنّ کے ذریعے پہنچی۔ ذبابؓ بن حارث اور جموحؓ بن عثمان غفاری کہتے ہیں کہ انہیں بھی جنّوں کے ذریعے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی نبوت کی اطلاع ملی۔ فاکہی نے اخبارِ مکہ میں عامرؓ بن ربیعہ سے' ابو نعیم نے ابن عباسؓ سے اور دوسرے محدثین نے عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابہ سے روایت کی ہے کہ پہاڑ ابو قبیس پر سے بلند آواز میں کچھ اشعار اسلام کی برائی میں سنے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' یہ مسعر نامی جنّ کی آواز تھی' اللہ بہت جلد اسے سزا دے گا۔ تیسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو خوش خبری دی کہ آج بہت بڑا جنّ سمج نامی میرے پاس آکر مسلمان ہوا ہے' میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا ہے۔ آج اس کے ہاتھوں مسعر مارا جائے گا۔ شام کے وقت پہاڑ سے چند اشعار بلند آواز کے ساتھ سننے میں آئے جن کا مضمون یہ تھا۔ "ہم نے مسعر کو اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اس نے سرکشی کی' حق کی توہین کی اور برائیوں کا راستہ اپنایا۔ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی۔ میں نے ایک چمکتی ہوئی تیز تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا"۔ (۲۷)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خصائصُ الکبریٰ کی جلد دُوم میں باب نمبر ۱۱۸ کے تحت بہت سے ایسے واقعات جمع کیے ہیں جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جنّوں کو دیکھا یا ان کا کلام سنا۔ (۲۸)

قرآنِ مجید اور احادیثِ مقدسہ کے مضامین سے جنّوں کا وجود ثابت ہے اور میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب جہانوں کے لیے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت بنا کر بھیجا ہے' اس لیے وہ عالم جنّات کے لیے بھی رحمت ہیں۔ اور اس عالم کے باسیوں کو جہاں جہاں اور جب بھی رحمت کی ضرورت ہوتی ہے' رحمت ان کی امداد کناں ہوتی ہیں۔

حواشی

☆ ۱ – الرحمٰن۔ ۵۵ : ۱۵ (آگ کے لوکے سے پیدا فرمایا۔ یعنی خالص بے دھوئیں کے شعلے سے)

☆ ۲ – الحجر۔ ۱۵ : ۲۷ (بے دھوئیں کی آگ سے بنایا)

☆ ۳ – محمد رکن الدین' شاہ۔ توضیحُ العقائد۔ رکن دین حصہ دوم۔ ص ۵۴

☆ ۴ – معارجُ النبوت۔ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۳۶۸

☆ ۵ – انعام۔ ۶ : ۳

☆ ۶ – الصافات۔ ۳۷ : ۵

☆ ۷ – سباء۔ ۳۴ : ۵

☆ ۸ – الذاریات۔ ۵۱ : ۳

☆ ۹ – انعام۔ ۶ : ۱۲

☆ ۱۰ – الرحمٰن۔ ۵۵ : ۲

☆ ۱۱ – سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم۔ از سید سلیمان ندوی۔ باب "لیلۃ الجن"

☆ ۱۲ – محمود احمد رضوی' سید۔ جامعُ الصفات۔ ص ۶۳

☆ ۱۳ – معارج النبوت۔ جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۳۳۲

☆ ۱۴ – خصائص الکبریٰ۔ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۳۴۱ / معارج النبوت۔ جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۳۳۳

☆ ۱۵ – معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۳۴

☆ ۱۶ – شواہدُ النبوت (اردو ترجمہ) ص ۱۰۹

☆ ۱۷ – مُسندِ احمد بن حنبل۔ جلد اول۔ ص ۴۵۸

☆ ۱۸ – خصائص الکبریٰ۔ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۲۶۷ - ۲۷۲

☆ ۱۹ – جامعُ الصفات۔ ص ۶۳

☆ ۲۰ – جامعُ الصفات۔ ص ۶۰

☆ ۲۱ – معارج النبوت۔ جلد سوم۔ ص ۲۴۴

☆ ۲۲ – خصائصُ الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۲۷۱ - ۲۷۶

☆ ۲۳ - ایضاً"۔ ص ۲۷۳

☆ ۲۴ - معارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۶۷ - ۷۹

☆ ۲۵ - سیرتِ محمدیہ" (علامہ قسطلانی کی مشہور کتاب "المواہبُ اللدنیہ" کا اردو ترجمہ) جلد اول۔ ص ۱۷۷ / الخصائصُ الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵ / جلال الدین سیوطی۔ والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو ترجمہ از صائم چشتی۔ ص ۸۶ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۱۹۱، ۱۹۲

☆ ۲۵- الف - ابنِ جوزی، عبدالرحمٰن۔ الوفا باحوالِ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (اردو ترجمہ از محمد اشرف سیالوی) ص ۱۳۵، ۱۳۶

☆ ۲۶ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۳۴

☆ ۲۷ - ایضاً"۔ ص ۱۳۴ - ۱۳۹

☆ ۲۸ - خصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ باب نمبر ۱۸ بعنوان "صحابہ کا جنوں کو دیکھنا اور ان کا کلام سُننا"۔ ص ۱۵۶ - ۱۶۳



عالمِ نباتات

نباتات کا ایک الگ عالم ہے۔ درختوں اور پودوں کے بنیادی طور پر دو حصے ہیں۔ جڑ اور تنا۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ رحمت کے مطابق جڑ کا کام یہ ہے کہ وہ زمین کے اندر پھیل کر پودے کے لیے پانی اور نمکیات جذب کرتی ہے اور اسے کھڑا رکھتی ہے۔ تنے پر مختلف قسم کی ساختیں نظر آتی ہیں۔ یعنی سبز پتے جو پودے کے لیے شمسی روشنی کی موجودگی میں غذا تیار کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے پودوں کا زائد پانی باہر خارج ہو جاتا ہے جس سے فضا میں نمی بڑھتی ہے اور ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ خصوصاً گرمی کے موسم میں پودوں کے نیچے خنکی اسی لیے ہوتی ہے۔ پھول پودے کی افزائشِ نسل کی ذمے داری پوری کرتے ہیں۔ پھولوں کے مُرجھانے پر پھل نظر آتے ہیں جن کے اندر بیج بنتے ہیں اور ان کے اُگنے سے ایک نیا پودا حاصل ہوتا ہے۔

دنیا بھر کے پودوں میں بڑا تنوّع ہے۔ نت نئے انداز کے پودے اور درخت قدرت کی نیرنگیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ کچھ پودے ایسے ہیں جن کی جڑیں زمین کے اندر نہیں ہوتیں بلکہ یہ ہوا سے نمی جذب کر لیتی ہیں۔ بعض پودوں میں عام ڈگر سے ہٹ کر غذا حاصل کرنے کا رواج پایا جاتا ہے۔ کچھ پودے دوسرے پودوں کی تیار شدہ غذا کو چوس لیتے ہیں۔ کچھ پودے اپنی غذا مُردہ نامیاتی مادوں سے حاصل کرتے ہیں۔ کچھ گوشت خور پودے اپنے پتّوں کے ذریعے ننھے منے کیڑوں کو شکار کر کے چٹ کر جاتے ہیں۔ کچھ پودے تنہا زندگی گزارنا پسند نہیں کرتے۔(۱) اندازہ کیا گیا ہے کہ پھولدار درختوں کی ایک لاکھ تیس ہزار قسمیں زمین پر موجود ہیں اور اسی قدر تعداد دوسری انواع کی ہوگی جو افزائشِ نسل کے لیے پھل پھول پر انحصار نہیں کرتیں (۲)

غرض، درختوں، پیڑوں، پودوں، جھاڑیوں، جڑی بوٹیوں، گھاس پھوس اور بیلوں کی لاکھوں قسمیں ہماری دنیا میں نظر آتی ہیں اور اس عالم نباتات کے ہر شعبے کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی ہستی کے زیر اثر ایک نظام کے تحت پھلتی پھولتی ہیں اور اشرف المخلوقات کو اپنے اپنے طریقے سے فائدہ پہنچاتی ہیں۔ درخت، پھل، پھول، اور پودے ہمیں خوراک مہیا کرتے ہیں۔ وہ حیرت انگیز حد تک فضا کی کثافت جذب کرتے اور ہمیں صاف ہوا مہیا کرتے ہیں۔ کرۂ ارض پر پائے جانے والے پودے اور درخت ڈیڑھ کھرب ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پچیس ارب ٹن ہائیڈ روجن سالانہ جذب کر کے صاف ہوا کی صورت میں چار کھرب ٹن آکسیجن اور ساڑھے چار کھرب ٹن نامیاتی مادے بہم پہنچاتے ہیں۔ ہائیڈ روجن وہ پانی سے اخذ کرتے ہیں۔(۳)

خداوندِ کریم نے کروڑوں سال کے عمل سے زمین کے اوپر زرخیز مٹی کی تہ بچھائی جس کے اوپر درخت اُگے، سورج کے ذریعے اوپر ضروری حرارت بھیجی، آفاقی اہتمام کے تحت پانی مہیا فرمایا۔ موسموں کی تبدیلی کے ذریعے اس کی پرورش کا انتظام کیا۔ کھرب ہا کھرب کی تعداد میں بیکٹیریا پیدا کیے جو درخت کی جڑوں کو نائٹروجن کی غذا فراہم کریں(۴)

روشنی، پانی، کیمیائی عناصر اور ہوا تو پودے نہیں اُگا سکتی۔ یہ تو بیج کی صلاحیت ہوتی ہے جسے اگر مناسب سہولتیں اور سازگار ماحول میسر آ جائے تو وہ بروئے کار آ جاتی ہے۔ بیج میں جو عمل دو خوردبینی خلیوں کے اتصال سے شروع ہوتا ہے، اس سے ایک نیا وجود ابھرتا اور بتدریج نشو و نما پاتا ہے۔ یہ خوردبینی خلیے، بجائے خود متعدد عناصر کے مختلف پُر پیچ عملوں کا حاصل ہوتا ہے۔ اگر بیج گندم کا ہے تو اس سے گندم کا ننھا منا پودا اُگتا ہے اگر بیج شاہ بلوط کا ہے تو اس سے بلوط کا تناور درخت وجود میں آتا ہے۔ جب بیج گل کر ختم ہو جاتا ہے تو وہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اس سے ایک ہی جیسا اکھوا پھوٹتا اور ننھا سا پودا وجود میں آ جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ پودا اپنے اصل پودے یا درخت سے بعض صورتوں میں مشابہ بھی نہیں ہوتا لیکن جوں جوں بڑھتا جاتا

ہے، اصل پودے کی شکل اختیار کرتا جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں ایک عجیب نظم و انضباط، مشتاقی و مہارت اور حُسن و رعنائی کا مظاہرہ ہوتا ہے (۵) اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہی خدا تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ رحمت ہے جسے رحمۃ للعالمین کہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

پودے کی ابتدائی نشو و نما کے ضمن میں مولوی محمد انوار اللہ کہتے ہیں۔

"زمین سے جو جھاڑ نکلتا ہے، اگر ہوا اُس کو اوپر نہ کھینچتی تو اس کا زمین سے نکلنا اور بڑھنا دشوار تھا کیونکہ زمین کی کشش کی قوت اس کی ذاتی قوت پر غالب آتی۔ چونکہ ہوا زمین کو محیط ہے، اس لیے اس کی قوت زمین کی قوت پر غالب آتی ہے"۔ (۶)

پودے تمام تر توانائی عملِ تنفس سے حاصل کرتے ہیں۔ خشکی کے پودے آکسیجن اردگرد کی فضا سے اور آبی پودے پانی سے حاصل کرتے ہیں۔ آکسیجن پودے میں داخل ہونے کے بعد خلیوں کے درمیان خالی جگہوں میں چلی جاتی ہے جہاں سے وہ مختلف خلیوں میں نفوذ کر جاتی ہے۔ پودے اپنی غذا کا بہت سا حصہ ہوا سے حاصل کرتے ہیں۔ اگر درخت کے پودے کو خوردبین کے ذریعے دیکھا جائے تو اس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے خلیات (سیل) نظر آتے ہیں۔ ان میں سبز رنگ کی رطوبت ہوتی ہے جو سورج کی روشنی میں کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرنے کی قوت رکھتی ہے۔ یہ گیس کاربن اور آکسیجن سے مرکب ہے۔ پتوں کے خلیات اس گیس کا کاربن کا حصہ رکھ لیتے ہیں اور آکسیجن واپس ہوا کو دے دیتے ہیں۔ پودوں کے جسم کا سب سے بڑا جز یہی کاربن ہے۔ اس عمل کا نتیجہ ہے کہ دن کے وقت درختوں کے آس پاس کی ہوا میں آکسیجن زیادہ ہوتی ہے اور اس لحاظ سے جانداروں کی صحت کے لیے یہ عمل از بس مفید ہے۔ (۷)

نباتات کی بے شمار قسمیں ہیں۔ بعض قسمیں کئی ممالک میں پائی جاتی ہیں، بعض کسی خاص آب و ہوا، یا کسی خاص قسم کی زمین میں پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ ان لاکھوں قسم کے درختوں یا پودوں کی پوری کائنات اور ہر ایک پودے یا

درخت میں موجود کائنات کا تمام نظام خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ نظامِ رحمت کا مرہون منت ہے اور اسی کے دم سے قائم ہے۔ قرآنِ مجید میں نباتات کی جن قسموں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں ترنجبین (۸) کھجور (۹) زیتون (۱۰) انگور (۱۱) انار (۱۲) انجیر (۱۳) ہندوہ (۱۴) جھاؤ (۱۵) شجرِ مسواک (۱۶) کافور (۱۷) ادرک (۱۸) مسور (۱۹) پیاز (۲۰) لہسن (۲۱) ککڑی (۲۲) ببول عرب (۲۳) لوکی (۲۴) رائی (۲۵) ریحان (۲۶) زقوم (۲۷) ضریع (۲۸) طوبیٰ (۲۹) شجر (۳۰) ثمر (۳۱) برگ (۳۲) اناج (۳۳) زراعت (۳۴) چارا (۳۵) ترکاری (۳۶) اور بوٹا (۳۷) شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تین (انجیر) کی قسم کھائی ہے اور ان کے ساتھ طورِ سینا کی اور امن والے شہر کی -- اور یہ قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز (احسنِ تقویم) کے ساتھ پیدا کیا۔ (۳۸)

بعض حضرات تین اور زیتون سے مختلف جگہوں کی مساجد مراد لیتے ہیں (۳۹)' بعض پہاڑیاں گردانتے ہیں (۴۰)' بعض عرفا کے نزدیک تین سے مراد شجرۂ روحِ قدسیہ ہے' زیتون کا اشارہ عقلِ قدسی کی جانب ہے' طورِ سینین کے معنی عارف کے قلب کے ہیں اور بلد الامین کا مفہوم محب کا سینہ ہے (۴۱)' عبدالماجد دریابادی کے نزدیک تین کا اشارہ گوتم بدھ کی طرف' زیتون مسیحی مواعظ' طور سینین شریعتِ موسوی اور البلد الامین شریعتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ (۴۲)

لیکن عبداللہ یوسف علی نے پھل یا درخت کی قسم کھانے کو عین ممکن بتایا ہے (۴۳) مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسرے بہت سے علما تین اور زیتون کو نباتات ہی سمجھتے ہیں۔

تین (انجیر) کی اونچائی تیس فٹ رہی ہے' سال میں دو مرتبہ پھل دیتا ہے۔ عمدہ میوہ ہے جس میں فُضلہ نہیں ہوتا۔ معدہ کے امراض میں مفید ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے اور بہت سی بیماریوں میں فائدہ مند ہے۔ بنیادی طور پر یہ شام اور فلسطین کا پودا ہے لیکن اڑھائی تین ہزار سال پہلے اسے اٹلی کے مختلف علاقوں میں

پہنچا دیا گیا۔ انجیر کے درخت اور باغات بحیرۂ روم کے چہار جانب مختلف ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ ایران اور افغانستان میں بھی ان کی کاشت ہوتی ہے (۴۴)

زیتون کا اصل وطن فلسطین اور شام کا وہ علاقہ ہے جو لیبنی شیا کہلاتا ہے۔ یہاں اس کی کاشت دو ہزار سال قبل مسیح شروع کی گئی۔ یہیں سے یہ مختلف ممالک میں گیا اور عام ہو گیا۔ قرآن نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ نہ شرقی ہے' نہ غربی (۴۵)

زیتون کے تیل کا طویل عرصہ غذائی طور پر استعمال معدہ کی تیزابیت کو دور کرتا ہے اور السر کو مٹاتا ہے' جلدی بیماریوں میں بہت مفید ہے (۴۶) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی آیۂ مبارکہ کی رُو سے' تین اور زیتون مساجد ہیں تو بھی' پہاڑیاں ہیں تو بھی اور انجیر اور زیتون بطورِ نباتات ہے تو بھی' اس کا ہر بُوٹا حضورِ اکرم رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حیطۂ اقتدار و اختیار میں ہے' ان کے سایۂ رحمت میں ہے۔ کسی ملک میں اس کی کاشت ہوئی' پھر یہ اور ملکوں میں جا پہنچا تو نظامِ رحمت ہی کے سبب ہوا۔ یہ مختلف بیماریوں کے لیے سُود مند ہے تو رحمتہ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زیرِ اثر ایسا کر رہا ہے۔

کھجور کی مختلف قسموں اور اس کی گٹھلیوں وغیرہ کا ذکر بھی قرآنِ پاک میں موجود ہے (۴۷) سائنس دانوں کا خیال ہے کہ پہلا پھل دار پودا ہے جس کی کاشت آٹھ ہزار سال پہلے جنوبی عراق میں کی گئی۔ کھجور میں بھرپور غذائیت ہے۔ اس میں انورٹ شوگر' سٹارچ' پروٹین' چربی' وٹامن اے' بی' بی ۲' سی' سوڈیم' کیلشیم' سلفر' کلورین' فاسفورس' آئرن وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ (۴۸)

کھجور کا درخت ۵۰ سے ۸۰ فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ کھجور کی عمر تو دو سو برس ہوتی ہے لیکن اچھے پھلوں کی پیداوار ایک سو برس تک جاری رہتی ہے۔ لیکن اگر باغِ سلمان فارسیؓ میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے ہوں تو وہ پودے نہ صرف چودھویں صدی کے آخر تک برقرار

رہتے ہیں بلکہ چودہ سو سال تک پھل بھی دیتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ درخت کاٹ نہ دیے جاتے تو شاید قیامت تک پھل دیتے رہتے (۴۹) اور ۔۔۔۔۔۔۔ اس امر میں کوئی بات باعثِ تعجب نہیں' عالمِ نباتات میں جاری و ساری جس نظامِ رحمت کی وجہ سے یہ بات طے ہو گئی کہ ہر درخت کم و بیش دو سو سال زندہ رہے گا اور ایک سو برس تک پھل دیتا رہے گا' وہی نظامِ رحمت اگر چاہے تو کسی ایک یا زیادہ درختوں کے لیے اس طے شدہ سسٹم کو تبدیل کیوں نہیں کر سکتا!

اللہ کریم نے تمام کائناتوں کے لیے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو رحمت بنا کر بھیجا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے تمام عالمین کی طرح عالمِ نباتات کے لیے بھی رحمت ہیں۔ اس نظامِ رحمت کے تحت کھجور کا درخت ایک سو سال تک پھل دیتا ہے۔ اسی نظامِ رحمت کے زیرِ اثر کھجور کے وہ درخت چودہ سو سال تک پھل کیوں نہ دیں جن کو حضور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک ہاتھ لگے ہوں۔

نظامِ رحمت کا تقاضا ہے کہ کھجور کا خوشہ درخت سے ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑ سکتا۔ لیکن اگر سراپا رحمت یہ چاہے تو پھر جڑ بھی سکتا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بدو آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ پیغمبر ہیں۔ آپ نے فرمایا' اگر میں اس خوشۂ خرما کو بلا لوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟ اس نے کہا' ہاں۔ آپ نے خوشۂ خرما کو بلایا اور وہ درخت سے اتر کر آپ کے پاس آیا' اور پھر آپ کے حکم سے واپس گیا (۵۰)

درخت کھجور کا ہو یا کسی اور نسل کا' جب وہ سوکھ جاتا ہے تو پھل نہیں دے سکتا لیکن جس ہستی کو اللہ کریم نے پورے عالم کے لیے اس لحاظ سے مختار بنایا ہو کہ وہ ان کے لیے رحمت ہو' ۔۔۔۔۔۔ اگر وہ ہستی چاہے تو اس میں استعجاب کی کیا گنجائش ہے کہ سوکھا ہوا درخت ہرا ہو جائے اور پھل دے اٹھے۔ "معارج النبوت فی المدارج الفتوت" میں ہے کہ ایک دن حضور سیدِ انام علیہ

الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کے ہمراہ ابو الہیثم بن التیہانؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کے گھر کھانے کو کچھ نہ تھا۔ گھر کے ایک کونے میں کھجور کا ایک سوکھا درخت تھا۔ حضورِ اکرم سیدِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو پیالے میں پانی لانے کو کہا۔ تھوڑا سا پانی پیا' پھر کلی کر کے اس درخت پر چھڑکا۔ درخت پر اسی وقت کھجوریں نمودار ہونے لگیں۔ ان میں کچھ خشک تھیں' کچھ تر (۵۱)

انگور کا اصل وطن آرمینیا اور آذربائیجان کا پہاڑی علاقہ کہا جاتا ہے۔ کھجور کے بعد انگور کی تاریخ ہی پھلوں میں سب سے زیادہ قدیم مانی جا سکتی ہے۔ انگور سے پیدا کی گئی قسموں کی تعداد آٹھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ انگور گلوکوز اور فرکٹوز کا بہترین ذریعہ ہے' اس میں سوڈیم' پوٹاشیم' کیلشیم اور آئرن بھی ہے' اس میں وٹامن بی بھی دریافت ہوئی ہے۔ یہ بہت سی بیماریوں میں مفید ہے۔

انگور کی قسمیں تو ہزاروں ہیں مگر کسی قسم کے انگور کے دانوں پر بھی کوئی عبارت لکھی ہوئی نہیں ملتی۔ لیکن ۸۰۹ میں انگور کے ایک دانے کو بے شمار لوگوں نے دیکھا کہ اس پر قلمِ قدرت سے واضح لفظوں میں "محمد" لکھا ہوا تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۵۲)

مولانا مفتی محمد شفیع نے اس قسم کے کئی واقعات تحریر کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک جنگل میں ایک درخت کے سب پتے سرخ رنگ کے دیکھے گئے جن میں سے ہر پتے پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ بعض دوسرے حضرات ایک جزیرے پر پہنچے تو وہاں ایک بہت بڑے درخت کے ہر پتے پر قلمِ قدرت نے نہایت واضح اور خوشخط یہ کلمہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا
اللّٰہُ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام

بعض اور حضرات نے ایک گاؤں میں ایک گلاب کا پودا دیکھا جس کے پھول سیاہ رنگ مگر نہایت خوشبودار تھے۔ اس کے ہر پھول کی ہر پنکھڑی پر سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَبُوْبَکْر الصِّدِّیْق

بیان کرنے والے صاحب فرماتے ہیں' مجھے شُبہہ ہوا کہ یہ کلمہ کسی نے ان پھولوں میں لکھ دیا ہے۔ میں نے بغرضِ تحقیق ایک غنچۂ نو شگفتہ کو توڑا تو اس کے اندر سے بھی ہر پتّی پر یہی لکھا ہوا صاف نظر آیا۔

بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ ہم نے بلادِ ہندوستان میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل بادام کے برابر تھا اور اس پر دو چھلکے تھے۔ اوپر کا چھلکا اتارنے کے بعد اندر سے ایک سبز پتا لپٹا ہوا نکلتا تھا جس پر سُرخ رنگ میں نہایت خوش خط اور صاف طور پر کلمہ لکھا ہوا تھا۔ اس بستی کے لوگ اس درخت کو مُتبرک سمجھتے تھے۔ اگر قحط پڑتا تھا تو اس کے طفیل سے بارش طلب کیا کرتے تھے (۵۳)

یہ سب عالمِ نباتات میں حضورِ اکرم سرورِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تصرف و اختیار کے مظاہر ہیں۔ پتوں پر اور پھولوں کی پنکھڑیوں پر کچھ لکھا ہونا عام حالات میں تو ممکن نہیں ہوتا لیکن جہاں حضور رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے اثر و نفوذ کی بات ہو' وہاں تعجب کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

جس نظامِ رحمت کے تحت مثلاً "مُولی' شلجم' پیاز وغیرہ کے پتے اس وضع کے ہیں کہ جب بارش برستی ہے تو یہ پتے قطروں کو سمیٹ کر جڑوں میں ڈال لیتے ہیں کہ ان کی جڑ صرف ایک ہوتی ہے اور یہ پتے قطراتِ باراں کو جڑ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور' انجیر' کھجور' آم وغیرہ کے درخت قطرات کو پھیلا کر ٹپکاتے ہیں کیونکہ ان کی جڑیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں (۵۴) وہ نباتات ان لاکھوں کروڑوں احساناتِ رحمت پر کسی نہ کسی طرح تو اظہارِ تشکّر کریں گے۔

عالمِ نباتات و جمادات کے حوالے سے حضرت علیُ المرتضٰی (کرّم اللہ وجہٗ) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے' اس سے "السلام یا رسولَ اللہ" کی آواز آتی تھی اور میں اس کو سن رہا تھا (۵۵)

اور' ------ ظاہر ہے کہ یہ بات تو آقا حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کے اعلانِ نُبوّت سے بعد کی ہے۔ جب یہ نبیُ الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا چھوٹے تھے' تو یا بارہ برس کے (۵۶) اور اپنے مُربّی چچا حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ سفرِ شام پر تشریف لے گئے اور بحیرا راہب نے انھیں پہچان لیا اور کہا کہ یہ خدا تعالٰی کے نبی ہیں' ان کی حفاظت کا خیال رکھو تو حضرت ابوطالبؓ نے پوچھا کہ تم نے کیسے پہچانا کہ یہ نبی ہیں۔ اس نے کہا' جب تم لوگ گھاٹی سے نیچے اترے تو میں نے دیکھا کہ راستے میں سب درخت اور پتھر ان کو سجدہ کر رہے ہیں اور یہ نبی کے بغیر کسی کو سجدہ نہیں کرتے (۵۷)

درخت حضور رحمۃ للعالمین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ بھی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں اور ان کے حکم پر چل کر بھی آ سکتے ہیں' بول بھی سکتے ہیں۔ مُسندِ دارمی ص ۷ بسندِ صحیح و بزار و ابونعیم باختلافِ یسیر و ابنِ سعد جلد اول ص ۱۲۱ کے حوالوں سے سید سلیمان ندوی نے "سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ایک بدو کو کلمۂ توحید کی تلقین فرمائی۔ اس نے کہا' شہادت کون دیتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' سامنے کا یہ درخت۔ چنانچہ آپؐ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلایا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے تین بار کلمۂ توحید پڑھایا۔ پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ (۵۸)

ترمذی میں حضرت ابنِ عباسؓ سے' بیہقی اور ابو یعلیٰ نے اسامہ بن زیدؓ سے اور امام احمد' بیہقی اور طبرانی نے یعلیٰ بن سیابہؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں کہ حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے قضائے حاجت کے لیے درختوں کو حکم دیا' درخت

آکر آپس میں مل گئے اور بعد میں واپس چلے گئے (۵۹)

طائف کی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اندھیری رات کے وقت اونٹ پر سوار ایک بیری کے درخت کے پاس پہنچے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آنکھوں میں نیند کے آثار تھے۔ آپؐ اسی اندھیرے اور خواب آلود نگاہوں کے ساتھ درخت کی طرف آگے بڑھے تو درخت شق ہو گیا اور آپؐ کے راستے سے ہٹ گیا اور آپؐ کا اونٹ درخت کے درمیان سے گزر گیا (۶۰)

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ درخت اور پودے اور گھاس میں بھی جان ہوتی ہے۔ ان میں نر مادہ کا تصور بھی تسلیم کر لیا گیا ہے (۶۰۔ الف) لیکن جب سائنس کے لحاظ سے درخت یا پودا یا گھاس سوکھ جائے تو اسے بے جان کہا جاتا ہے' اسے نباتات کی موت گردانا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے لیے سراپا رحمت قرار دی جانے والی ہستی چاہے' یا اس ہستی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے تعلق کی بات آ جائے تو خشک لکڑی میں بھی جان پڑ جاتی ہے اور وہ بولنے بھی لگتی ہے اور خشک گھاس بھی زندہ نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

بیہقی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جنگِ بدر میں حضرت عکاشہؓ کو ایک سوکھی لکڑی عنایت فرمائی' وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں ایک لمبی چمک دار تلوار بن گئی جس سے انہوں نے جنگ بدر میں جہاد کیا۔ وہ تلوار بہت عرصہ ان کے پاس رہی' اسی سے وہ لڑائیاں لڑتے رہے (۶۱)

احادیث و سیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوں سے یہ روایت منقول ہے کہ پہلے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھجور کے ایک خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ منبر تیار ہوا تو آپؐ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا۔ اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی۔ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اتر آئے اور ستون پر تسکین کے لیے ہاتھ رکھا اور اس کو سینے سے لگایا تو آواز

بند ہو گئی۔ کھجور کے اس تنے کو اُستن حنانہ کہتے ہیں (۶۲)

پروفیسر شاہ عبدالغنی نیازی اپنی کتاب "تجلیاتِ حقیقتِ محمدی" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں لکھتے ہیں کہ "مجھے ۱۹۶۹ میں خانقاہِ عالیہ نیازیہ' محلہ خواجہ قطب' بریلی شریف کے موجودہ صاحب سجادہ حضرت قبلہ حسن سجاد صاحب نے خشک گیاہِ مبارک (خشک گھاس) کی ایک کرامت دکھائی جسے دیکھ کر میں' میری اہلیہ' اور تمام حاضرینِ محفل دنگ رہ گئے۔

تفصیل اس کرامت کی یہ ہے کہ مذکورہ گھاس اس گیاہِ سبز کے چند تنکے ہیں جو اس وقت سبز تھی جب تک اُس پر حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وضو کا پانی پڑتا رہا اور بعدِ وصالِ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) خشک ہو گئی۔ پھر وہ گھاس بطورِ تبرک عاشقانِ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے تقسیم کر لی۔ اس کے چند تنکے بزرگانِ خاندانِ نیازیہ تک کسی طرح پہنچے اور آج تک خانقاہ شریف میں موجود ہیں۔ حضرت قبلہ صاحب سجادہ نے ازراہِ عنایت ہماری درخواست پر مشاہدہ کرایا کہ ایک شیشے کے بڑے پیالے کو عرقِ گلاب سے بھر کر اس گیاہ مبارک کا ایک تنکا عرقِ گلاب میں ڈال دیا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ گھاس کا تنکا خشک ہونے کے باوجود سطحِ آب پر نہیں تیرا بلکہ نیچے بیٹھ گیا۔

یہ ثبوت اس بات کا تھا کہ ہم اندھوں کی نظر میں وہ تنکا خشک و مُردہ تھا اور اسے پانی کی سطح پر تیرنا تھا لیکن حقیقت میں وہ مُردہ نہ تھا۔ کیونکہ جس چیز کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز سے بھی ذرا سی نسبت پیدا ہو جائے' ظاہری یا باطنی' اسے ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے' خواہ اس کی ہیئتِ ظاہری کچھ ہو۔

اس کے بعد حضرت قبلہ صاحب سجادہ نے ہمیں زور زور سے درود شریف پڑھنے پر حکم دیا اور انہوں نے خود بھی اس کا ورد فرمایا۔ درود پاک پڑھتے ہی وہ تنکا بل کھانے لگا اور جلد جلد رقص کرنے لگا۔ جتنی زور سے درود و سلام پڑھا جاتا' اتنی ہی تیزی سے وہ تنکا رقص کرتا اور سانپ کی طرح بل کھا کر کھڑا ہو ہو جاتا تھا۔

حضرت قبلہ نے اسے عرقِ گلاب سے نکال کر میری چنگی میں دے دیا۔ درود و سلام کا ورد جاری رہا اور مبارک تنکا میری چنگی میں بھی اسی طرح وجد کرتا اور بل کھاتا رہا۔ ورد بند ہونے پر اس کا وجد بھی بند ہو گیا۔ یہ نظارہ تمام حاضرین نے دیکھا۔ اور جس کا جی چاہے' وہاں جا کر دیکھ لے۔" (۶۳)

حواشی

☆ ۱ - اُردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور۔ جون ۱۹۸۸۔ ص ۵۸ (شوق قدوائی لکھتے ہیں۔ "نباتات میں قوتِ احساس ثابت ہے۔ مثلاً" لجالو (چھوئی مُوئی) کو لمس کا حس ہوتا ہے اور فوراً" اس میں پژمردگی آ جاتی ہے یا درختوں کی شاخیں اسی جانب بڑھتی اور پھیلتی ہیں جدھر ان کو جگہ ملنے کا احساس ہوتا ہے یا بیلیں اُسی رخ ہاتھ بڑھاتی ہیں جس طرف ان کی حس انہیں گرفت کے قابل شے سے واقف کرتی ہے۔ یا وہ نبات جو مکھی کے بیٹھتے ہی اپنی پتیاں بند کر لیتی ہے اور مکھی کا رس چوس کے اُس کے خشک فضلے کو چھوڑ دیتی ہے"۔ (سائنس اینڈ ریلیجن۔ ص ۱۲)

☆ ۲ - محمد ابراہیم' ابو خالد۔ حیرت کدۂ کائنات۔ ص ۱۱۵

☆ ۳ - اُردو ڈائجسٹ۔ اپریل ۱۹۸۱۔ ص ۱۲۷

☆ ۴ - وحید الدین خاں' مولانا۔ پیغمبرِ انقلاب (صلی اللہ علیہ وسلم): سیرتِ پاک کا علمی اور تاریخی مطالعہ۔ ص ۸۴

☆ ۵ - کلوور مونزما' جان' مرتب۔ خدا موجود ہے (مترجم عبدالحمید صدیقی)۔ ص ۲۳۲' ۲۳۳ (لیسٹر جان زمران کا مضمون)

☆ ۶ - محمد انوار اللہ۔ کتابُ العقل۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۱۳۳۳ ھ۔ ص ۲۵۶' ۲۵۷

☆ ۷ - حیرت کدۂ کائنات۔ ص ۱۳۰

☆ ۸ - البقرہ۔ ۲: ۵۷ / الاعراف۔ ۷: ۱۶۰ / طٰہٰ۔ ۲۰: ۸۰

☆ ۹ - البقرہ۔ ۲: ۲۶۶ / الانعام۔ ۶: ۱۰۰' ۱۴۲ / الرعد۔ ۸: ۳ / النحل۔ ۱۶: ۱۰' ۱۱' ۶۷ / بنی اسرائیل۔ ۱۷: ۹۰' ۹۱ / الکہف۔ ۱۸: ۳۲ / مریم۔ ۱۹: ۲۳' ۲۴' ۲۵ / طٰہٰ۔ ۲۰ : ۷۱ / المومنون۔ ۲۳: ۱۹ / الشعراء۔ ۲۶: ۱۴۸ / یٰسین۔ ۳۶: ۳۳-۳۵ / قٓ۔ ۵۰: ۱۰ / القمر۔ ۵۴: ۱۸' ۲۰ / الرحمٰن۔ ۵۵: ۱۰' ۱۱' ۶۸' ۶۹ / الحاقہ۔ ۶۹: ۶' ۷ / عبس۔ ۸۰: ۲۴-۳۲

☆ ۱۰ - المومنون۔ ۲۳: ۲۰ / النور۔ ۲۴: ۳۵ / عبس۔ ۸۰: ۲۹ / التین۔ ۹۵: ۱-۳

☆ ۱۱ - البقرہ۔ ۲: ۲۶۶ / الانعام۔ ۶: ۱۰۰ / الرعد۔ ۸: ۳ / النحل۔ ۱۶: ۱۱' ۶۷ / بنی اسرائیل۔ ۱۷: ۹۱ / الکہف۔ ۱۸: ۳۲ / المومنون۔ ۲۳: ۱۹ / یٰسین۔ ۳۶: ۳۴ / النبا۔ ۷۸: ۳۱' ۳۲ / عبس۔ ۸۰: ۲۷' ۲۸

☆ ۱۲ - الانعام۔ ۷: ۱۰۰' ۱۴۲ / الرحمٰن۔ ۵۵: ۶۸' ۶۹

☆ ۱۳ - التین۔ ۹۵: ۱-۳

☆ ۱۴ - سبا۔ ۳۴: ۱۵' ۱۶ / النجم۔ ۵۳: ۷-۱۸ / الواقعہ۔ ۵۶: ۲۷-۳۴

☆ ۱۵ - سبا۔ ۳۴: ۱۶

☆ ۱۶ - ایضاً

☆ ۱۷ - الدھر۔ ۷۶: ۵

☆ ۱۸ - الدہر۔ ۷۶: ۱۷

☆ ۱۹ - البقرہ۔ ۲: ۷۴

☆ ۲۰ - ایضاً

☆ ۲۱ - ایضاً

☆ ۲۲ - ایضاً

☆ ۲۳ - الواقعہ۔ ۵۶: ۲۷-۳۳

☆ ۲۴ - الصّٰفّٰت۔ ۳۷: ۱۳۹-۱۴۶

☆ ۲۵ - الانبیاء۔ ۲۱: ۴۷ / لقمان۔ ۳۱: ۱۶

☆ ۲۶ - الرحمٰن۔ ۵۵ : ۱۰ - ۱۳ / الواقعہ۔ ۵۶ : ۸۹

☆ ۲۷ - بنی اسرائیل۔ ۱۷ : ۶۰ / الصٰفّٰت۔ ۳۷ : ۶۲ - ۶۸ / الدخان۔ ۴۴ : ۴۳ - ۴۶ / الواقعہ۔ ۵۶ : ۵۲ - ۵۶

☆ ۲۸ - الغاشیہ۔ ۸۸ : ۶، ۷

☆ ۲۹ - الرعد۔ ۱۳ : ۲۹

☆ ۳۰ - البقرہ۔ ۲ : ۳۵ / الاعراف۔ ۷ : ۱۹، ۲۰، ۲۲ / ابراہیم۔ ۱۴ : ۲۴، ۲۶ / النحل۔ ۱۶ : ۱۰، ۶۸ / بنی اسرائیل۔ ۱۷ : ۶۰ / طٰہٰ۔ ۲۰ : ۱۲۰ / الحج۔ ۲۲ : ۱۸ / المؤمنون۔ ۲۳ : ۲۰ / النور۔ ۲۴ : ۳۵ / النمل۔ ۲۷ : ۶۰ / القصص۔ ۲۸ : ۳۰ / لقمٰن۔ ۳۱ : ۲۷ / یٰسٓ۔ ۳۶ : ۸۰ / الصٰفّٰت۔ ۳۷ : ۶۲، ۶۴، ۱۴۶ / الدخان۔ ۴۴ : ۴۳ / الفتح۔ ۴۸ : ۱۸ / الرحمٰن۔ ۵۵ : ۶ / الواقعہ۔ ۵۶ : ۵۲، ۷۲

☆ ۳۱ - البقرہ۔ ۲ : ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۱۵۵، ۲۶۶ / الانعام۔ ۶ : ۱۴۱، ۱۴۲ / الاعراف۔ ۷ : ۵۷، ۱۳۰ / الرعد۔ ۱۳ : ۳ / ابراہیم۔ ۱۴ : ۳۲، ۳۷ / النحل۔ ۱۶ : ۱۱، ۶۷، ۶۹ / الکہف۔ ۱۸ : ۳۳، ۴۲ / المؤمنون۔ ۲۳ : ۱۹ / فاطر۔ ۳۵ : ۲۷ / یٰسٓ۔ ۳۶ : ۳۵، ۵۷ / الصٰفّٰت۔ ۳۷ : ۴۲ / صٓ۔ ۳۸ : ۵۱ / حٰمٓ السجدہ۔ ۴۱ : ۴۷ / الزخرف۔ ۴۳ : ۷۳ / الدخان۔ ۴۴ : ۵۵ / محمدؐ۔ ۴۷ : ۱۵ / الطور۔ ۵۲ : ۲۲ / الرحمٰن۔ ۵۵ : ۱۱، ۵۲، ۶۸ / الواقعہ۔ ۵۶ : ۲۰، ۳۲ / المرسلٰت۔ ۷۷ : ۴۲ / عبس۔ ۸۰ : ۳۱

☆ ۳۲ - الانعام۔ ۶ : ۵۹ / الاعراف۔ ۷ : ۲۲ / طٰہٰ۔ ۲۰ : ۱۲۱

☆ ۳۳ - البقرہ۔ ۲ : ۲۶۱ / الانعام۔ ۶ : ۹۵، ۹۹، ۱۰۰ / الانبیاء۔ ۲۱ : ۴۷ / لقمٰن۔ ۳۱ : ۱۶ / یٰسٓ۔ ۳۶ : ۳۳ / قٓ۔ ۵۰ : ۹ / الرحمٰن۔ ۵۵ : ۱۲ / النبا۔ ۷۸ : ۱۵ / عبس۔ ۸۰ : ۲۷

☆ ۳۴ - الانعام۔ ۶ : ۱۴۱ / النحل۔ ۱۶ : ۱۱ / الکہف۔ ۱۸ : ۳۲ / الشعراء۔ ۲۶ : ۱۴۸ / السجدہ۔ ۳۲ : ۲۷ / الدخان۔ ۴۴ : ۲۶ / الحجرات۔ ۴۹ : ۲۹

☆ ۳۵ - عبس۔ ۸۰ : ۳۱، ۳۲

☆ ۳۶ - عبس۔ ۸۰ : ۲۷ - ۲۸

☆ ۳۷ - البقرہ۔ ۲ : ۶۱، ۲۶۶ / آلِ عمران۔ ۳ : ۳۷ / الانعام۔ ۶ : ۹۹ / الاعراف۔ ۷ : ۵۸ / یونس۔ ۱۰ : ۲۴ / الحجر۔ ۱۵ : ۱۹ / النحل۔ ۱۶ : ۱۱، ۶۵ / الکہف۔ ۱۸ : ۴۵ / طٰہٰ۔ ۲۰ : ۵۳ / الحج۔ ۲۲ : ۵ / المؤمنون۔ ۲۳ : ۲۰ / الشعراء۔ ۲۶ : ۷ / النمل۔ ۲۷ : ۶۰ / لقمٰن۔ ۳۱ : ۱۰ / یٰسٓ۔ ۳۶ : ۳۶ / الصٰفّٰت۔ ۳۷ : ۱۴۶ / قٓ۔ ۵۰ : ۷، ۹ / الحدید۔ ۵۷ : ۲۰ / نوح۔ ۷۱ : ۱۷ / النبا۔ ۷۸ : ۱۵ / عبس۔ ۸۰ : ۲۷

☆ ۳۸ - التین۔ ۹۵ : ۱ - ۳

☆ ۳۹ - عبداللہ العمادی۔ تحکمات۔ مطبوعہ روز بازار سٹیم پریس، امرتسر۔ ۱۹۱۳ء۔ ص ۸۸، ۸۹

☆ ۴۰ - یاقوت حموی۔ معجم البلدان۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۳۔ ۱۳۲۳ھ۔ ص ۴۲۳ / جلد ۲۔ ص ۹۹، ۴۳۵، ۴۳۶

☆ ۴۱ - عبدالحق حقانی۔ تفسیرِ حقانی (اردو) دارالاشاعت دہلی۔ ۱۳۴۳ھ

☆ ۴۲ - عبدالماجد دریابادی۔ ترجمہ و تفسیر القرآن الحکیم۔ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ

☆ ۴۳ - عبداللہ یوسف علی۔ میننگ آف گلوریس قرآن

☆ ۴۴ - اقتدار فاروقی۔ نباتاتِ قرآن (ایک سائنسی جائزہ) مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۸۹ء۔ ص ۵۹، ۶۰

☆ ۴۵ - النور۔ ۲۴ : ۳۵

☆ ۴۶ - بلاکو، این ڈبلیو۔ دی ایکسٹرا فارما کوپیا۔ مطبوعہ لندن۔ ۱۹۷۲

☆ ۴۷ - الحشر۔ ۵۹ : ۵ / النساء۔ ۴ : ۵۳، ۱۲۴ / فاطر۔ ۳۵ : ۱۳ / الانعام۔ ۶ : ۹۵ / یٰسٓ۔ ۳۶ : ۳۹ / اللھب۔ ۱۱۱ : ۵ / القمر۔ ۵۴ : ۲۰

☆ ۴۸ - نباتاتِ قرآن۔ ص ۲۹، ۳۰

☆ ۴۹ - اس باغ میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں سے لگائے گئے کھجور کے دو درخت ۱۹۷۵ء تک زیارت گاہِ عوام و خواص بنے رہے۔ ۱۹۷۶

میں یہ دونوں درخت اس لیے جلا دیئے گئے کہ لوگ ان کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ ابوالنصر منظور احمد شاہ لکھتے ہیں۔ "ان جلے ہوئے تنوں کو دیکھ کر سیدی علامہ احمد سعید کاظمی جی بھر کر روئے اور ہم سب کو رُلایا۔ ان پودوں کی کھجوریں خاصی مہنگی ملتی تھیں۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ تبرک لے جاتے۔ میں بھی دو دانے لایا"۔ (مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۳۰۹، ۳۱۰)

☆ ۵۰ - امام بخاری نے اس واقعہ کو تاریخ میں نقل کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے ابنِ عباس سے اس کی روایت کی ہے (سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی / معجزاتِ نبویؐ از علامہ شبلی نعمانی ------ ناشر "اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور" نے غلطی سے شبلی کا نام بطورِ مصنف چھاپ دیا ہے، تحریر سید سلیمان ندوی کی ہے۔ اور سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد سوم میں ہے۔ محمود)

☆ ۵۱ - معین واعظ کاشفی۔ معارجُ النبوت۔ جلد سوم (اردو ترجمہ از حکیم محمد اصغر فاروقی و اقبال احمد فاروقی) ص ۶۳۰

☆ ۵۲ - سیرتِ حلبیہ جلد اول۔ بحوالہ شہادتِ کائنات از مفتی محمد شفیع۔ ص ۴۳

☆ ۵۳ - شہادتِ کائنات۔ ص ۴۲، ۴۳

☆ ۵۴ - غلام جیلانی برقؔ، ڈاکٹر۔ دو قرآن۔ ص ۹۵

☆ ۵۵ - جامع ترمذی۔ ذکرِ معجزات بروایتِ حسن / سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی

☆ ۵۶ - لبنانی سکالر شیخ مصطفیٰ غلاینی اور خواجہ حسن نظامی نو برس لکھتے ہیں (سیرت المختارؐ۔ مترجم ملک غلام علی۔ ص ۲۹ / میلاد نامہ و رسولِؐ بیتی۔ ص ۳۲) بعض نے دس برس لکھی ہے (ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم از قاری شریف احمد۔ ص ۲۸) بعض بارہ سال کے قائل ہیں (غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۶۳) ابنِ جوزی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بارہ سال، دو ماہ، دس دن لکھتے ہیں (تلقیح الفہوم۔ ص ۷ بحوالہ الرحیق المختوم۔ ص ۱۰۷ / سیرتُ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مترجم خلیفہ محمد عاقل۔ ص ۲۱)

☆ ۵۷ - سیرتِ ابنِ ہشام (عربی) جلد اول مطبوعہ مصر۔ ص ۶۳ / حافظ ابنِ حجر بحوالہ سیرتُ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم از شبلی نعمانی۔ جلد اول۔ ص ۲۰۵، ۲۰۶ / طبری ص ۱۱۳۶ مطبوعہ جرمن۔ بحوالہ اسوۂ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم از سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی۔ جلد دوم۔ ص ۵۹ / عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (اردو ترجمہ) ص ۳۹ / صفی الرحمٰن مبارکپوری۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۰۸ / محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرتُ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ ص ۸۹ / انوارِ محمدیہؐ (المواہب اللدنیہ کی تلخیص) ص ۵۳ / محمد رضا، شیخ۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مترجم محمد عادل قدوسی۔ ص ۵۱

☆ ۵۸ - سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم۔ از سید سلیمان ندوی

☆ ۵۹ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۸۸-۱۹۰

☆ ۶۰ - معارج النبوت (اردو ترجمہ) جلد سوم۔ ص ۵۹۸

☆ ۶۰ - الف -

ثمر آتے ہیں کس قوت سے اشجار ثمور میں
ہوا کرتا ہے باہم ربط کیونکر مادہ و نر میں

(شوقؔ قدوائی۔ مثنوی۔ "سائنس اینڈ ریلیجن" ص ۱۹)

☆ ۶۱ - معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۹۳

☆ ۶۲ - صحیح بخاری (باب علامات النبوت) مسندِ احمد، ترمذی، ابو یعلیٰ، ابنِ ماجہ، دارمی (معجزات) نسائی (باب خطبۃ الجمعہ)

☆ ۶۳ - شاہ عبدالغنی قادری چشتی نظامی نیازی، پروفیسر۔ تجلیاتِ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ادارہ نورُ العرفان رجسٹرڈ کراچی۔ ۸۰-۱۹۷۹۔ ص ۱۵۶، ۱۵۷



عالمِ حیوانات

خالق و مالکِ عوالم اور ربُّ العالمین (جلّ جلالہٗ) نے جانوروں کی ایک بہت بڑی دنیا تخلیق فرمائی ہے۔ دنیا میں کروڑوں' اربوں قسم کے حیوانات موجود ہیں۔ ان کی ہر نسل کی خصوصیات الگ ہیں' ان کی شکل و صورت مختلف ہے' ان کی عادات علیحدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نظامِ خلق کے حوالے سے ان کی تخلیق میں تنوّع کی صورتیں رکھی ہیں اور ان کی زندگیوں کو ایک خاص سسٹم سے چلانے کے لیے ایک نظامِ رحمت ترتیب دیا ہے جسے رحمۃ للعالمین کہتے ہیں۔

علمِ حیوانات (زوالوجی) حیاتیات کی ایک شاخ ہے جس میں جانوروں کی زندگی سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی کئی شاخیں ہیں۔ علم اشکالُ الاعضاء میں جانوروں کی ساخت' ڈھانچے' جسم کے مختلف حصص و اعضا اور ان کے باہمی تعلق سے بحث کی جاتی ہے۔ علم الجنین' بیضہ سے لے کر بلوغت تک' جانوروں کی نشو و نما سے بحث کرتا ہے۔ علمِ اعمال و افعالِ اعضا' نظامِ ہضم' نظامِ تنفّس' اعصاب' ہارمونز اور غدود سے بحث کرتا ہے۔ علمِ معیشتِ حیوان' جانوروں کے باہمی تعلق اور ان کے ماحول سے بحث کرتا ہے۔ علمِ نظامِ تقسیم کے ذریعے جانوروں کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ (۱)

انسان کو حیوانِ ناطق کہتے ہیں' مشہور شاعر شوق قدوائی انسان کو علمِ حیوانات کی تحصیل پر یوں اکساتے ہیں۔

اگر دنیا میں ہو تم علمِ حیوانات سے غافل
تو گویا دشتِ ہستی میں ہو اپنی ذات سے غافل
شرف حیوانِ ناطق پر ہے گو انسان ہونے سے
تو کیا منکر ہو ناطق ہو کے تم حیوان ہونے سے (۲)

تمام حیوانات و نباتات جسمانی اعتبار سے لاتعداد ننھے ننھے خوردبینی خانوں کا مجموعہ ہوتے ہیں جن کو حیاتیات کی اصطلاح میں خلیے کہتے ہیں۔ ان خانوں میں ایک متحرک اور لیس دار مادہ بھرا رہتا ہے جس کو اصطلاح میں نخزمایہ یا پروٹوپلازم کہتے ہیں۔ زندگی کا وجود اور اس کا انحصار اسی مادے کے وجود اور اس کی حرکت پر موقوف ہے۔ تمام حیوانات کی ابتدا ایک خلیہ سے ہوتی ہے جو بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد کروڑوں اربوں تک جا پہنچتی ہے۔ کسی بھی جاندار کے تمام اعضا انہی خلیوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو مختلف انواعِ حیات میں مختلف شکل و صورت کے ہوتے ہیں۔ (۳)

مثلاً ہائیڈرا ایک چھوٹا سا کثیر خلوی حیوان ہے جو تازہ پانی کے گڑھوں' جوہڑوں' خندقوں' تالابوں میں پایا جاتا ہے۔ ہائیڈرا غایت درجہ حساس ہے۔ اگر کوئی چیز اس سے چھوتی ہے یا اسے کوئی جھٹکا لگتا ہے تو وہ فوراً سکڑ جاتا ہے۔ اگر اس کے کسی ایک گھیرے کو سُوئی سے خفیف طور پر چھوا جائے تو وہ اس گھیرے کو سکیڑ لیتا ہے اور اسے پرے ہٹا لیتا ہے۔ مینڈک کو تو ہم عام زندگی میں دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ اپنی ٹانگوں کے دونوں جوڑوں کے ذریعہ سے زمین پر رینگتا ہے مگر عام طور پر اپنی پچھلی ٹانگوں کی مدد سے ادھر اُدھر پُھدکتا پھرتا ہے۔ اس کا جسم دو جانبی تشاکل ہے یعنی صرف ایک ہی مستوی میں جو حیوان کے طولی محور سے گزرتا ہے' دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۴)۔ انہیں اور دوسرے تمام رینگنے والے' پھدکنے والے' چلنے والے' دوڑنے اور چھلانگ لگانے والے اور اڑنے والے جانوروں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے الگ الگ خاصیتیں پیدا کی ہیں' ان کی منفرد شکلیں ہیں' ان کی خاص عادتیں ہیں اور ان کے جسم اور زندگی کا نظام' رحمت کے ایک وسیع نظام سے منسلک ہے اور اسی کے مطابق چلتا ہے۔

دودھ پلانے والے جانوروں (جن میں انسان بھی شامل ہیں) کے ریڑھ کی

بڑی ہوتی ہے اور تقریباً سب کے جسم پر تھوڑے بہت بال ہوتے ہیں۔ بعض ممل انڈے دیتے ہیں' بعض کے پیٹ میں تھیلیاں ہوتی ہیں (۵)۔ ان تمام حیوانوں اور دوسرے جانداروں (۵۔ الف) میں عجیب و غریب عادات پائی جاتی ہیں' ان کی زندگی گزارنے کا جو طریقہ ان کی تخلیق میں رکھ دیا گیا ہے' وہ اسی ڈھرّے پر اپنی زندگی بتاتے ہیں مثلاً ہم یہ تو جانتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے کے اندر پرورش پاتا ہے اور اس کے ٹوٹنے سے باہر آ جاتا ہے لیکن ہم میں سے کم لوگ جانتے ہیں کہ ۲۱ روز کی مدت پوری ہونے والی ہوتی ہے تو مرغی کا بچہ جو گوشت کے لوتھڑے سے زیادہ نہیں ہوتا' انڈے کے مضبوط خول سے باہر کیسے آ جاتا ہے۔ صورت یہ ہے کہ اس وقت بچے کی چونچ پر ایک چھوٹی سی سینگ ظاہر ہوتی ہے (۶) اس کی مدد سے وہ اپنے خول کو توڑ کر باہر آ جاتا ہے۔(۷)

جانوروں کی جبلتوں کے بارے میں چند دلچسپ مثالیں دیکھیں اور محسوس کریں کہ یہ سب قانون فطرت کا تقاضا نہ ہوتا' یا دوسرے لفظوں میں اللہ کریم کا مرتّب کردہ نظامِ رحمت جانوروں کو یہ سب کچھ نہ سکھاتا' تو کیا ہوتا۔ کریسی موریسن کہتا ہے "مرغابیاں ہر موسم سرما میں شمالی برفستانوں سے پرواز کرتی اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے اڑتی ہوئی ہمارے میدانوں میں پہنچ جاتی ہیں اور ہماری جھیلوں اور تالابوں کے نیستانوں میں سردیاں بسر کر کے بہار آتے ہی اپنے وطنوں کا رخ کر لیتی ہیں۔ کچھ یہی کیفیت پیغام رساں کبوتروں کی ہے۔ آپ ایسے کبوتر کو پنجرے یا کابک میں بند کر کے موٹر یا ریل کے ذریعے سینکڑوں میل دور لے جائیں۔ جب آپ اسے چھوڑیں گے تو وہ فضا میں دو چکر لگائے گا۔ گویا اندازہ کر رہا ہے کہ میں کہاں ہوں اور پھر تیر کی طرح اپنے گھر کا رخ کرے گا اور سیدھا وہیں پہنچ جائے گا۔ یہی جبلت شہد کی مکھی کو قدرت نے بخشی ہے کہ اپنے چھتے سے نکل کر دور دور تک پھولوں کی تلاش میں جاتی ہے اور پھر اپنے ٹھکانے پر لوٹ آتی ہے"۔ (۸)

اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی ساخت میں اپنی رحمت کے سبب اس بات کا

اہتمام رکھا ہے کہ انھیں ماحول کے مطابق اعضاء و آلات دیئے جائیں۔ جیسے پرندوں کی چند ہڈیاں صرف گیس سے پر ہوتی ہیں تاکہ ہوا میں اپنا بوجھ آسانی سے اٹھا سکیں۔ مینڈک کی وہ تھیلی جو پانی میں تیرنے کے کام آتی ہے' خشکی پر پھیپھڑے کے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی لاکھوں انواع بنائیں' ہر نوع کے افراد لاتعداد تعداد میں پیدا کیے اور ہر نوع کا رنگ' شکل' ہیئت وغیرہ دوسری نوع سے مختلف رکھی مثلاً بعض حیوانات چلتے نہیں لوٹتے ہیں' بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں' بعض دوڑتے ہیں' بعض دو پروں سے اور بعض چار پروں سے اڑتے ہیں۔ بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں' بعض کے چار' بعض کے چھ اور بعض کے اس سے بھی زیادہ۔ (۹)

ایم ایم منکاف کہتے ہیں۔ "اگر ہم حیات پر ایک متجسسانہ نظر ڈالیں تو جو چیز ہمیں سب سے زیادہ متاثر کرے گی' وہ ہے حیات کا ماحول سے نباہ۔ مثلاً مچھلی کو دیکھیے' اسے پانی میں رہنے اور تیرنے کے لیے تمام وہ سازوسامان عطا ہوا جس کی اسے ضرورت تھی۔ مثلاً لمبوترا جسم جو پانی کو بآسانی چیر سکے۔ آگے کو دھکیلنے والی دُم۔ دائیں بائیں دو چپو۔ توازن قائم رکھنے کے لیے ایک بلیڈر۔ سانس لینے کے لیے گلپھڑے اور ایسی ہی کئی دیگر اشیا۔ پرندوں پر نظر ڈالیے' انھیں بھی وہ تمام چیزیں ملیں جو انھیں درکار تھیں۔ مثلاً ہوا کی ایک تھیلی۔ گرم گیس سے پُر کھوکھلی ہڈیاں اور باہم مربوط پنکھ۔ یہ بے شمار حشرات' گھونگے اور کیڑے اپنے ماحول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔

جب کوئی جانور ایک طرز حیات کو چھوڑ کر دوسرا طرز حیات کو اختیار کرتا ہے تو وہ ماحول سے نباہ کا انداز بھی بدل لیتا ہے۔ مینڈک کا بچہ جب تک پانی میں رہتا ہے' مچھلی کی طرح گلپھڑوں سے سانس لیتا ہے اور جب وہ خشکی پر آتا ہے تو اس کا وہ بلیڈر جس سے وہ تیرنے میں مدد لیتا تھا' پھیپھڑا بن جاتا ہے"۔ (۹۔ الف)

اپنی اپنی خصوصیات کے اعتبار سے خشکی پر رہنے والے بہت سے جانور قمری یا شمسی ادوار میں اپنی نسل بڑھاتے ہیں۔ بھارت اور یوگنڈا میں پائے جانے والے

بعض کیڑے پورے چاند کی رات اپنے انڈے سیتے ہیں۔ ملایا کے جنگلوں میں رہنے والے خاص قسم کے چوہے صرف چودھویں کی رات میں باہر نکلتے ہیں۔ قطبِ شمالی کے علاقے میں ہر تین یا چار سال کے بعد لیمنگ (کترنے والے جانوروں) کی نسل میں اضافہ ہوتا ہے تو وہاں لومڑ اور برفانی اُلو بھی کافی تعداد میں نظر آنے لگتے ہیں۔ (۱۰)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا' ایک شخص راہ چلتا تھا' اسے سخت پیاس لگی۔ کنواں ملا۔ کنوئیں کے اندر اتر کر اس نے پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان باہر نکالے پیاس کے مارے نمناک زمین کو چاٹ رہا ہے۔ وہ پھر کنوئیں میں اترا۔ اپنا موزہ پانی سے بھر کر لایا اور کتے کو پلایا۔ خدا نے اس عمل کو قبول فرما کر اس شخص کو بخش دیا۔ (۱۱)

حضور حبیبِ کبریا علیہ السلام والثنا کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا تو وہ دوسرے عوالم کی طرح عالمِ حیوانات کے لیے بھی رحمت ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہمیں بھی جانوروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی اور اس کے لیے اجرِ عظیم کا اعلان فرمایا۔ خود حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جانوروں کی بات سنی' ان سے درود و سلام وصول فرمایا' ان کی فریاد سنی اور مدد فرمائی۔ اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عالمِ حیوانات کے لیے بھی اسی طرح رحمت بنا کر بھیجے گئے جس طرح عالمِ انسانیت یا باقی عالمین کے لیے۔

اونٹ ایسا جانور ہے جس کے بغیر عربوں کی زندگی کے رواں دواں ہونے کا تصور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اونٹ کی خلقت پر غور کرنے کی اہمیت فرمائی ہے (۱۲) سُنن نسائی' مُسندِ احمد' طبرانی' بیہقی' کتابُ الشفا' البدایہ والنہایہ اور الخصائص الکبریٰ میں لفظی اختلافات کی وجہ سے ایک انصاری کے ایک اونٹ کے ایک واقعے کو متعدد واقعات بنا دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اونٹ باؤلا ہو گیا یا سرکشی کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر کی گئی اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آگے بڑھے تو اونٹ

نے آپ کے سامنے گردن ڈال دی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اسے پکڑ کر اس کے مالک کے حوالے کر دیا۔ (۱۳)

ایک اور اونٹ کا یہ واقعہ سب کتابوں میں ملتا ہے کہ اس نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اس کے مالک کو بلا کر سمجھایا کہ اسے بھوکا نہ رکھا کرو اور اسے تکلیف نہ دیا کرو (۱۴)۔ "سیرتِ دحلانیہ" میں ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی عمر مبارک ۱۹ برس تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چچا جان حضرت زبیر بن عبدالمطلبؓ کے ساتھ یمن کا سفر کیا۔ راستے میں ایک سانڈ اونٹ کسی کو وادی سے گزرنے نہ دیتا تھا۔ اس نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا تو زمین پر بیٹھ کر زمین کو سینے سے رگڑنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی خواہش کی پذیرائی فرمائی اور اس پر سواری فرمائی (۱۵)۔ "مدارجُ النبوت" میں قربانی کے ان اونٹوں کا ذکر ہے جن میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے اسے ذبح فرمائیں۔ (۱۶)

عضبا اونٹنی کا واقعہ کتابوں میں موجود ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کیا اور اپنا احوال بیان کیا اور بتایا کہ گھاس' جنگل کے درندے اور پرندے' سب اس کے بارے میں کہتے تھے کہ محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اونٹنی ہے اور ان کے سوا اس پر کوئی سواری نہیں کر سکتا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال فرمایا تو عضبا نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور جلد ہی جان دے دی۔ مُلّا معین واعظ کاشفی لکھتے ہیں' سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اسے کفن کے ساتھ دفن کیا لیکن تین دن کے بعد قبر کھدوائی تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ (۱۷)

مطلب یہ ہے کہ حیوانات کے عالم کے لیے بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں' اسی لیے مالک اونٹ کو بھوکا رکھتا تھا تو اونٹ نے شکایت کی اور اس کا ازالہ ہوا۔ اونٹ سرکش یا باؤلا تھا' لیکن جس نظامِ رحمت کے

تحت اس کی زندگی گزرتی تھی' اگر وہی نظامِ رحمت اسے صحت مند یا معتدل مزاج کرنا چاہے تو وہ کیسے ٹھیک نہ ہو۔ جن حیوانات کو احساس ہوا کہ ان کی زندگیاں بھی رحمۃ للعالمین کی مرہونِ منت ہیں' وہ اگر انہی ہاتھوں سے ذبح ہونے کی خواہش کریں تو اس میں تعجب کیسا۔

بکری اگرچہ بھیڑ کی قسم سے ہے لیکن اس سے زیادہ چست و چالاک اور سخت جان ہوتی ہے۔ چونکہ یہ جانور ہے' اس لیے اس احساس سے عاری ہے جو انسان کو ودیعت ہے' اگر دودھ دینے کی کیفیت میں ہے تو اس کا دودھ دوہا جا سکتا ہے لیکن اگر دودھ نہ دیتی ہو یا بھوک یا کسی اور وجہ سے دودھ خشک ہو گیا ہو تو دودھ حاصل نہیں کیا جا سکتا مگر حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کئی بار ایسی بکریوں کا دودھ نکالا جو دودھ نہیں دیتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سراپا مبارک بیان کرنے والی پہلی خاتون اُمِّ معبد عاتکہؓ کی بکری کا واقعہ بھی' ہجرت کے راستے کے حوالے سے بہت مقبول ہے (۱۸) اور بھی کئی واقعات منقول ہیں۔ مُسندِ احمد بن حنبل کے حوالے سے ہے' حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری کے باغ میں بکریوں نے حضور علیہ التحیۃ والثنا کو سجدہ کیا (۱۹)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کی بھیڑوں کی پہچان کے لیے ان کے کانوں پر اپنی انگشتِ مبارک لگائی تو وہاں سفیدی ظاہر ہو گئی۔ "شرفُ النبیؐ" میں ہے کہ اب تک اس نسل کی ہر بھیڑ کے کانوں کے پاس سفیدی ہوتی ہے (۲۰)۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی گود میں تھے۔ ان کی بکریاں قریب سے گزریں تو ایک بکری نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمبارک چوما اور پھر بکریوں سے جا ملی (۲۱)۔

احمد بن زینی دحلان' امام شعرانی کی کتاب **"لواقح الانوار القدسیہ فی قواعد السادتہ الصوفیہ"** کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام شعرانی کے پاس ایک شخص بکری کا بُھنا ہوا سر لے کر آیا تو انہوں نے بخطِ خداوندی اس کے ماتھے پہ یہ

لکھا ہوا دیکھا۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسولہ ارسلہ بالھدی دین الحق یھدی بہ من یشاء و یضل بہ من یشاء** (۲۲)۔

۱۹۷۹ء میں عیدِ قربان کے تیسرے روز جمشید پور (انڈیا) میں عبدالغفور کنٹریکٹر نے ایک خصّی بکرے کی قربانی کی۔ اس کا پیٹ چاک کیا گیا تو معدے کی بالائی سطح پر' اوپر "عبداللہ" اس کے متصل ہی خانۂ کعبہ کی ایک شبیہ' درمیان میں احمدؐ اور نیچے کے دونوں کناروں پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ اس کے دوسرے اور تیسرے دن بہار اور بنگال کے انگریزی' ہندی اور اردو روزناموں میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کی خبر شائع کی گئی (۲۳)۔

ہم جانتے ہیں کہ بکریوں' بھیڑوں یا دوسرے جانوروں کا قدرتی رنگ کسی کے ہاتھ لگنے سے تبدیل نہیں ہو سکتا' کوئی بکری کسی کا ماتھا نہیں چومتی' اسے سجدہ نہیں کرتی' کسی بکری کے بُھنے ہوئے ماتھے پر (یعنی بالوں کے نیچے جلد پر) کلمہ شریف اور قرآنی آیات کا ملنا اور بکرے کے معدے کی بالائی سطح پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے والدِ مکرم کا اسمِ گرامی اور کعبۃ اللہ کی تصویر کندہ ہونا تحیّرات میں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کے تحت قائم شدہ نظامِ رحمت سے یہ سب کچھ بعید نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالمِ حیوانات کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور اس تصرُّف سے جو انہیں اللہ کریم نے عطا کیا' یہ سب کچھ ممکن ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین کی عظمت و اہمیت دلوں پر بٹھانے کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ معجزات دکھانے کا اہتمام فرماتا ہے۔

ہرن دنیا کے کئی ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ جلال انور نیل گائے کو بھی اسی قبیلے میں شمار کرتے ہیں اور سیاہ ہرن' غزال' سانبھر' گورال' چیتل وغیرہ کی خصوصیات بیان کرتے ہیں (۲۴) ہرن کی انتہائی رفتار ۳۵ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ ہرن کا قد شانہ کے اوپر عموماً "۳۲ انچ ہوتا ہے۔ نتھنوں سے دُم کی جڑ تک جسم کی اوسط لمبائی تقریباً چار فٹ اور دم عموماً سات انچ لمبی ہوتی ہے (۲۵)۔

ظاہر ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح ہرن بھی باتیں نہیں کر سکتا لیکن حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہرنی نے باتیں بھی کیں، کلمہ بھی پڑھا، وعدے کے مطابق اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس بھی آ گئی۔ حضرت ام سلمہؓ، زید بن ارقمؓ اور انس بن مالکؓ سے یہ حدیث مروی ہے (۲۶)۔ ظاہر ہے کہ یہ حضور علیہ السلام والثنا کی رحمۃ للعالمینی ہی کے سبب ہوا۔

رینگنے والے جانوروں کی ایک قسم گوہ (سوسمار) ہے۔ یہ تین سے پانچ فٹ تک لمبا ہوتا ہے۔ اس کی کھال بہت کارآمد ہوتی ہے اور اس سے جوتے بنتے ہیں (۲۷)۔ جب یہ جانور بولنے لگتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ رحمت کا اس پر اثر انداز ہونا ہے۔ ابونعیم اور بیہقی حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی گوہ کا شکار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں لایا اور عرض کرنے لگا کہ میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ گوہ آپ سے کلام نہ کرے۔ حضور محسنِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوہ (سوسمار) سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں اور اپنے بارے میں سوال کیے اور اس نے ٹھیک ٹھیک جواب دیے تو اعرابی ایمان لے آیا (۲۸)۔

بھیڑیا گوشت خور جانوروں میں سے سب سے زیادہ موذی ہے۔ عموماً" اکیلا یا چھوٹے سے خاندان میں رہتا ہے البتہ موسمِ سرما میں اس کے بڑے بڑے گروہ، خوراک کی تلاش میں نکلتے ہیں اور بڑے ہرن اور گھوڑے تک مار گراتے ہیں۔ بھوکے ہوں تو انسان پر بھی حملہ کر دیتے ہیں (۲۹)۔ حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک چرواہا حرّہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آیا اور بکری کو دبوچ لیا۔ چرواہے نے ہمت سے کام لے کر بکری اس کے پنجے سے چھڑا لی تو بھیڑیا کتے کی طرح اپنی دم پر بیٹھ گیا اور چرواہے سے کہنے لگا کہ خدا نے مجھے رزق دیا مگر تو نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ چرواہے نے اسے انسانوں کی طرح باتیں کرتا دیکھ کر تعجب کیا تو

بھیڑیے نے کہا کہ میں تجھے اس سے عجیب بات بتاتا ہوں کہ حرمین کے درمیان اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رہتا ہے اور لوگوں کو گزرے ہوئے زمانے کی باتیں بتاتا ہے۔ وہ چرواہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بتا کر ایمان لے آیا۔ واقدی کے بقول اس کا نام اہبان بن اوس اسلمی تھا (۳۰)۔ بھیڑیے کے نظام میں جو خونخواری رکھ دی گئی ہے، اس کا موذی ہونا بھی جس طرح مسلّم ہے، ان سب عادات کے مقابلے میں اللہ کا نظامِ رحمت بہرحال طاقتور ہے اور اس حوالے کے سامنے کوئی اور طاقت نہیں ٹھہرتی۔

شیر بہت طاقتور اور غصیلا درندہ ہے۔ عام شیر کا قد تقریباً" ۵ فٹ ہوتا ہے اور بدن پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ ہر شیر کی گردن پر ایال ہوتی ہے اور اس کے جسم کا اگلا حصہ پچھلے حصے کی نسبت زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ سائبیریا کے شیر ۱۳ فٹ تک لمبے ہوتے ہیں اور ۶۵۰ پونڈ تک وزنی ہوتے ہیں (۳۱)۔ ایک دفعہ گوالیار میں ایک شیر مارا گیا تھا جو ناک سے دم تک ۱۱ فٹ اور ساڑھے ۵ انچ لمبا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں آج تک اس سے بڑا شیر نہیں پایا گیا۔ عام طور پر شیر کی لمبائی سوا نو فٹ ہوتی ہے (۳۲)۔

یہ تو ہے کہ شیر اگر بھوکا نہ ہو تو انسان کی چیر پھاڑ نہیں کرتا لیکن حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری تو اس پر واجب ٹھہرتی ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں چراتے ہوئے عالمِ طفلی میں نبی الانبیا علیہ الصلوٰۃ والثنا درندوں سے پُر جنگل میں تشریف لے گئے۔ ایک شیر جنگل سے غرّاتا ہوا ریوڑ کی طرف آیا لیکن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی کتے کی طرح آپ کے قدموں میں لوٹنے اور پیر چاٹنے لگا۔ آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ مبارک سے ایک طرف اشارہ کیا تو وہ فوراً ادھر چلا گیا (۳۳)۔

بیہقی، الاصابہ اور تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ عتیبہ بن ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا

مانگی "اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے" وہ اور لوگوں کے ہمراہ کہیں گیا۔ ایک رات جو سوئے تو جنگل سے ایک شیر آیا۔ سب کے چہروں کو سونگھ کر عُتیبہ کی شناخت کی اور اسے چیر پھاڑ ڈالا (۳۴)۔

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننا تو خیر شیر کی جبلت میں داخل ہو گا کہ اس کی زندگی بھی تو نظامِ رحمت کے سائے میں گزرتی ہو گی۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں' علامہ سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں اور بیہقی اور حاکم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک غلام حضرت سفینہؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہیں ایک جزیرے پر موجود جنگل میں شیر نے آگھیرا تو انہوں نے اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں حضور رسولُ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غلام ہوں۔ یہ سن کر شیر نے اپنا سرِ نیاز جھکا دیا اور انہیں ساتھ لے کر راستے پر ڈال آیا (۳۵)۔

اگر جانور بھی اپنے آقا و مولا' ہر کائنات کے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کو پہچانتے ہیں' جن کی رحمت نے ان کے وجودوں کو ترتیب بخشی ہے اور تنظیم عطا کی ہے' ان سے واقف ہیں تو پھر اس واقعے میں بھی حیرت و استعجاب کی کوئی گنجائش نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اسمِ گرامی سُن کر اور یہ جان کر کہ اس سے بات کرنے والا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی پر مفتخر شخص ہے' شیر نے حضرت سفینہؓ کے سامنے عجز سے گردن جھکا دی۔

ان چند واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوبِ کریم (علیہ الثناء والتسلیم) کے لیے عالمِ حیوانات کو بھی مسخر کر رکھا تھا۔ اور' جب تک کوئی عالم تسخیر نہ ہو' اس میں موجود ہر اکائی کو اس کی ضرورت کے مطابق رحمت پہنچانے کا فریضہ کیسے ادا ہو سکتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر عالم کی اکائی کو اپنی رحمت سے مستفید فرماتے ہیں تو نظام قائم ہے۔

قرآنِ مجید میں جن حیوانات کا ذکر آیا ہے' اُن کے نام یہ ہیں:

ابل - اونٹ (۳۶) بعیر - اونٹ (۳۷) بُدن - قربانی کے اونٹ یا گائے (۳۸) جمل

- اونٹ (۳۹) حام۔ حامی - ایک قسم کا سانڈ اونٹ (۴۰)۔ رکاب۔ اونٹ۔ سواریاں (۴۱) ناقہ اونٹنی (۴۲) عشار۔ دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں (۴۳) وصیلۃ۔ مادہ بچے جننے والے اونٹنی (۴۴) بحیرۃ - کان پھٹی ہوئی اونٹنی (۴۴ الف) خیل۔ گھوڑے۔ سواری (۴۵) صافنات۔ اصیل گھوڑے (۴۶) رباط الخیل - ایسے گھوڑے جو سرحد پر چوکی پہرے کے کام آئیں (۴۷) جیاد - تیز رو گھوڑے (۴۸) موریات - ٹاپ مار کر آگ نکالنے والے گھوڑے (۴۹) مغیرات - تاخت کرنے والے گھوڑے (۵۰) عادیات - سرپٹ دوڑنے والے گھوڑے (۵۱) مسومہ۔ نشان زدہ گھوڑے (۵۲) حمار۔ حمیر - گدھا (۵۳) بغال - خچر (۵۴) فیل - ہاتھی (۵۵) ذئب - بھیڑیا (۵۶) خنزیر - سور (۵۷) وحوش - جنگلی جانور (۵۸) سبع - درندے (۵۹) بھیمۃ - چرندہ۔ چوپایہ (۶۰) انعام۔ مویشی (۶۱) بقرہ - گائے (۶۲) عجل - بچھڑا (۶۳) قرد - قردۃ - بندر (۶۴) کلب - کتا (۶۵) غنم - بکری (۶۶) معز - بکری (۶۷) ضان - بھیڑ (۶۸) نعجۃ - نعاج - دنبیاں۔ بھیڑیں (۶۹) ضامر - دُبلی سواریاں (۷۰) عجاف - موٹی تازی گائیں (۷۱) سمین - موٹا تازہ بچھڑا (۷۲) مستنفرہ - وحشت زدہ گدھے (۷۳) دابہ - چلنے والا' رینگنے والا' پیر رکھنے والا جانور (۷۴) ذی ظفر - کھُر والا جانور (۷۵) دواب رینگنے والے' پیروں سے چلنے والے جانور (۷۶) فرشا - چھوٹے قد کا جانور (۷۷) متردیہ - وہ جانور جو نیچے گر کر ہلاک ہو جائے (۷۸) جوارح - شکاری جانور (۷۹) حمولہ - بوجھ اٹھانے والے جانور (۸۰) من یمشی علی اربع - چوپائے (۸۱) من یمشی علی بطنہ - رینگنے والے جانور (۸۲) من یمشی علی رجلین - دو ٹانگوں والے جانور (۸۳) حنیذ - تلا ہوا بچھڑا (۸۴) مکلبین - سدھائے ہوئے شکاری جانور (۸۵) منخنقہ - گلا گھُونٹا ہوا جانور (۸۶) موقوذۃ - وہ جانور جو کسی ضرب سے ہلاک ہو جائے (۸۷) نطیحہ - سینگ سے مارا ہوا جانور (۸۸) ثعبان - سانپ (۸۹) جان - سانپ (۹۰) حیہ سانپ (۹۱) سلوٰی - بٹیر (۹۲) غراب - کوّا (۹۳) ھدھد - ایک موسمی پرندہ (۹۴) نحل - شہد کی مکھی (۹۵) فراش -

پروانے۔ پتنگے (۹۶) جراد۔ ٹڈی (۹۷) طیرا"۔ طیر۔ طائر۔ پرندہ۔ چڑیا (۹۸) عنکبوت۔ مکڑی (۹۹) ذباب۔ مکھی (۱۰۰) بعوضہ۔ مچھر (۱۰۱) حوت۔ مچھلی (۱۰۲) نون۔ مچھلی (۱۰۳) ضفادع۔ مینڈک (۱۰۴) نمل۔ چیونٹی (۱۰۵) قمل۔ چھوٹی چیونٹی (۱۰۶)

حواشی

☆ ۱۔ فیروز سنز اُردو انسائیکلوپیڈیا۔ تیسرا ایڈیشن۔ جنوری ۱۹۸۴۔ ص ۴۴۰

☆ ۲۔ شوقؔ قدوائی، منشی احمد علی۔ گنجینہ (مرتبہ عیش رامپوری) صدیق بک ڈپو، لکھنؤ۔ مثنوی سینس اینڈ ریلجن یعنی علم طبیعیات اور مذہب۔ ص ۹

☆ ۳۔ شہاب الدین ندوی، مولانا محمد۔ قرآن مجید اور دنیائے حیات (جدید سائنس کی روشنی میں چند حقائق) مجلس نشریات اسلام، کراچی۔ بار اول، ۱۹۸۸۔ ص ۳۶، ۳۷

☆ ۴۔ شیر احمد، شیخ۔ ابتدائی حیوان شناسی۔ شیخ سنز، لاہور۔ ایڈیشن چہارم ۱۹۸۷۔ ص ۹۸، ۱۱۲، ۲۴۳، ۲۱۵

☆ ۵۔ جین سٹراوڈ۔ بچوں کا انسائیکلوپیڈیا (مترجم سعید لخت) فیروز سنز۔ دوسری بار ۱۹۸۶۔ ص ۲۸

☆ ۵۔ الف۔ ذکریا بن محمد بن محمود القزوینی کی معرکۃ الآرا تصنیف "عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات" میں ایک سو تیس حیوانات کا ذکر ملتا ہے۔ حیوانات کو پانچ جماعتوں میں تقسیم کیا گیا۔ باربرداری کے حیوانات، مویشی، درندے، اڑنے والے حیوانات، خزندے اور حشرات وغیرہ۔ حمد اللہ مستوفی القزوینی کی "نزہۃ القلوب" میں حیوانات کی درجہ بندی اس طرح کی گئی ہے: خشکی کے حیوانات، سمندری حیوانات، ہوا میں اڑنے والے حیوانات۔ خشکی کے حیوانات کو مزید پانچ گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پالتو حیوانات، جنگلی حیوانات، درندے یا شکار کرنے والے حیوانات، زہریلے اور رینگنے والے حیوانات اور وہ حیوانات جو کسی حد تک انسان سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ۲۲۸ حیوانات کا ذکر ملتا ہے۔ (عطش درانی، ڈاکٹر۔ مرتب۔

"مسلمانوں کی سائنسی خدمات"۔ ص ۱۱۲۔ ۱۱۴۔ مضمون "حیاتیات" از ڈاکٹر محمد رمضان مرزا)

☆ ۶۔ سینگ مذکر ہے۔ مولانا وحید الدین خاں نے مونث لکھا ہے۔

☆ ۷۔ وحید الدین خاں، مولانا، مذہب اور سائنس۔ فضلی سنز، کراچی۔ ۱۹۸۴۔ ص ۳۷

☆ ۸۔ کریسی مور یسن۔ خدا ہمارے ساتھ ہے (مترجم صلاح الدین احمد) مطبوعہ لاہور۔ طبع دوم ۱۹۶۵۔ ص ۷۵

☆ ۹۔ غلام جیلانی برقؔ، ڈاکٹر۔ دو قرآن۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ س ن۔ ص ۴۴، ۱۲۷

☆ ۹۔ الف۔ غلام جیلانی برقؔ، ڈاکٹر (مرتب) عظیم کائنات کا عظیم خدا۔ ص ۱۳۵، ۱۳۶ (مضمون "کائنات کا حکیمانہ پلان اور حیوانات")

☆ ۱۰۔ اُردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور۔ اپریل ۱۹۸۱ (مضمون "حیاتیاتی گھڑی" از احمد الشمالی) ص ۱۲۷

☆ ۱۱۔ بخاری عن ابی ہریرہؓ۔ بحوالہ رحمۃ للعالمین از قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری۔ جلد اول۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ س ن۔ ص ۲۷۳، ۲۷۴

☆ ۱۲۔ الغاشیہ ۸۸ : ۱۷

☆ ۱۳۔ جلال الدین سیوطی۔ الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم (مترجمین راجا رشید محمود و سید حامد لطیف) حامد اینڈ کمپنی، لاہور۔ ص ۹۳ / نور بخش توکلی۔ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور۔ ص ۵۶ / قمر یزدانی، معجزاتِ خاتم المرسلینؐ۔ نذیر سنز پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۸۴۔ ص ۹۸ / شبلی نعمانی (؟) معجزاتِ نبویؐ۔ اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور۔ ص ۱۷۲ (یہ تحریر شبلی کی نہیں ہے، سید سلیمان ندوی کی ہے اور سیرتُ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جلد سوم سے لی گئی ہے)

☆ ۱۴۔ سُنن ابو داؤد۔ مُسند احمد / الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ ص ۹۵ / سیرت

رسولِ عربی۔ ص ۵۱۳ / شبلی۔ معجزاتِ نبوی۔ ص ۱۷۲، ۱۷۳ / عبدالمالک بن عثمان نیشا پوری۔ شرفُ النبیؐ (مترجم اقبال احمد فاروقی) ملک اینڈ کمپنی، لاہور۔ ۱۹۸۴۔ ص ۲۱۹ / احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسولؐ۔ علی ہجویری پبلشرز، لاہور۔ ص ۲۰۳ / معجزاتِ خاتم المرسلینؐ۔ ص ۹۹

☆ ۱۵ - احمد بن زین دحلان مکی، قاضی۔ سیرتِ دحلانیہ (مترجم صائم چشتی) چشتی کتب خانہ، فیصل آباد۔ پہلی بار ۱۹۸۶۔ ص ۲۹۳

☆ ۱۶ - عبدالحق محدث دہلوی، شیخ۔ مدارج النبوت۔ جلد اول۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔ ص ۳۴۴ / محمود احمد رضوی، سید۔ جامعُ الصفات۔ مکتبہ رضوان، لاہور۔ س ن۔ ص ۳۵

☆ ۱۷ - معین واعظ کاشفی، مُلّا۔ معارج النبوت فی مدارج الفتوت (مترجمین حکیم محمد اصغر فاروقی و اقبال احمد فاروقی) جلد سوم۔ مکتبہ نبویہ، لاہور۔ اشاعت دوم ۱۹۸۸۔ ص ۲۶۱ / شرفُ النبیؐ۔ ص ۱۷۰ / "نعت" (ماہنامہ) لاہور۔ خاص نمبر بعنوان "درود و سلام" حصہ سوم۔ دسمبر ۱۹۸۹۔ ص ۵۷ تا ۵۹ (مضمون "حیوانات بھی درود و سلام پڑھتے ہیں" از اظہر محمود ایڈیٹر ہفت روزہ "اخبارِ عام" لاہور)

☆ ۱۸ - الخصائص الکبریٰ (اردو ترجمہ) جلد دُوُم۔ ص ۹۷ - ۹۹ / معجزاتِ رسولؐ۔ ص ۲۰۴، ۲۰۵ / ولید الاعظمی۔ معجزاتِ سرورِ عالمؐ (مترجم حافظ محمد ادریس) حرا پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۸۔ ص ۹۳

☆ ۱۹ - معجزاتِ رسولؐ۔ ص ۲۰۶ / الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ ص ۹۹

☆ ۲۰ - شرفُ النبیؐ۔ ص ۲۴۳

☆ ۲۱ - علی بن برہان الدین الحلبی۔ السیرۃ الحلبیہ فی سیرۃ الامین المامون (عربی) الجلد الاول۔ دارالمعرفہ، بیروت۔ ص ۳۸ / عزیز الرحمٰن، مفتی۔ رسالتمابؐ۔ شہزاد پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۷۶۔ ص ۱۹ / محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی۔ س ن۔ ص ۱۳۹ / منظور احمد شاہ، ابوالنصر۔ مدینۃ الرسولؐ۔ مکتبۂ نظامیہ، ساہیوال۔ بار

اول ۱۹۸۴۔ ص ۱۹۲ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۱۷۱

☆ ۲۲ - سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۱۳

☆ ۲۳ - جامِ نور (ماہنامہ) کلکتہ۔ مارچ اپریل ۱۹۷۹۔ ص ۳ (پورا واقعہ ماہنامہ "نعت" لاہور کے خاص نمبر بعنوان "رسولؐ نمبروں کا تعارف" حصہ دوم، فروری ۱۹۸۹ میں شائع کیا گیا۔ ص ۹۹، ۱۰۰)

☆ ۲۴ - سیارہ ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور۔ اگست ۱۹۶۵۔ ص ۸۲، ۸۳

☆ ۲۵ - سائنس بچوں کے لیے (ماہنامہ) کراچی۔ دسمبر ۱۹۸۵۔ ص ۵۷۱، ۵۷۲ (مضمون "ہرن" از قطب یار جنگ)

☆ ۲۶ - البدایہ والنہایہ۔ جلد ششم۔ ص ۱۳۷۔ بحوالہ معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۲۳۸، ۲۳۹ / الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۰، ۱۰۱ / معجزاتِ رسولؐ۔ ص ۲۰۷ / جامعُ الصفات۔ ص ۴۴، ۴۵

☆ ۲۷ - فیروز سنز اُردو انسائیکلو پیڈیا۔ ص ۸۵۰

☆ ۲۸ - شرفُ النبیؐ۔ ص ۱۶۷، ۱۶۸ / جامعُ الصفات۔ ص ۳۶ / الخصائصُ الکبریٰ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۷ / معجزاتِ رسولؐ۔ ص ۲۱۲ / معجزاتِ خاتم المرسلینؐ۔ ص ۱۰۵

☆ ۲۹ - فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا۔ ص ۲۵۴

☆ ۳۰ - جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الشفا، مدارجُ النبوت جلد اول، سیرتِ رسولِ عربی بحوالہ معجزاتِ خاتم المرسلین، ص ۱۰۲، ۱۰۳ / سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۸۲، ۳۸۳ / الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۱ / معجزاتِ رسولؐ۔ ص ۲۱۱ / جامع الصفات۔ ص ۴۷

☆ ۳۱ - فیروز سنز اردو انسائیکلو پیڈیا۔ ص ۷۵۱

☆ ۳۲ - سیّارہ ڈائجسٹ۔ اگست ۱۹۶۵۔ ص ۸۱ (مضمون "شکار برِ صغیر پاک و ہند میں" از جلال انور)

☆ ۳۳ - محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۱۵۳

☆ ۳۴ - معجزاتِ سرورِ عالمؐ- ص ۳۰' ۳۱

☆ ۳۵ - الخصائص الکبریٰ- جلد دوم- ص ۱۰۷ / جامعُ الصفات- ص ۳۸ / معجزات خاتم المرسلینؐ- ص ۱۴۳ / معجزاتِ رسولؐ- ص ۲۳

☆ ۳۶ - الانعام- ۶ : ۱۴۴ / الغاشیہ- ۸۸ : ۱۷

☆ ۳۷ - یُوسُف- ۱۲ : ۶۵

☆ ۳۸ - الحج- ۲۲ : ۳۶

☆ ۳۹ - الاعراف- ۷ : ۴۰ / المرسلٰت- ۷۷ : ۳۳

☆ ۴۰ - المائدہ- ۵ : ۱۰۳

☆ ۴۱ - الحشر- ۵۹ : ۶

☆ ۴۲ - الاعراف- ۷ : ۷۳' ۷۷ / ھُود- ۱۱ : ۶۴ / الشعرا- ۲۶ : ۱۵۵ / القمر- ۵۴ : ۲۷ / الشمس- ۹۱ : ۱۳

☆ ۴۳ - التکویر- ۸۱ : ۴

☆ ۴۴ - وصیلہ (مادہ بچے جننے والے اونٹنی) المائدہ- ۵ : ۱۰۳

☆ ۴۴ الف - المائدہ- ۵ : ۱۰۳

☆ ۴۵ - آلِ عمران- ۳ : ۱۴ / الانفال- ۸ : ۶۰ / النحل- ۱۶ : ۸ / الحشر- ۵۹ : ۶

☆ ۴۶ - صٓ- ۳۸ : ۳۱

☆ ۴۷ - الانفال- ۸ : ۶۰

☆ ۴۸ - صٓ- ۳۸ : ۳۱

☆ ۴۹ - العادیات- ۱۰۰ : ۲

☆ ۵۰ - العادیات- ۱۰۰ : ۳

☆ ۵۱ - العادیات- ۱۰۰ : ۱

☆ ۵۲ - آلِ عمران- ۳ : ۴

☆ ۵۳ - البقرہ- ۲ : ۲۵۹ / الجمعہ- ۶۲ : ۵ / المدثّر- ۷۴ : ۵۰ / النحل- ۱۶ : ۸ /

لقمان- ۳۱ : ۱۹

☆ ۵۴ - النحل- ۱۶ : ۸

☆ ۵۵ - الفیل- ۱۰۵ : ۱

☆ ۵۶ - یُوسُف- ۱۲ : ۱۳' ۱۴

☆ ۵۷ - البقرہ- ۲ : ۱۷۳ / المائدہ- ۵ : ۳ / الانعام- ۶ : ۱۴۵ / النحل- ۱۶ : ۱۱۵

☆ ۵۸ - التکویر- ۸۱ : ۵

☆ ۵۹ - المائدہ- ۵ : ۳

☆ ۶۰ - المائدہ- ۵ : ۱ / الحج- ۲۲ : ۲۸' ۳۴

☆ ۶۱ - آلِ عمران- ۳ : ۱۴ / النساء- ۴ : ۱۱۹ / المائدہ- ۵ : ۱ / الانعام- ۶ : ۱۳۶' ۱۳۸' ۱۳۹' ۱۴۲ / الاعراف- ۷ : ۱۷۹ / یُونُس- ۱۰ : ۲۴ / النحل- ۱۶ : ۵' ۶۶' ۸۰ / الحج- ۲۲ : ۲۸' ۳۰' ۳۴ / المومنون- ۲۳ : ۲۱ / الفرقان- ۲۵ : ۴۴' ۴۹ / الشعرا- ۲۶ : ۱۳۳ / الفاطر- ۳۵ : ۲۸ / یٰسٓ- ۳۶ : ۷۱ / الزمر- ۳۹ : ۶ / الشوریٰ- ۴۲ : ۱۱ / الزخرف- ۴۳ : ۱۲ / محمدؐ- ۴۷ : ۱۲ / غافر- ۴۰ : ۷۹ / طٰہٰ- ۲۰ : ۵۴ / النازعات- ۷۹ : ۳۳ / عبس- ۸۰ : ۳۲ / السجدہ- ۳۲ : ۲۷

☆ ۶۲ - البقرہ- ۲ : ۶۷' ۶۸' ۶۹' ۷۰' ۷۱ / الانعام- ۶ : ۱۴۴' ۱۴۶ / یُوسُف- ۱۲ : ۴۳' ۴۶

☆ ۶۳ - البقرہ- ۲ : ۵۱' ۵۴' ۹۲' ۹۳ / النساء- ۴ : ۱۵۳ / الاعراف- ۷ : ۱۴۸' ۱۵۲ / ھُود- ۱۱ : ۶۹ / طٰہٰ- ۲۰ : ۸۸ / الذاریات- ۵۱ : ۲۶

☆ ۶۴ - البقرہ- ۲ : ۶۵ / المائدہ- ۵ : ۶۰ / الاعراف- ۷ : ۱۶۶

☆ ۶۵ - الاعراف- ۷ : ۱۷۶ / الکہف- ۱۸ : ۱۸' ۲۲

☆ ۶۶ - الانعام- ۶ : ۱۴۶ / الانبیاء- ۲۱ : ۷۸ / طٰہٰ- ۲۰ : ۱۸

☆ ۶۷ - الانعام- ۶ : ۱۴۳

☆ ۶۸ - الانعام- ۶ : ۱۴۳

☆ ۶۹ ـ صٓ ـ ۳۸ : ۲۳، ۲۴

☆ ۷۰ ـ الحج ـ ۲۲ : ۲۷

☆ ۷۱ ـ یوسف ـ ۱۲ : ۲۳، ۳۶

☆ ۷۲ ـ الذاریات ـ ۵۱ : ۳۶

☆ ۷۳ ـ المدثر ـ ۷۴ : ۵۰

☆ ۷۴ ـ البقرہ ـ ۲ : ۱۶۴ / الانعام ـ ۶ : ۳۸ / ھود ـ ۱۱ : ۶، ۵۶ / النحل ـ ۱۶ : ۴۹، ۷۹ /
سبا ـ ۳۴ / ۱۴ / فاطر ـ ۳۵ : ۴۵ / الشوریٰ ـ ۴۲ : ۲۹ / الجاثیہ ـ ۴۵ : ۴

☆ ۷۵ ـ الانعام ـ ۶ : ۱۳۶

☆ ۷۶ ـ الانفال ـ ۸ : ۲۲، ۵۵ / الحج ـ ۲۲ : ۱۸ / فاطر ـ ۳۵ : ۲۸

☆ ۷۷ ـ الانعام ـ ۶ : ۱۴۲

☆ ۷۸ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳

☆ ۷۹ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳

☆ ۸۰ ـ الانعام ـ ۶ : ۱۴۲

☆ ۸۱ ـ النور ـ ۲۴ : ۳۵

☆ ۸۲ ـ النور ـ ۲۴ : ۳۵

☆ ۸۳ ـ النور ـ ۲۴ : ۳۵

☆ ۸۴ ـ ھود ـ ۱۱ : ۶۹

☆ ۸۵ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳

☆ ۸۶ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳

☆ ۸۷ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳

☆ ۸۸ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳

☆ ۸۹ ـ الاعراف ـ ۷ : ۱۰۷ / الشعراء ـ ۲۶ : ۳۲

☆ ۹۰ ـ النمل ـ ۲۷ : ۱۰ / القصص ـ ۲۸ : ۳۱

☆ ۹۱ ـ طٰہٰ ـ ۲۰ / ۳۰

☆ ۹۲ ـ البقرہ ـ ۲ : ۵۷ / الاعراف ـ ۷ : ۱۶۰ / طٰہٰ ـ ۲۰ : ۸۰

☆ ۹۳ ـ المائدہ ـ ۵ : ۳۱

☆ ۹۴ ـ النمل ـ ۲۷ : ۲۰

☆ ۹۵ ـ النحل ـ ۱۶ : ۶۸

☆ ۹۶ ـ القارعہ ـ ۱۰۱ : ۴

☆ ۹۷ ـ الاعراف ـ ۷ : ۱۳۳ / القمر ـ ۵۴ : ۷

☆ ۹۸ ـ البقرہ ـ ۲ : ۲۶۰ / آلِ عمران ـ ۳ : ۴۹ / المائدہ ـ ۵ : ۱۱۰ / الانعام ـ ۶ : ۳۸
/ المائدہ ـ ۵ : ۱۰ / یُوسُف ـ ۱۲ : ۳۶، ۴۱ / النحل ـ ۱۶ : ۷۹ / الانبیاء ـ ۲۱ : ۷۹ / الحج ـ
۲۲ : ۳۱ / النور ـ ۲۴ : ۴۱ / النمل ـ ۲۷ : ۱۶، ۱۷، ۲۰، ۴۷ / سبا ـ ۳۴ : ۱۰ / صٓ ـ ۳۸
: ۱۹ / الواقعہ ـ ۵۶ : ۲۱ / الملک ـ ۶۷ : ۱۹ / الفیل ـ ۱۰۵ : ۳

☆ ۹۹ ـ العنکبوت ـ ۲۹ : ۴۱

☆ ۱۰۰ ـ الحج ـ ۲۲ : ۷۳

☆ ۱۰۱ ـ البقرہ ـ ۲ : ۲۶

☆ ۱۰۲ ـ الکہف ـ ۱۸ : ۶۱، ۶۳ / الصافات ـ ۳۷ : ۱۴۲ / القلم ـ ۶۸ : ۴۸ /
الاعراف ـ ۷ : ۱۶۳

☆ ۱۰۳ ـ الانبیاء ـ ۲۱ : ۸۷

☆ ۱۰۴ ـ الاعراف ـ ۷ : ۱۳۳

☆ ۱۰۵ ـ النمل ـ ۲۷ : ۱۸

☆ ۱۰۶ ـ النساء ـ ۴ : ۴۰ / یُونُس ـ ۱۰ : ۶۱ / سبا ـ ۳۴ : ۳، ۲۲ / الزلزال ۹۹ : ۷، ۸



عالمِ ارض

کروڑوں سال پہلے زمین سورج کے انتہائی گرم اور سمٹے ہوئے مادّے سے الگ ہوئی تو انسانی رہائش کے قابل نہ تھی۔ اس میں فوری طور پر زندگی کا آغاز نہ ہو سکتا تھا کیونکہ اس میں گرم پگھلا ہوا مادہ موجود تھا جسے ٹھنڈا ہو کر ٹھوس شکل اختیار کرنے میں کافی طویل وقت درکار تھا۔

تاریخِ ارضی کے قرآنی نظریے کے مطابق زمین کی تخلیق پہلے دو ادوار (ایّام) میں مکمل ہوئی۔ ان دو ادوار میں زمین اپنے مواد کی خصوصیات کے باعث اس قابل نہ تھی کہ جرثومۂ حیات جنم لیتا اور نشو و نما کے مراحل طے کر کے گلِ سرسبز کی صورت اختیار کرتا۔

زمین ابتداءً سورج سے جدا ہونے کے بعد ہائیڈروجن' نائٹروجن' لوہے' نکل' آکسیجن' کاربن' سلیکان' ایلومینیم اور متعدد دیگر اجزا پر مشتمل تھی۔ یہ مواد ٹھوس ہونا شروع ہوا تو بھاری اجزا مثلاً" لوہا اور نکل مرکز میں' ان سے کم بھاری اجزا مثلاً" سلیکان اور ایلومینیم اس مرکز کے اردگرد اور سب سے ہلکے اجزا مثلاً" ہائیڈروجن' نائٹروجن' کاربن اور آکسیجن وغیرہ سطحوں پر تہوں کی شکل میں جمع ہو گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان عناصر سے پائیدار مرکبات تیار ہوتے چلے گئے۔ مثلاً" آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ملاپ سے پانی بنا۔ "أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا " (۱) سے یہی کیمیائی عمل مراد ہے۔ گرینائٹ کی کثافت مخصوص بسالٹ کی نسبت کم ہے' اس لیے یہ مواد بسالٹ کی نسبت قدرے اونچا ہو کر تیرنے لگا۔ جب قشرِ ارض مکمل طور پر ٹھوس شکل اختیار کر گیا تو گرینائٹ کا مواد بسالٹ کی نسبت اونچائی پر ہی رہا۔ یوں'

رُوئے زمین پر اولین پہاڑی سلسلے رونما ہوئے (۲) قرآنِ پاک نے اس ارضیاتی عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ"۔ اور زمین پر بھاری پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ کہیں تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے۔ (۳)

اس آیۂ مبارکہ میں اس بات کا تصوّر ہے کہ شروع میں زمین جب بنی تو لاوا تھی۔ ہر طرف تھرتھراہٹ ہی تھرتھراہٹ تھی۔ زمین کا بیلنس صرف پہاڑوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ اس میں لنگر ڈال دیے گئے ہوں۔ شیخ سعدی کہتے ہیں:

زمیں از تپِ لرزہ آمد ستوہ
فرو کوفت بردامنش میخ کوہ

یعنی زمین جب کپکپی کے بخار سے عاجز آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دامن میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں۔ (۴)

آغازِ تخلیق سے زمین کے رہائش کے قابل ہونے تک کے مراحل کا ذکر شوق قدوائی یُوں کرتے ہیں:

ہوئی مدِنظر جب خلق کی بنیاد عالم میں
خدا نے پہلے پانی کو کیا ایجاد عالم میں
ہُوا پیدا حرارت پا کے' کف اس سے' بخار اس سے
جہاں میں مادّی ذرّات پھیلے بے شمار اس سے
وہی ذرات ہیں' تقسیم جن کی غیر ممکن ہے
وہ ہیں لیکن نہ ان کا حِس' نہ ان کی سَیر ممکن ہے
کیا پھر افتراق اس مادّے کا چند اجزا میں
رہا تفریق کی ڈالی سما میں اور اشیا میں
سما کے مادّے کو پھر دیا اوج اس نے پستی پر
بنایا اس سے شمس اور پھر بنائے شمس سے اختر

زمین کو شمس سے کاٹا پھر اس نے اپنی حکمت سے
کیا رہنے کے قابل پھر اسے پھیلا کے قدرت سے (۵)

نہج البلاغہ کے ایک خطبے میں خلقتِ زمین کے بیان میں حضرت علی المرتضیٰؑ فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے زمین کو ٹھہرایا ہے مگر کسی مقرر قرار گاہ پر نہیں' اور اسے بغیر ستونوں کے قائم کیا ہے اور بغیر دعاؤں کے بلند کیا ہے۔ ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے سماوات و ارض کو بغیر عمودوں کے پیدا فرمایا (۶)

زمین کے قریب ہوا کی مقدار زیادہ ہے لیکن جوں جوں اوپر اٹھتے جائیں' اس کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ فضا کے پہلے ۲۱ کلومیٹر میں آندھیاں چلتی ہیں' طوفان اٹھتے ہیں' بادل بنتے اور برستے ہیں اور موسمی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ بلندی پر ہوا اس قدر لطیف ہو جاتی ہے کہ انسان کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ بیس سے تیس کلومیٹر کے درمیان آکسیجن کی ایک اور قسم اوزان گیس پائی جاتی ہے۔ پچاس کلومیٹر بلندی پر قریباً وہی درجۂ حرارت ہوتا ہے جو سطحِ زمین پر ہے۔ ۵۰ سے ۸۸ کلومیٹر تک بلند فضا میں سورج سے خارج ہونے والی شعاعوں کے باعث برقی اثرات پائے جاتے ہیں۔ دو سو کلومیٹر بلندی پر ہیلیم گیس کی تہہ شروع ہوتی ہے۔ فضا کی آخری حد سطحِ زمین سے ۹۶۰۰ کلومیٹر بلندی پر مانی گئی ہے۔ کرۂ زمین کو فضا کے علاوہ برقائے ہوئے ایٹمی ذرات یعنی پروٹان اور الیکٹران کو ایک اور غلاف نے بھی ڈھانپ رکھا ہے (۷)

سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی تصوّف کی زبان میں زمین کے سات طبقات کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ پہلا طبقہ دودھ سے زیادہ سفید اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام معصیت کے مرتکب ہو کے اس پر چلے تو غبار آلود ہو گیا۔ اس زمین کا نام ارضِ نفوس ہے' اسی لیے اب اس میں حیوانات رہتے ہیں۔ اس کے تین چوتھائی حصے کو بطور احاطت کے' پانی میں چھپایا ہوا ہے۔ باقی ایک چوتھائی رہ جاتی ہے جو وسطِ زمین ہے۔ اس چوتھائی میں سے بھی تین چوتھائی ویرانہ

ہے۔ باقی ماندہ حصے کی آباد جگہ صرف چوبیس برس کی راہ ہے' باقی جنگل اور بیابان ہیں۔ زمین کے دوسرے طبقے کا نام ارضُ العبادات ہے۔ اس میں مومن جنّ رہتے ہیں۔ ان کی رات پہلی زمین کا دن ہے اور اُس کا دن اِس کی رات ہے۔ اس میں ویرانہ نہیں ہے بلکہ سب آباد ہے۔ تیسرے طبقے کا نام طبیعت کی زمین ہے۔ اس میں مشرکین جنّ رہتے ہیں۔ جس شہر میں کوئی اہلِ تحقیق ہو' اس میں داخل نہیں ہوتے۔ زمین کا چوتھا طبقہ خون کی طرح سرخ ہے۔ اس کا نام شہوت کی زمین ہے۔ اس میں شیاطین رہتے ہیں۔ پانچویں طبقے کا نام ارضِ طغیان ہے۔ یہ تمام زمین آباد ہے اور اس میں جنّ اور شیاطین رہتے ہیں۔ ان کا کام اہلِ معصیت کو کبائر کی طرف لے جانے کے سوا کچھ نہیں۔ چھٹے طبقے کا نام الحاد ہے۔ اس کا رنگ شبِ تاریک کی طرح سیاہ ہے۔ اس میں سرکش جنّ اور وہ جنّ رہتے ہیں جو خدا کے بندوں میں سے کسی کا حکم قبول نہیں کرتے۔ ساتویں طبقے کا نام ارضِ شقاوت ہے۔ اس میں سانپ اور بچھو رہتے ہیں اور عقوبت کے بعض فرشتے بھی یہاں ہیں۔ یہ طبقہ جہنم سے ملا ہوا ہے۔ (۸)

شوق قدوائی لکھتے ہیں۔ "سائنس کہتی ہے کہ یہ زمین صرف ایک ہی ثابت ہوئی ہے۔ اسلام میں جو سات زمینیں کہی گئی ہیں' آخر چھ کہاں ہیں؟ فلسفۂ اسلام کہتا ہے کہ یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ ساتوں اسی دنیا میں ہیں۔ ممکن ہے' چھ خلا میں قائم ہوں اور سائنس والوں نے ان کو ستاروں میں شمار کر لیا ہو۔ آخر یہ زمین بھی تو ایک معلق سیارہ ہی ہے۔

زمینیں سات علمِ مذہبِ اسلام پاتا ہے
تو کب ساتوں اسی دنیا میں وہ ہم کو بتاتا ہے
خلا میں چھ جو قائم کی گئی ہوں تو تعجب کیا
ستاروں میں جو وہ گن لی گئی ہوں تو تعجب کیا (۹)

سائنس نے بہت سی باتیں واضح کر دی ہیں جن سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اگر اللہ کریم

جل جلالہٗ کا نظامِ رحمت کارفرما نہ ہوتا تو کوئی چیز ثابت نہ رہ سکتی، کوئی کُرہ محفوظ نہ ہوتا، کوئی سیارہ سالم نہ رہتا۔ ایک بہت چھوٹا سا پہلو لیجیے کہ اگر زمین کا حجم موجودہ حجم سے کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہو جاتی۔ مثلاً "کرۂ زمین اگر چاند اتنا چھوٹا ہوتا یعنی اس کا قطر موجودہ قطر کی نسبت سے ایک چوتھائی ہوتا تو اس کی کششِ ثقل زمین کی موجودہ کشش کا چھٹا حصہ رہ جاتی۔ کشش کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہو جاتا کہ ہماری دنیا پانی اور ہوا کو اپنے اوپر روک نہ سکتی جیسا کہ جسامت کی اسی کمی کی وجہ سے چاند میں واقع ہوا ہے۔ چاند پر اس وقت نہ پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کُرہ ہے۔ ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ رات کو بے حد سرد ہو جاتا ہے اور دن کے وقت تنّور کی مانند جلنے لگتا ہے۔ اسی طرح کم جسامت کی زمین جب کشش کی کمی کی وجہ سے پانی کی اس کثیر مقدار کو روک نہ سکتی اور ہوا کا موجودہ غلاف اڑ کر فضا میں گُم ہو جاتا تو اس کا حال یہ ہوتا کہ اس کی سطح پر درجۂ حرارت چڑھتا تو انتہائی حد تک چڑھ جاتا، اور گرتا تو انتہائی حد تک گر جاتا۔

اگر زمین کا قطر موجودہ سے دُگنا ہوتا تو اس کی کششِ ثقل بھی دُگنی بڑھ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ زمین کے اوپر پانچ سو میل کی بلندی تک جو ہوا پائی جاتی ہے، وہ کھنچ کر بہت نیچے تک سمٹ جاتی جس کا ردِّعمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوتا۔ اگر زمین سورج جتنی بڑی ہوتی اور اس کی کثافت برقرار رہتی تو اس کی کشش ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی۔ اس طرح ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس پونڈ ہو جاتا اور انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہو جاتا اور اس میں کسی قسم کی ذہنی زندگی ناممکن ہو جاتی (۱۰) لیکن یہ سب کچھ نہیں ہوا، صرف اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سب کچھ اس طرح ہونے ہی نہیں دیا، جیسا ہوتا تو سب کچھ گڑبڑ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ رحمت اس سسٹم میں کوئی تبدیلی نہیں آنے دیتا اور سب کچھ اسی طرح ہو رہا ہے جیسا خالق و مالک چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیداوار کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے جو بے شمار مخلوقات

کے لیے رزق کا ذریعہ ہے۔ پیداوار کا انحصار زمین کی صلاحیتِ بارآوری پر ہے لیکن اس صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لیے کتنا بڑا نظام کام کر رہا ہے۔ یعنی بارش، کنوؤں، دریاؤں یا آبشاروں اور جھیلوں سے پانی ملتا ہے۔ سورج کی حرارت، موسموں کے تغیّر و تبدّل پر، فضائی حرارت و برودت پر، ہوا کی گردش اور برقی رَو پر اثر انداز ہوتی ہے اور بادلوں سے بارش برسانے کی محرک ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بارش کے پانی میں ایک طرح کی کھاد بھی شامل کر دیتی ہے۔ ذرا دیکھیے، زمین سے لے کر آسمان تک ان مختلف چیزوں کے درمیان یہ ربط اور مناسبتیں قائم رہ۔ پھر یہ سب بے شمار اور مختلف النوع مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں اور ہزاروں لاکھوں برس سے ان کا پوری طرح ہم آہنگی کے ساتھ مسلسل جاری رہنا ہماری اسی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ خدا کا ہر کام ایک قانون اور طریقے کے مطابق قائم و جاری رہے (۱۱)۔ اس قانون اور طریقے کو اللہ کا قائم کردہ نظامِ رحمت کہیے تو مناسب ہے۔

زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ پہلی حرکت اس کی محوری گردش ہے جو چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے۔ دوسری حرکت وہ ہے جو یہ سورج کے گرد کرتی ہے۔ اس کی یہ گردش ایک سال میں پوری ہوتی ہے۔ جنوری کے مہینے میں یہ جس مقام پر رہتی ہے، اس مقام پر سورج کے اطراف گھوم کر واپس آنے کے لیے ۹۴ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس کی اس تیز رفتاری کے باوجود اللہ کی قدرت سے ہمیں اس کی تیز رفتاری کی قطعاً" کوئی خبر نہیں ہوتی (۱۲)

زمین کی محوری حرکت کا یہ نتیجہ ہے کہ فی الحال دن اور مہینا دونوں بڑھ رہے ہیں۔ چاند زمین سے دور ہٹ رہا ہے اور زمین کا استوائی قطر قطبی قطر سے ۲۸ میل زیادہ لمبا ہے۔ (۱۳) مدّوجزر کی حرکت بائی ارض کی گردشِ محوری کے موافق نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں میں سخت رگڑ واقع ہوتی ہے اور ارض کی رفتار سُست ہوتی چلی جاتی ہے۔

زمین کی محوری گردش میں سُستی روز آتی ہے
رگڑ پانی کی مدّوجزر سے فرق اس میں لاتی ہے (۱۴)

زمین کی دونوں حرکتیں خلا میں اس کو صحیح سمت میں قائم رکھتی ہیں۔ قطبی محور پر اپنے مدار کی جانب اس کا ۲۳ درجہ جھکاؤ موسموں میں باقاعدگی پیدا کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں زمین کا زیادہ سے زیادہ رقبہ آباد کاری کے قابل ہو جاتا ہے اور انواع و اقسام کی رنگا رنگ روئیدگی زمین کی رونق و افادیت کو دوبالا کر دیتی ہے۔ اگر یہ کرۂ زمین گردش کرنے کے بجائے ساکن و جامد ہوتا تو نباتات اور پیداوار میں اتنی متنوع اور گوناگوں اقسام ممکن نہ ہوتیں (۱۵)

قرآنِ مجید میں دو مقامات پر فرمایا۔ "اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا" (۱۶) کہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو استراحت کی جگہ بنایا، جھولا بنا دیا۔ "مہد" عرف و لغت میں بچوں کے اس جھولے کو کہتے ہیں جس میں لٹا کر اسے آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہیں اور وہ بآرام سوتا ہے۔ اس لحاظ سے زمین کی تشبیہ مہد سے بہت مناسب ہے کہ زمین بھی گویا بندگانِ خدا کے واسطے ایک گہوارہ ہے جس میں ان کی نشو و نما بھی ہوتی ہے اور وہ سوتے بھی ہیں۔ نیز جس طرح مہد باوجود سرعتِ حرکت کے، نرم حرکت رکھتا ہے۔ اس طرح زمین بھی اس فضاءِ وسیع میں بہ آہستگی حرکت کرتی ہے، جھکولے کھاتی ہے اور نہ مضطربُ الحرکت ہوتی ہے کہ جس سے اس کے رہنے والوں کے آرام میں خلل پڑے۔ نیز جس طرح مہد اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس میں بچوں کی پرورش ہو، اس طرح زمین انسانوں اور ان سے متعلق اشیا کی پرورش کے لیے بنائی گئی اور زمین کی یومیہ و سالانہ گردش قائم کی گئی تاکہ حیوانات، نباتات اور جمادات کی نشو و نما ہو۔ (۱۶)

سورۂ ملک میں ہے "ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا" (۱۷) خدا تعالیٰ نے زمین کو تمہارے واسطے ایک مطیع و فرمانبردار ناقہ کی صورت میں بنایا ہے، پس تم اس کے شانوں پر (سوار ہو کر) چلو۔ ذلول لغتِ عرب میں خاص قسم کے اونٹ کو کہتے ہیں جو آہستہ روی اور سرعتِ رفتار اور باآسانی

سواری دینے میں ممتاز ہو۔ یہ تینوں صفتیں زمین میں کامل طور پر پائی جاتی ہیں۔

زمین پر ظہور کے لیے چند چیزیں ضروری تھیں۔ اول، زمین میں درجۂ حرارت نقطۂ تبخیر سے نیچے اور انجماد سے اوپر ہو۔ دُوم، آکسیجن اور نائٹروجن کی پتلی سی چادر جو فضا میں تنی ہوئی ہے، بخاراتِ آبی کی آمیزش سے دبیز ہو جائے۔ اور اس کی واحد صورت یہی تھی کہ زمین پر بے اندازہ پانی ہو، اس پر سورج چمکے، بخارات اُٹھیں، انہیں کوہساروں کی بلندیاں روکیں اور وہ بادل بن کر برس پڑیں۔ یہ سب کچھ ہُوا۔ اور نتیجے کے طور پر زمین پر ذی حیات کی لاکھوں انواع نمودار ہو گئیں۔ (۱۹)

زمین کے اندرونی مادے ابھی تک ٹھنڈے نہیں ہوئے اور اب بھی کہیں نہ کہیں قدرتی عوامل سطحِ زمین پر تغیر و تبدّل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان عوامل میں قابلِ ذکر زلزلے اور آتش فشاں پہاڑ ہیں (۲۰)

ارضیات یعنی زمین کی ساخت کا مطالعہ آج ایک باقاعدہ علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن آج جن ارضیاتی نظریات کا چرچا ہے، ان میں سے اکثر، مسلمان سائنس دانوں کے علم میں تھے۔ انہیں زمین پر ہونے والی ارضیاتی تبدیلیوں کا پورا پورا علم تھا۔ وہ زمینوں کی تبدیلیوں، سمندروں اور پہاڑوں کی تخلیق اور زلزلوں، بجلیوں اور طوفانوں وغیرہ کا سبب جانتے تھے۔ انہیں چٹانوں کی ساخت کا علم تھا۔ البیرونی لکھتا ہے کہ ہمیں ماضی کی تاریخ جاننے کے لیے چٹانوں کا مطالعہ کرنا پڑے گا کیونکہ یہ موسم کی تبدیلیوں کے باعث مختلف ادوار میں وجود میں آئی تھیں۔ دریاؤں سے بننے والے طاسوں کے بارے میں ابنِ سینا اور البیرونی نے بہت سے مطالعے پیش کیے۔ الکرخی نے زمین کے آبی ذخیروں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے (۲۱)

بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کس انداز میں، کتنے سلیقے اور قرینے سے بنایا ہے اور اسے زندگی کے لیے تیار کر دیا ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اگر زمین میں کچھ اور قسم کی تبدیلیاں ہو جائیں تو یہ زندگی کے قابل نہ رہے یا پھر یہاں زندگی کسی قابل نہ رہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو زندگی

اور موت دونوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ "اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا" (۲۲) اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے کفایت کرنے والی بنایا' اس کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ انسان غور کرے تو اس کی وہ کون سی احتیاج ہے جو زمین سے پوری نہیں ہوتی اور جب اس کا رشتۂ زندگی ٹوٹ جاتا ہے تو پھر بھی یہی زمین اس کی ستر پوشی کا کام انجام دیتی ہے۔ اس کو جنم دینے والی ماں اس سے اظہارِ محبت کرتی ہے مگر موت آنے کے بعد پھول سے بچے کی نعش زمین کے حوالے کرتے ہوئے دامن جھاڑ لیتی ہے۔ پھر یہ زمین ہی تو ہوتی ہے جو اس نازک وقت میں انسان کو اپنی گود میں چھپا لیتی ہے۔ (۲۳)

زمین مرنے کے بعد انسان کو اپنے اندر جگہ دیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے جس نظامِ رحمت کے زیر اثر وہ ایسا کرتی ہے' اگر کوئی شخص اس نظامِ رحمت کو جس کا قرآنی نام "رحمۃ للعالمین" ہے (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ناراض کر لیتا ہے تو پھر زمین اسے اپنے اندر جگہ نہیں بھی دیتی۔ صحیحین میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت میں منشی محرر تھا' اچانک وہ اسلام سے پھر گیا اور مشرکین سے جا ملا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے لیے فرمایا کہ زمین اس کو جگہ نہیں دے گی۔ حضرت ابو طلحہؓ کا بیان ہے کہ وہ مرتد شخص جہاں دفن کیا گیا' میں وہاں گیا تو دیکھا کہ اس کی لاش باہر پڑی ہے۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کئی بار لوگوں نے اسے قبر میں رکھا اور ہر بار زمین نے اسے باہر پھینک دیا (۲۴)

بیہقی میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جھوٹی باتیں گھڑ کر منسوب کر دیں۔ مرنے کے بعد اس شخص کا پیٹ پھٹ گیا اور زمین نے اسے قبول نہیں کیا۔ بیہقی ہی میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ محلّم بن جثامہ کی ایک نافرمانی کی وجہ سے فرمایا گیا کہ اے اللہ! اسے نہ بخشنا۔ وہ مر گیا تو زمین نے اسے باہر نکال پھینکا۔ (۲۵)

زمین کے اندر موجود حشرات نعش کو کھا جاتے ہیں لیکن ہمارا آپ کا دیکھا سُنا ہوا ہے کہ اگر کسی میت کو امانت کر کے دفنا دیا جائے تو زمین میں موجود حشرات اس امانت میں خیانت نہیں کرتے اور بعد میں اس نعش کو وہاں سے نکال کر کہیں اور دفن کیا جا سکتا ہے۔ زمین اور اس میں موجود حشرات بعض ایسے جسموں کو نہیں کھاتے جن کی حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبت ہوتی ہے۔ مثلاً" آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جسدِ مبارک کے متعلق یہ خبر ملاحظہ فرمائیں:

"یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی توسیع کے سلسلے میں کی جانے والی کھُدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہؓ بن عبدالمطلبؓ کا جسدِ مبارک جس کو دفن ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے' بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں دیگر چھ صحابۂ کرامؓ کے اجسادِ مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے جنہیں جنّتُ البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ منظر دیکھا' ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہؓ کے جسم نہایت تر و تازہ اور اصلی حالت میں تھے"۔ (۲۶)

اس واقعے پر صائم چشتی کا قطعہ ملاحظہ فرمایئے:

رسولِ پاک کے والد معظم ہیں' مکرّم ہیں
سراپا معنیٔ توحیدِ حق ہے اسم عبداللہؓ
فزوں تر اس سے مومن کی نشانی اور کیا ہو گی
تر و تازہ شگفتہ آج بھی ہے جسم عبداللہؓ (۲۷)

حضور فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوٰۃ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسرے عوالم کی طرح عالمِ ارض کے لیے بھی رحمت ہیں۔ اور جو عالم رحمت سے مستفید ہوتا ہے' وہ تصرف و اختیار سے باہر کیسے ہو سکتا

ہے چنانچہ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر جب سُراقہ بن مالک جُعشمی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیچھا کیا کہ نعوذ باللہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر کے سو اونٹ کا انعام حاصل کرلے۔ قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اُتر پڑا۔ مکرر تجربے نے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ آثار کچھ اور ہیں۔ چنانچہ معافی مانگ لی۔ (۲۸)

زمین بھی دوسرے عوالم کی طرح آقا حضور سیدِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی مرہونِ منت ہے' اس لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق استعمال ہوتی ہے۔ جنگِ بدر میں جب اہلِ اسلام کا اہلِ کفر سے سامنا ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور کفّار کے مُنہ پر دے ماریں۔ وہ کنکر ہر مشرک کی آنکھ اور گلے میں داخل ہو گئے۔ دشمن بھاگ گئے اور سردارانِ قریش میں سے بہت سے قتل ہو گئے یا گرفتار ہوئے۔ (۲۹)

غزوۂ حنین میں بھی تو یہی ہوا تھا۔ وہاں بھی حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثنا نے خاک کی ایک مٹھی کفار کی طرف پھینکی تھی اور چہروں کے بگڑ جانے کی وعید فرمائی تھی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا (۳۰)

اور یوں' ہر بار زمین نے اپنے محسن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو مانا' یا ان کی خواہش کو پذیرائی دی یا ان کی نسبت کو تکریم دی۔

حواشی

☆ ۱۔ النازعات۔ ۷۹: ۳۱

☆ ۲۔ فکر و نظر (ماہنامہ) اسلام آباد۔ اگست ۱۹۷۸ء۔ ص ۳۵' ۳۶ (مضمون "قرآن کے سائنسی و جغرافیائی حقائق" از محمد فیروز فاروقی)

☆ ۳۔ لقمان۔ ۳۱: ۱۰

☆ ۴۔ لیاقت علی خاں نیازی' ڈاکٹر۔ قرآن' سائنس اور امام احمد رضا بریلوی۔

مطبوعہ چکوال۔ ص ۸۵

☆ ۵۔ شوق قدوائی۔ مثنوی سینس اینڈ ریلیجن۔ ص ۳۲

☆ ۶۔ محمد کمال الدین حسین ہمدانی۔ قرآن اور علم الافلاک۔ ص ۳۳

☆ ۷۔ آغا اشرف۔ معراج اور سائنس۔ ص ۱۹۸' ۱۹۹

☆ ۸۔ عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی' سید۔ انسانِ کامل۔ ص ۳۳۵ ۔ ۳۴۱

☆ ۹۔ مثنوی "سینس اینڈ ریلیجن" ص ۳۵ (اور حاشیہ)

☆ ۱۰۔ وحید الدین خاں' مولانا۔ مذہب اور جدید چیلنج۔ ص ۶۴' ۶۵

☆ ۱۱۔ مطالعۂ فطرت اور ایمان۔ ص ۲۷

☆ ۱۲۔ معراج اور سائنس۔ ص ۱۹۹

☆ ۱۳۔ رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت۔ دوسری جلد۔ العصر لکھنؤ۔ ۱۹۱۳۔ ۱۹۱۷ء۔ مطبوعہ پٹنہ۔ ۱۹۸۰ء۔ ص ۷۰۵

☆ ۱۴۔ مثنوی "سینس اینڈ ریلیجن"۔ ص ۴۱ (حاشیہ بھی)

☆ ۱۵۔ خدا موجود ہے۔ ص ۳۲ (فرینک ایلن کا مضمون "تخلیقِ کائنات۔ ایک حادثہ یا منصوبہ")

☆ ۱۶۔ طٰہٰ۔ ۲۰: ۵۳ / الزخرف۔ ۴۳: ۱۰

☆ ۱۷۔ قرآن اور علم الافلاک۔ ص ۳۶

☆ ۱۸۔ الملک۔ ۶۷: ۱۵

☆ ۱۹۔ عظیم کائنات کا عظیم خدا۔ ص ۸۲' ۸۳

☆ ۲۰۔ عنایت کریم' میاں۔ پکار۔ ص ۱۸۸

☆ ۲۱۔ مسلمانوں کی سائنسی خدمات۔ ص ۹۴' ۹۵ (مضمون "علم فطری اور ارضیات")

☆ ۲۲۔ المرسلٰت۔ ۷۷: ۲۵' ۲۶

☆ ۲۳۔ تحریکات قلب قرآن کریم' سورہ یٰس۔ ص ۹۹' ۱۰۰

☆ ۲۴ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۴۵

☆ ۲۵ - ایضاً"۔ ص ۱۴۵' ۱۴۴

☆ ۲۶ - نوائے وقت (روزنامہ) کراچی۔ ۲۱ جنوری ۱۹۷۸ / نورالحبیب۔ بصیر پور۔ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ / مارچ ۱۹۷۸۔ ص ۳۴

☆ ۲۷ - جلال الدین سیوطی' علامہ۔ والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو ترجمہ از صائم چشتی۔ ص ۹

☆ ۲۸ - زرقانی' اصابہ' استیعاب بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول (محمد ادریس کاندھلوی)۔ ص ۳۹۴ / شبلی۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اول۔ ۱۷۲ / ابنِ قیم جوزی۔ اُسوۂ حسنہ (اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی) ص ۸۴' ۸۵ / نور بخش توکلی۔ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۶ / مودودی۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۲ ۷۳ / ابنِ ہشام۔ سیرۃ النبیؐ کامل۔ جلد اول۔ ص ۵۴۰ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۴۸۴ / غلام نبی' حکیم۔ سراپائے اقدس۔ ص ۸ / امام خاں نوشہروی۔ مکالماتِ نبویؐ۔ ص ۸۱ / منظور احمد شاہ۔ مدینۃ الرسولؐ۔ ص ۸۰

☆ ۲۹ - انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۹۰' ۹۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۳۵۶' ۳۵۷ / مختصر سیرت الرسولؐ۔ ص ۳۴۳' ۳۴۷ / حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۴۱۸ / رسالتمآبؐ۔ ص ۱۵۱' ۱۵۴ / غزواتِ نبویؐ۔ ص ۱۹' ۲۰ / اسوۂ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۹۳ / الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ ص ۷۰۷' ۷۰۸ / سیرۃ النبیؐ کامل۔ جلد اول۔ ص ۷۴۰ - ۷۴۲ / حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ہیکل) اردو ترجمہ۔ ص ۳۱۹' ۳۲۰' ۳۲۳ / شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ص ۳۴۴' ۳۴۷ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۵۲' ۱۵۳ / عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۷۷' ۸۴

☆ ۳۰ - ابنِ اثیر۔ اُسُد الغابہ۔ جلد نہم (مترجم پروفیسر غلام ربانی عزیز) ص ۱۹۸ / رحمان علی' حکیم۔ المشاہد۔ ص ۲۴۳ / الرحیق المختوم۔ ص ۶۷۱



عالمِ انسانیت

اللہ تبارک و تعالیٰ انسان کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کی ذات میں اپنی نشانیاں رکھ دیں۔ فرمایا۔ "میں نے تجھے پیدا کیا اور تُو تو کچھ بھی نہ تھا"۔ (۱) اور "خود تمہاری اپنی ذات میں اللہ کے وجود کی نشانیاں ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟"۔ (۲) سورۂ انفطار میں ہے۔ "اے انسان! تجھ کو کس نے برگشتہ کیا اپنے اس مہربان رب سے' جس نے تجھ کو عدم سے وجود بخشا' پھر درست کیا' پھر معتدل بنایا اور جس صورت میں چاہا' تجھ کو ڈھال دیا"۔ (۳) سورۂ دہر میں ہے۔ "بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے جس میں وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے اس کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا' اس طور پر کہ ہم اس کو مکلّف بنائیں تو ہم نے اسے راستہ بتا دیا۔ پھر وہ یا تو شکر گزار ہو گیا' یا ناشکرا ہو گیا"۔ (۴)

قرآنِ مجید میں انسان کو ناتوانی سے' ایک بوند سے' طرح طرح سے بنانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا: "مارا جائے انسان۔ کیسا ناشکرا ہے۔ کس چیز سے اس کو بنایا؟ ایک بوند سے۔ اسے پیدا کیا' اور پھر اسے خاص اندازے پر رکھا"۔ (۵) "اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ناتوانی سے پیدا کیا۔ پھر ناتوانی کے پیچھے قوت دی۔ پھر قوت کے بعد ناتوانی دی اور سفید بال کر دیئے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے' بناتا ہے۔ وہ جاننے والا صاحبِ قدرت ہے"۔ (۶)۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے بنایا ہے"۔ (۷)

تمام عالمین کی طرح عالمِ انسانیت بھی خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے' ایسا نہیں ہے کہ یہ از خود پیدا ہو گیا ہو' یا اس نے اپنے آپ کو خود پیدا کر لیا ہو۔ قرآنِ حکیم میں

ہے۔ "کیا وہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا کیے گئے ہیں؟ یا یہ لوگ اپنے پیدا کرنے والے خود ہیں؟"۔ (۸)

یوں تو عجائب اور معجزاتِ قدرت کا ذکر کلام پاک میں جابجا موجود ہے لیکن سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چند مخصوص نشانیوں کو ایک ہی سلسلے میں پانچ آیتوں میں بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ قوانینِ قدرت دراصل اللہ ہی کے قوانین ہیں۔ ان پانچوں نشانیوں میں سب سے مقدم جگہ اس نے تخلیق انسان ہی کو دی ہے۔ "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم کو بنایا مٹی سے۔ پھر تم انسان ہو زمین پر پھیلے پڑے"۔ (۹)

مادۂ حیات میں کاربن' ہائیڈروجن' آکسیجن' نائٹروجن' سلفر' فاسفورس' کلورین' پوٹیشیم' سوڈیم' کیلشیم' آئرن وغیرہ موجود ہیں۔ مٹی کے اندر بھی یہی اجزا اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی اجزا مختلف کیمیاوی مرکبات کی شکل میں موجود ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی مٹی سے مادۂ حیات میں پائے جانے والے کیمیاوی اجزا کو یکجا کر کے لفظ "کُن" سے اس میں روح پھونکی (۱۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "بنایا آدمی کو کُمہار کی مٹی سے"۔ (۱۱) "تحقیق ہم نے پیدا کیا ان کو چپکتی مٹی سے"۔ (۱۲) "اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے"۔ (۱۳) "بنایا اس کو مٹی سے' پھر کہا اس سے کہ ہو جا' وہ ہو گیا"۔ (۱۴)

تخلیقِ انسانی کے مراحل کو قرآنِ مجید یوں بیان کرتا ہے۔ "ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے بنایا۔ پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں ایک مدتِ مقررہ تک ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے سے خون کا لوتھڑا پیدا کیا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی کو پیدا کیا۔ پھر اس بوٹی سے ہڈیاں پیدا کیں۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی' جو تمام صناعوں' خالقوں سے بڑھ کر ہے"۔ (۱۵)

اللہ کریم جل شانہٗ نے جو جو چیز تخلیق کی ہے' اسے موزوں ترتیب و تنظیم کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ "اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی" (۱۶) تسویہ کے معنی ہیں' کسی چیز کو درست و اُستوار کرنا' ٹھیک ٹھاک کرنا' ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا وغیرہ۔ (۱۷) سورۂ مومنون میں تخلیقِ انسانی کے جو مراحل بیان ہوئے ہیں' وہ انسان کے نظامِ تسویہ کی تفصیلات سے متعلق ہیں۔ سورۂ دہر میں ہے۔ "ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کی جوڑ بندی مضبوط کی"۔ (۱۸) یعنی جسم کے سارے اعضا اور ہڈیوں کو مضبوط و مستحکم بنایا' تاکہ وہ بخوبی کھڑے ہو سکیں' جھک سکیں' بیٹھ سکیں' چل پھر سکیں اور دوڑ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت اور عظمت کا ذکر بھی کئی مقامات پر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ "بلاشبہ ہم نے آدم کی اولاد کو مکرم بنایا' اور ہم نے خشکی اور دریا میں چلنے والی سواریوں پر سوار کیا اور ہم نے عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور ہم نے آدم کی اولاد کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی"۔ (۱۹) انسان کی عظمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اسے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ (۲۰) اللہ کریم نے انسان کو احسنِ تقویم پر (سب سے اچھے ڈھانچے میں) پیدا کرنے کی بات بھی فرمائی (۲۱) اس کی عظمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس نے وہ بارِ امانت اٹھا لیا' جسے اٹھانے سے آسمان' زمین اور پہاڑ ڈر گئے تھے اور انکار کر دیا تھا (۲۲) پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم سے بہرہ ور کر کے جو عظمت عطا کی' وہ بہت اہم ہے اور اس کا اظہار بھی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ "وہ اللہ جس نے انسان کو سکھایا جس کا اُسے علم نہیں تھا"۔ (۲۳)

خالق و مالکِ حقیقی جل جلالہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا' اور اس کے لیے سب کچھ مسخر کر دیا (۲۴) -------- اور' عالمِ انسانیت کو اپنے نظامِ رحمت کے لیے مسخر کر دیا' اس عالم پر بھی اس ہستی کو تصرّف و اختیار عطا فرما دیا جسے اس نے "رحمۃ للعالمین" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرمایا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی انسانی فطرت کے اسرار و عجائب کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یہ وسیع کائنات اسرار و رموز اور عجائب و غرائب سے اس طرح بھری ہوئی

ہے کہ اس کا حسن و جمال عقلوں کو مبہوت بنا دیتا اور وحشت و حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن اگر انسانی فطرت کے اسرار و عجائبات' اس کے امکانات اور مخفی صلاحیتوں' قلب انسانی کی گہرائی اور گیرائی' فکر انسانی کی بلند پروازی اور ذہنی افق کی وسعت' روح انسانی کے سوز و گداز' اس کی لامتناہی امیدوں اور آرزوؤں' اس کی بلند ہمتی اور عالی نظری' اس کی متنوع اور متناقض' بے شمار اور لامحدود صلاحیتوں کا دنیا کے اسرار و عجائب سے مقابلہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے سمندر کے آگے ایک قطرہ یا صحرا کے مقابل ایک ذرہ کی طرح معلوم ہو گی اور اپنی پوری وسعت کے ساتھ قلب انسانی کی وسعت اور گہرائی میں اس طرح گم ہو جائے گی جیسے ایک چھوٹی سی کنکری ایک بحر بیکراں میں گم ہو جاتی ہے...... انسان کی ذات اس کائنات میں گوہر مقصود اور بیت الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاقِ عالم کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جسے اس نے بہترین صورت' مکمل سیرت اور عمدہ ترین ساخت عطا کی ہے (۲۵)

جسم انسانی چار حصوں پر مشتمل ہے۔ گوشت جس میں بالوں کی طرح باریک باریک رگیں اور حیرت انگیز اعصاب موجود ہیں۔ ہڈیاں جو جسم کی کائنات کو آپس میں میخوں کی طرح جوڑے ہوئے ہیں۔ خون جس میں مختلف قسم کے عناصر کے سالمے اور ایٹم رواں ہیں۔ اس روانی میں نہ صرف حرارت موجود ہے بلکہ جسمانی کائنات میں طاقت و توانائی اسی کے دم سے ہے۔ پوست جو جسمانی کائنات پر مضبوط چھت اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت میں لگی ہے۔ عزیز قاضی کہتے ہیں' مزید غور کریں تو سینے سے نیچے کے حصے میں معدہ' انتڑیاں اور دوسرے اعضا شامل ہیں۔ سینے میں خون کی پیدائش اور اسے صاف کرنے کی لیبارٹری لگی ہے۔ اس میں ایک دل ہے جو مسلسل دھڑک رہا ہے۔ کہیں سے خون حاصل کر رہا ہے اور کہیں سے خون کو اپنے تمام جسم میں تیزی سے دھکیل رہا ہے۔ چہرے میں وہ آلات موجود ہیں جن میں بصارت و سماعت اور ذائقہ اور خوشبو حاصل کرنے کی وہ حیرت انگیز نوری قوتیں آ

جاتی ہیں جن سے ہم کائنات کے مناظر' اس کی آوازوں اور اس کے پھلوں اور پھولوں کا مزا اٹھاتے ہیں۔ اور' دماغ اور ریڑھ کی ہڈی کا وہ مغز جو تمام جسم سے پوری طرح آگاہ اور حیات کے راز ہائے دُروں سے ہر وقت باخبر رہتا ہے'۔ اسی میں حیات انگیز نوری تجلیات اور علم و خبر کی ایک لائبریری مستور ہے۔ اسی میں تخیل اور ضمیر کے سمندر انقلاب آفریں ہیں۔ گویا انسانی قدرت اسی میں سے انقلابات سے دوچار ہے۔ یہی ذہن بھی ہے اور یہی قلب بھی۔ خدا نے اس کا نام "انفُسِہ" رکھا ہے۔ اسی کا نام صدر یعنی انسانی جسم کا بلند ترین' بلند وقار اور بلند کردار حصہ ہے جس کے اشارات اور احکامات بدن کے ہر حصے کو حرکت میں رکھتے ہیں۔ جس کے حکم سے انسانی قدرت' قدرت سماعت و بصارت سے کام لے کر باشعور اور مفکر بنتی ہے۔ گویا یہ حصہ جسمانی حکومت کا حکمرانِ اعلیٰ ہے اور باقی تمام اعضائے رئیسہ اور آلات اس کی وزارت کے ارکان ہیں (۲۶)

زندگی کی کوئی جامع تعریف ممکن نہیں البتہ تمام جانداروں میں چند ایسے خواص پائے جاتے ہیں جو بے جان اشیا میں نہیں ملتے' اس لیے یہی خواص زندگی کی پہچان ہیں۔ جاندار پروٹوپلازم کے بنے ہوتے ہیں۔ پروٹوپلازم ان تمام خواص کا حامل ہے جو زندگی کی علامت ہیں۔ جانداروں کے اجسام میں مختلف کیمیائی عمل ہوتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے جسم میں نیا پروٹوپلازم بنتا ہے اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔ میٹابولزم میں مادوں اور اجزا کی توڑ پھوڑ کا عمل بھی شامل ہے۔ میٹابولزم کی بدولت جو نیا پروٹوپلازم بنتا ہے اس کی وجہ سے خلیوں کی جسامت اور ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے جسے نشو و نما کہتے ہیں۔ پروٹوپلازم کی ایک بنیادی خاصیت ماحول میں ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کرنا اور اس پر ردِعمل ظاہر کرنا ہے' یہ حساسیت ہے۔

جانداروں کی ایک بہت اہم خصوصیت افزائش نسل ہے جس کی وجہ سے جاندار اپنی نسل برقرار رکھتے ہیں۔ تمام جاندار حرکت کرتے ہیں' پودوں کی نسبت جانوروں میں زندگی کا یہ پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ جاندار (پودے) اپنی خوراک خود

بناتے ہیں اور جانور مناسب اعضا کے ذریعے بیرونی ماحول سے حاصل کرتے ہیں۔ عملِ تنفس بھی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس عمل کے دوران توانائی پیدا ہوتی ہے جو جانداروں کے مختلف افعال سرانجام دینے میں کام آتی ہے۔ جانداروں میں وہ عمل جس سے میٹا بولزم کے دوران پیدا شدہ بیکار مادے جسم سے باہر نکالے جاتے ہیں' عملِ اخراج کہلاتا ہے۔

تمام جانداروں یعنی جانوروں اور پودوں کے اجسام کی بنیادی اکائی خلیہ ہے۔ بعض جاندار صرف ایک خلیے پر مشتمل ہوتے ہیں جبکہ دوسرے جاندار کئی خلیوں سے بنے ہوتے ہیں۔ ایک انسانی جسم میں کروڑوں خلیے پائے جاتے ہیں۔

انسانی جسم چھوٹے چھوٹے خلیات سے مل کر بنتا ہے۔ ایک انسان میں ایک کروڑ ارب کے قریب خلیے ہوتے ہیں۔ روزانہ کروڑوں خلیے ختم ہوتے رہتے ہیں اور نئے خلیے اسی وقت ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہمارے دماغ میں سوا لاکھ خلیے ہوتے ہیں اور ہر خلیہ کروڑ سے لے کر دس کروڑ تک معلومات اور جذبے ریکارڈ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ۔ مثلاً" محبت کا خلیہ بیک وقت ایک کروڑ سے دس کروڑ انسانوں' جانداروں اور چیزوں کی محبت کو اپنے اندر سمو سکتا ہے۔ دماغ کے سوا لاکھ خلیے کم از کم دس کھرب معلومات ریکارڈ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ (۲۷)

یہ انسانی خلیے ایک فصیل بند شہر کی طرح ہیں۔ اس کی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بجلی گھروں کی طرح جنریٹر کا کام کرتے ہیں۔ اس کی فیکٹریوں میں پروٹین (لحمیات) تیار ہوتے ہیں۔ اس تیار شدہ سامان یعنی کیمیاوی اجزا کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے کے لیے ایک مواصلاتی نظام بھی ہے۔ خطرہ یا گزند پہنچنے پر اس کے سدِ باب کے لیے دفاعی اقدامات اور احکام صادر ہوتے ہیں۔ خلیے مختلف شکل اور جسامت اور مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں نازک خلیے بھی ہیں جن کی جسامت ملی میٹر کے ۱۰ لاکھویں حصے کے برابر ہے۔ پہلے تحقیق ہوا تھا کہ سات

سال میں اول خلیے ختم ہو کر دوسرے خلیے پیدا ہو جاتے ہیں' اب معلوم ہوا ہے کہ ہر گیارہ مہینے بعد کھربوں خلیوں پر مشتمل یہ پورے کا پورا نظام بدل جاتا ہے۔ (۲۸)

مشہور ماہرِ عضویات' ایڈریو کانوے کہتا ہے۔ "علم الابدان میں جب ہم جسم کی بقا' اس کی نشو و نما اور اس کی تخریب و تعمیر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر خلیہ بلا استثنا اپنا وہ فرض بڑی خوبی سے انجام دیتا ہے جو اسے جسم کی مجموعی فلاح کے سلسلے میں سونپا گیا ہے۔ نصابِ اعصاب میں اعمال محض اضطراراً سرزد ہوتے ہیں۔ ان کی تہہ میں بھی ایک گہری حکمت اور مقصدیت ہوتی ہے اور یہ مقصدیت ان کا ایک بنیادی وصف ہے۔ انسان اسی نہج پر مزید غور و فکر کرتا چلا جائے تو وہ بالکل قدرتی طور پر اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ ذہنی نشو و نما کے لیے فطرت نے جو نظام قائم کیا ہے' وہ حسّی تجربات کے تعامل سے علت و معلول کے رشتے کو قبول کرنے پر مجبور ہے' بہ الفاظِ دیگر وہ مشین جو سارے جسم کے مقصدی اعمال کی ذمہ دار ہے' ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ حسّی تجربات کے تعامل سے اس میں شعورِ آگہی پیدا ہو جاتا ہے اور یہ شعور اس میں احساسِ قدر یا احساسِ علت پیدا کر دیتا ہے"۔ (۲۹)

جسم کے مختلف النوع کیمیائی تعامل میں ضبط و نظم کا نظام دیکھیے جس کے عمل کو جسم کے باہر اگر کہیں دُہرانے کی کوشش کی جائے تو کبھی کامیابی حاصل نہ ہو۔ وہ نظام جو تحلیاتِ ہاضمہ کے مضر اثرات اور تکان کو زائل کرتا ہے' وہی انسان کی نشو و نما کے لیے سازگار حالات پیدا کرتا ہے۔ جسم پر بیماریوں کے جراثیم کے حملہ آور ہونے کی صورت میں خون کے اندر دفاعی ذرات وجود میں آتے اور نظامِ جسمانی کو بیماری سے بچاتے ہیں۔ پھر ہر بیماری کے لیے ان دفاعی ذرات کی الگ اور متعین نوعیت ہوتی ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں ہر شخص کا کیمیائی مزاج جداگانہ ہے۔ (۳۰)

ہمارا عصبی نظام جو قدرت نے قائم کر رکھا ہے' اس پر رات دن کروڑوں

خبریں ادھر سے اُدھر دوڑتی رہتی ہیں جو دل کو بتاتی ہیں کہ وہ کب دھڑکے' مختلف اعضا کو حکم دیتی ہیں کہ وہ کب حرکت کریں' پھیپھڑے سے کہتی ہیں کہ وہ کیسے اپنا عمل کرے۔ اگر جسم کے اندر یہ مواصلاتی نظام نہ ہو تو ہمارا پورا وجود منتشر چیزوں کا مجموعہ بن جائے جن میں سے ہر ایک الگ الگ راستے پر چل رہا ہو۔

اس مواصلاتی نظام کا مرکز انسان کا بھیجا ہے' آپ کے بھیجے کے اندر تقریباً ایک ملین عصبی خانے ہیں۔ ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوتے ہیں جن کو عصبی ریشے کہتے ہیں۔ ان پتلے ریشوں پر خبر وصول کرنے اور حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہتا ہے۔ انہی اعصاب کے ذریعے ہم چکھتے ہیں' سنتے ہیں' دیکھتے ہیں' محسوس کرتے ہیں اور سارا عمل کرتے ہیں۔ زبان میں تین ہزار ذائقے خانے ہیں جن میں ہر ایک اپنے علاحدہ عصبی تار کے ذریعے دماغ سے جڑا ہوا ہے۔ انہی کے ذریعے وہ ہر قسم کے مزوں کو محسوس کرتا ہے۔ کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعت خانے ہوتے ہیں۔ انہی خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعے ہمارا دماغ سنتا ہے۔ تمام جلد میں حسیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً ۳۰ ہزار "گرم خانے" اس کو محسوس کرکے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔ جب کوئی سرد چیز جسم سے ملتی ہے تو دماغ اس کی خبروں سے بھر جاتا ہے' جسم کانپنے لگتا ہے' جلد کی رگیں پھیل جاتی ہیں۔ فوراً مزید خون ان رگوں میں دوڑ کر آتا ہے تاکہ زیادہ گرمی پہنچائی جاسکے۔ اگر ہم شدید گرمی سے دوچار ہوں تو گرمی کے مخبرین دماغ کو اطلاع کرتے ہیں اور تین ملین پسینے کے غدود ایک ٹھنڈا عرق خارج کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

عصبی نظام کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں ایک' ایسے افعال انجام دیتی ہے جو خودبخود جسم کے اندر ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً ہضم' سانس لینا اور دل کی حرکت وغیرہ۔

پھر اس عصبی شاخ کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک وہ ہے جو حرکت پیدا کرتا ہے' دوسرا روک کا کام کرتا ہے۔ اگر جسم تمام تر پہلے کے قابو میں چلا جائے تو مثال کے طور پر دل کی حرکت اتنی تیز ہو جائے کہ موت آجائے۔ اور اگر بالکل دوسرے کا اختیار ہو جائے تو دل کی حرکت ہی رک جائے۔ دونوں شاخیں نہایت صحت کے ساتھ مل کر اپنا اپنا کام کرتی ہیں۔ (۳۱)

"دماغ سے تمام حصص جسم تک تلغرافی تار جاتے ہیں۔ اسی لیے اگر میدانِ جنگ میں گولی سے یہ تار کمر کے پاس سے کٹ جائیں تو نچلا دھڑ بے حرکت ہو جائے گا۔ اور اگر ان تاروں کو نقصان پہنچ جائے جن کا تعلق چشم و گوش سے ہے تو انسان اندھا اور بہرہ ہو کر رہ جائے۔ دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ اندرونی جو سفید ہے اور بیرونی جو خاکستری رنگ کا ہوتا ہے۔ ہر دو آپس میں وابستہ ہیں۔ بیرونی دماغ میں بہت ابھار نظر آتے ہیں جو درحقیقت محسوسات' مشمولات و معقولات وغیرہ کے مرکز ہیں۔ بعض اُبھار احساس' بعض تخیل' بعض کتابت' بعض ریاضی و منطق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کسی صدمے سے کسی ابھار کو نقصان پہنچ جائے تو وہ طاقت کم یا مفقود ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض طلبہ ریاضی میں اور بعض دیگر' انگریزی وغیرہ میں کمزور ہوتے ہیں"۔ (۳۲)

عالم انسانیت میں مختلف رنگوں اور نسلوں کے انسان موجود ہیں' کچھ دراز قد ہیں' کچھ پستہ قد۔ آب و ہوا اور علاقائی حالات کے مطابق ان میں ایک دوسرے سے کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ہر انسان کا بنیادی ڈھانچا ایک سا ہے۔ صرف ایک انسان کو لیں تو اس کے اندر خالق و مالک جل و علا نے عجیب و غریب' بے شمار کائناتیں تخلیق کر رکھی ہیں۔ صرف دماغ کو لیں تو عجیب سلسلہ نظر آتا ہے۔ کسی اور عضو کو لیں تو اس میں کئی دنیائیں دکھائی دیتی ہیں ------ خالق کائنات نے ہر انسان کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے' ہر انسان کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کے نشانات الگ الگ ہیں' کسی ایک کے یہ نشانات کسی دوسرے سے نہیں ملتے۔ یہ تنوع

اور پھر ان سب کا ایک ہی سسٹم پر پیدا ہونا اور ایک ہی نظام کے تحت زندہ رہنا اور مرنا خالق عالمین کا کارنامہ ہے۔ پھر ہر انسان کے ایک ایک عضو میں جو نظام مرتب شکل میں موجود ہے اور منظوم صورت میں قائم رہتا ہے' ——— یہ سب خالق و مالک حقیقی جل شانہ کی خالقیت اور ربوبیت کا کرشمہ ہے اور اس سسٹم کو برقرار رکھنے کے لیے ہر عالم اور ہر عالم کے اندر رکھے گئے لاکھوں' کروڑوں' اربوں' کھربوں عالموں کے لیے اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

جب عام طور پر عصبی نظام کا ایک حصہ دل کی حرکت اتنی تیز نہیں کرتا کہ موت واقع ہو جائے یا اس نظام کا دوسرا حصہ دل کی حرکت روک دینے کا موجب نہیں بنتا تو یہ اللہ کے قائم کردہ نظام رحمت ہی کا کیا دھرا ہے۔ جب گوشت میں قائم بالوں کی طرح کے رگ و ریشے اپنا کام بخوبی انجام دیتے ہیں' ہڈیاں کائنات جسم کو ٹھیک طرح جوڑے رکھتی ہیں' خون میں مختلف قسم کے سالے اور ایٹم رواں رہتے ہیں۔ جب انسان کے جسم میں موجود دو گردوں میں سے ایک وقت میں ایک کام کرتا ہے' دوسرا آرام کرتا ہے۔ پہلا کام کرنا چھوڑتا ہے تو دوسرا از خود کام کرنے لگتا ہے اور کسی بیماری کی وجہ سے کسی شخص کا ایک گردہ نکال دیا جائے تو جو واحد گردہ رہ جاتا ہے' وہ ہر وقت کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب انسان کے دل کی صورت میں آدھے پونڈ کا لوتھڑا' اپنے ایک پمپ کے ذریعے پھیپھڑوں کو خون بھیجتا ہے تاکہ وہاں سے آکسیجن لے سکے۔ دوسرے پمپ کے ذریعے صاف شدہ خون کو سارے بدن میں دوڑاتا ہے۔ جب انسان کی اوسط زندگی میں اس کے پھیپھڑے کوئی پچاس کروڑ مرتبہ پھولتے اور سکڑتے ہیں ——— تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اربوں' کھربوں عالموں میں موجود اربوں کھربوں قسم کی مخلوق میں سے ایک قسم کی مخلوق (انسان) کے لاکھوں کروڑوں پہلوؤں میں سے ایک آدھ پہلو کی بات ہے۔

ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب' الگ الگ' پیچیدہ نظام کے تحت پیدا

کیا ہے اور چلا رہا ہے۔ یہ سارے عالمین' یہ ساری دنیائیں' ان دنیاؤں میں چلنے والے اربوں کھربوں قسم کے یہ نظام اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے پیدا کیے' ان سب میں ان کا ذکر انھی کے لیے بلند کیا' اور ان سب کے لیے انھی کو رحمت بنا کے بھیجا۔

انسان کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے جو مختلف چیزیں فٹ کر دی ہیں' وہ ایک ہی خلیے سے وجود میں آئی ہیں لیکن مختلف ہیں' ان کا کام مختلف ہے۔ ان میں سے ایک ایک چیز میں کروڑوں اربوں قسم کی تاریں' خلیے اور سسٹم قائم کر دیے گئے ہیں جو جسم کے نظام کو' اس نظام کے ایک ایک پہلو کو پوری ذمہ داری سے چلاتے ہیں۔ صرف دل کو لیں تو یہ ایک ایسا عضو ہے جسے پمپ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ یہ متواتر سکڑتا اور پھیلتا ہے جس کی وجہ سے بدن کے اندر خون حرکت کرتا ہے۔ دل میں بیک وقت دو قسم کا خون داخل ہوتا ہے: ایک پھیپھڑوں سے آنے والا' ایک باقی بدن سے آنے والا۔ یہ دونوں قسم کے خون ایک منزل تک ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں مگر پھر یوں اکٹھے ہوتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے سے ملنے کا امکان تو پیدا ہوتا ہے لیکن اپنے بہاؤ کے زور کی وجہ سے یہ دو دھارے صرف معمولی حد تک ہی ملاوٹ ہونے دیتے ہیں۔ اس طرح صاف خون جسم کے حصوں کو جاتا ہے اور خراب خون پھیپھڑوں میں' تاکہ آکسیجن حاصل کرے۔

خون کی ترسیل کا نظام سادہ بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔ یہ شریانیں جسم کے مختلف حصوں تک پہنچ کر شاخ در شاخ تقسیم ہوتی ہوئی اتنی باریک ہو جاتی ہیں کہ ان کو صرف خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ وریدیں وہ نالیاں ہیں جو مختلف حصوں سے خون کو دل کی طرف واپس لے کر جاتی ہیں۔

"انسان کے دل میں جو دو خودکار پمپ ہیں' انھیں بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ جب انسان آرام کی حالت میں ہو تو اس کا دل ایک منٹ میں پانچ لیٹر خون پمپ کرتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۷۰ سال کے عرصے میں آپ کا دل ڈیڑھ لاکھ ٹن خون

آپ کے رگ و ریشے میں پہنچاتا ہے"۔ (۳۳)

ڈاکٹر صداقت علی دل کی کارکردگی کے متعلق یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

"سینے میں بائیں طرف تقریباً انسانی مٹھی کا ہم وزن اور ہم شکل دل' شکم مادر سے دم آخر تک مسلسل دھڑکتا ہے۔ پھیپھڑوں کو اپنے اردگرد ایک کمبل کی طرح اوڑھے یہ انتھک عضو دو خوبصورت آوازوں کا نغمہ بکھیرتا ہے اور آواز کے بغیر انسانی جسم کی سیکڑوں میل طویل نالیوں کے اندر خون گردش میں رکھتا ہے۔ خون صاف کرنا پھیپھڑوں' جگر اور گردوں کا کام ہے۔ جو خون دل پورے جسم سے وصول کر کے پھیپھڑوں کو بھیجتا ہے' وہ کاربن ڈائی آکسائڈ سے لبریز اور آکسیجن سے تہی دامن ہوتا ہے۔ پھیپھڑے اس خون میں سے کاربن ڈائی آکسائڈ نکال کر آکسیجن بھر دیتے ہیں۔ اب یہی خون واپس دل میں آتا ہے اور وہ اسے پورے جسم میں آکسیجن بانٹنے کے لیے بھیج دیتا ہے۔ خون کی یہ دوہری گردش ہی دل کا اصل کام ہے جسے انجام دینے کے لیے خون کی نالیں جسم کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں"۔ (۳۴)

مشہور ماہر عضویات مارلن ٹلکس کریڈر کے مضمون میں ہے کہ انسانی جسم کا یہ ان تھک پرزہ تا حیات جسم کے مسلسل و پیہم مطالبات پورے کرتا رہتا ہے۔ اس کی حرکت ہی میں ایسا پراسرار آہنگ پایا جاتا ہے کہ حادثات کی صورت میں بسا اوقات سارے اعصابی رشتے منقطع ہو جانے کے باوجود یہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ (۳۵)

لیکن جب اس کی حرکت ختم ہو جاتی ہے' انسان کی زندگی بھی انجام کو جا پہنچتی ہے۔ انسان اس وقت تک زندہ ہے' جب تک اس کا دل حرکت میں ہے۔ دل کی حرکت بند ہوئی اور انسان بے جان ٹھہرا۔ موجود و عدم کے درمیان لکیر یہی ہے۔ حرکت دل قائم ہے تو انسان دنیائے ہست میں ہے' یہ حرکت قائم نہ رہی تو انسان بود میں پہنچ گیا۔ لیکن جو خالق و مالک اور رب الارباب اس نظام کا خالق ہے' وہ چاہے یا اس کے قائم کردہ نظام رحمت کی خواہش ہو تو دل کی حرکت بند ہونے کے بعد بھی حیات قائم رہ سکتی ہے یا واپس آسکتی ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس نظام رحمت

کے حوالے سے اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی یا نسبت کے اثر سے گئی ہوئی روح واپس آسکتی ہے۔

"معارج النبوت" میں ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تین شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں باری باری حاضر ہوئے ...... تیسرا کہنے لگا' آپ کہتے ہیں کہ آپ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے بلند رتبہ ہیں۔ وہ تو مردہ زندہ کیا کرتے تھے لیکن آپ نے کوئی مردہ زندہ نہیں کیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت علیؓ کو آواز دی اور فرمایا' ان لوگوں کے ساتھ یوسف بن کعب (یہودیوں کا بہت بڑا راہب) کی قبر پر چلے جاؤ اور اسے کہو کہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر نکل آئے۔ حضرت علیؓ ان لوگوں کو لے کر قبرستان پہنچے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا۔ اٹھو۔ قبر پھٹ گئی۔ پھر پکارا تو قبر کا منہ کھل گیا۔ تیسری بار پکارا تو قبر بہت کشادہ ہو گئی۔ مردہ سامنے آگیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا' اسے پہچان لو۔ اس نے بتایا' میں یوسف بن کعب ہوں۔ مجھے فوت ہوئے تین سو سال ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے متبعین کو قتل و غارت گری سے منع کیا تھا۔ اب مجھے آواز آئی کہ میں اٹھوں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کروں اور جو جماعت میرے پاس آئی ہے' وہ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تکذیب کر رہی ہے۔ جس وقت ان لوگوں نے یہ حال دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو واپس چلنے کا کہا۔ اس بوڑھے کو اپنی قبر میں واپس جانے کا کہا گیا۔ حضرت علیؓ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اسے بھی پڑھایا۔ اس کی قبر کو درست کیا گیا۔ آپ ان لوگوں کو لے کر خدمت اقدس میں واپس آگئے۔ (۳۶)

شفا شریف میں حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوا۔ عرض کی' سرکار (صلی اللہ علیک وسلم) میری لڑکی فلاں جنگل میں مر گئی ہے۔ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے ہمراہ اس جنگل میں تشریف لے گئے اور اس کا نام لے کر اسے آواز دی۔ وہ لڑکی "لبیک و

سعدیک" کہتی ہوئی قبر سے باہر آ گئی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا' کیا تو دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے کہا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) نہیں۔ کیونکہ میں نے اللہ عزوجل کو اپنے والدین سے زیادہ مہربان پایا ہے۔ (۳۷)

بیہقی اور ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک نوجوان انصاری کی وفات ہوئی' اس کی ماں اندھی اور بوڑھی تھی۔ ہم نے اس انصاری کی میت کو ایک کپڑا اڑھا دیا اور اس کی ماں سے تسلی اور صبر کی باتیں کرنے لگے۔ اس خاتون نے دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے' میں نے تیری طرف اور تیرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف اس امید پر ہجرت کی کہ تو ہر مصیبت میں میری مدد فرمائے گا۔ اے اللہ! یہ مصیبت دور فرما۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے' ہم لوگ وہاں موجود تھے کہ اس نوجوان انصاری نے کپڑے سے منہ کھولا اور اچھا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے ہمارے ساتھ کھانا بھی کھایا۔ اس طرح حضور نبی کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) کے اسم گرامی کی برکت سے مُردہ زندہ ہو گیا۔ (۳۸)

امام ابو نعیم حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بکری ذبح کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے فرمایا' سیر ہو کر کھاؤ لیکن کوئی ہڈی نہ توڑنا۔ بعد میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ہڈیاں جمع کر کے اپنا دستِ مبارک ان پر رکھا اور کچھ پڑھا تو ناگاہ بکری زندہ ہو گئی۔ (۳۹)

بیہقی نے عبداللہ بن عبید اللہ انصاری کی' اور طبرانی' ابو نعیم اور ابن مندہ نے نعمان بن بشیر کی روایت سے دو واقعات لکھے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے طفیل مردے زندہ ہو گئے اور انہوں نے کلماتِ حسنہ کہے۔ (۴۰)

اللہ کریم نے انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے لوتھڑا بنایا' لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی۔ پھر اس سے ہڈیاں بنائیں۔ ہڈیوں پر گوشت

منڈھا۔ پھر انسان کو ایک نئی صورت میں اٹھا کھڑا کیا۔ (۴۱)

انسان کی پیدائش کے وقت اور بچپن کے زمانے میں بھی ہڈیاں لوچدار اور لچکدار ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے چھوٹے بچوں کی ہڈیاں چوٹ لگنے پر لچک جاتی ہیں اور بہت کم ٹوٹتی ہیں۔ اور ٹوٹتی بھی ہیں تو جلد ہی جُڑ جاتی ہیں۔ پھر جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے' ہڈیوں کے اندر چونے کے کیمیاوی اجزا بھرتے جاتے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ان کی سختی بڑھتی جاتی ہے بلکہ وہ زیادہ خستہ ہوتی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے بڑھے آدمیوں کی ہڈیاں گرنے اور چوٹ لگنے سے' جلد ٹوٹ جاتی ہیں اور پھر ان کا جُڑنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ (۴۲)

ہڈیاں جسم کے لیے بنیاد اور سہارا ہیں۔ ہڈیوں کے باہمی اتصال سے ہیکلِ عظمی بنتا ہے جس پر جسم کی دیگر ساختیں اور اعضا بلاواسطہ یا بالواسطہ سہارا لیتے ہیں۔ ہڈیاں حرکات کے لیے متحرک ہوتی ہیں اور عضلات کے لیے لیور کا کام انجام دیتی ہیں۔ بعض ہڈیاں بعض اعضائے رئیسہ کی حفاظت کرتی ہیں۔ بعض ہڈیاں ایسے راستے بناتی ہیں جو کھلے رہیں مثلاً" ناک اور کان کا سوراخ بنانے والی ہڈیاں اور وہ ہڈیاں جن میں عروق و اعصاب کے گزرنے کے واسطے نالیاں اور سوراخ ہوتے ہیں۔ بعض ہڈیاں بعض مخصوص اعضا کے افعال میں مدد کرتی ہیں۔ ہڈیوں میں کیلشیم اور فاسفورس کا خزانہ جمع رہتا ہے جو جسم کے ضروری اجزا میں سے ہیں۔ ہڈیوں میں گودا بھرا ہوتا ہے جس میں کریات دمویہ (بلڈ سیل) بنتے ہیں۔ (۴۳)

اللہ کریم نے جس طرح ہڈیاں بنائیں اور ان کا نظام ترتیب دیا' اس میں ہم جانتے ہیں کہ اگر کوئی ہڈی ٹوٹ جائے تو اسے جڑنے میں وقت لگتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ادھر ہڈی ٹوٹی' ادھر کسی علاج سے یا کسی کے کہنے سے جڑ گئی البتہ جس نظامِ رحمت سے ہڈیاں جڑی رہتی ہیں' نہیں ٹوٹتیں' وہیں نظامِ رحمت اگر ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنا چاہے تو اس کے لیے مشکل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً" بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قلعہ

میں داخل ہو کر جب ابو رافع کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینے سے گر پڑے جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی۔ پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر ان کو لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا اور وہ فوراً بالکل اچھی ہو گئی۔ اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ (۴۴)

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؐ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا۔ پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی' صرف نشان رہ گیا تھا۔ (۴۵)

غزوۂ حنین میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں زخم لگا۔ جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا۔ آپؐ حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے' دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا۔ زخم اچھا ہو گیا (۴۶)

علامہ قسطلانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ابوجہل کے قاتل معوذؓ تو جنگِ بدر میں شہید ہو گئے اور حضرت معاذؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا لٹکتا ہوا بازو لے کر آئے۔ بازو صرف کھال کی وجہ سے لٹکا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا تو ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ (۴۷)

امام بیہقی محمد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاؤں میں زخم تھا۔ جس کے علاج سے اطبا عاجز آ چکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی پر لعاب دہن لگا کر زخم پر مَل دیا' زخم اسی وقت اچھا ہو گیا۔ (۴۸)

امام بیہقی خبیب ابن یساف سے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑائی میں ہم حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ہمراہ تھے۔ میرے کندھے پر ایک ضرب لگی اور میرا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے لعاب دہن لگا کر میرا ہاتھ جوڑ دیا۔ پھر میں نے اسی ہاتھ سے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے مجھے زخمی کیا تھا۔ (۴۹)

آنکھ کی پُتلی ایک سوراخ ہے جس سے روشنی گزرتی ہے۔ اگر روشنی زیادہ ہو تو پُتلی سمٹ جاتی ہے اور اگر کم ہو تو پھیل جاتی ہے تاکہ زیادہ روشنی اندر جا سکے۔ آنسو ان گلٹیوں میں تیار ہوتے ہیں جو آنکھوں کے متصل کانوں کی طرف واقع ہیں۔ چونکہ بعض چھوٹے چھوٹے راستے آنکھ اور ناک کو ملاتے ہیں' اس لیے ہجوم گریہ میں عموماً آنسوؤں کی کچھ مقدار ناک میں چلی جاتی ہے اور روتے وقت ناک سے بھی پانی نکلتا ہے۔ آنسو آنکھوں کو صاف رکھتے ہیں۔ آنکھ اسی لیے بار بار جھپکتی ہے تاکہ آنسو یا معمولی نمی آنکھ کے ہر حصے میں پہنچ سکے۔ آنکھ کا ہر حصہ کیمرے کی پلیٹ کی طرح ہے جسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک سخت جلد اردگرد لگا دی گئی ہے۔ یہیں سے تار دماغ کو جاتے ہیں۔ جب کوئی چیز اس حصے پر منعکس ہوتی ہے تو ان تاروں کے ذریعے دماغ میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے۔ دیکھنے کا کام دماغ کرتا ہے اور آنکھ صرف آلۂ بصارت ہے۔

آنکھوں کے لینز شیشے کی طرح شفاف ہیں۔ ان سے روشنی گزر کر اسی طرح ٹیڑھی ہو جاتی ہے جس طرح پانی میں لاٹھی ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ اگر آنکھ سے گزرنے والی شعاعیں ٹھیک مرکزِ بصارت پر مل جائیں تو آدمی کی نظر ٹھیک رہتی ہے اور اگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے آنکھ کے شیشے اچھی طرح کام نہ کریں تو شعاعیں مرکزِ بصارت سے آگے جاتی ہیں یا ادھر رہ جاتی ہیں اور آنکھ کو دور بینی یا نزدیک بینی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ آنکھ کے آخری طبقے میں تیس لاکھ، تیس اور تین کروڑ

ستون ہیں۔ (۵۰)

انسانی آنکھ میں ایک کھرب سے زیادہ روشنی قبول کرنے والے ریشے ہوتے ہیں۔ یہ تعداد ان ستاروں کے برابر ہے جو "ملکی وے" نامی کہکشاں میں ہیں۔ (۵۱)

جس آنکھ کی اتنی جزئیات ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ رحمت اس کے ذریعے انسان کے دیکھنے کا اہتمام کرتا ہے' جب وہ آنکھ بہہ کر رخسار پر آ جائے تو پھر کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا تو حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی آنکھ ٹھیک ہو گئی۔

بیہقی اور ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جنگِ اُحُد میں حضرت قتادہؓ کی آنکھ میں تیر لگ گیا جس سے آنکھ بہہ کر رخسار پر آ گئی۔ حضور نبیٔ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے قتادہ سے فرمایا' اگر چاہو کہ یہ آنکھ اچھی ہو جائے تو میں اس کو اس کی جگہ پر رکھ دوں' اچھی ہو جائے گی اور اگر چاہتے ہو کہ جنت ملے تو صبر کرو۔ قتادہؓ نے عرض کیا' یا رسولُ اللہ (صلی اللہ علیکَ وسلّم) جنت تو بڑا اچھا انعام ہے لیکن مجھے کانا ہونا بُرا معلوم ہوتا ہے' آپ میری آنکھ بھی اچھی فرما دیجئے اور جنت کے لیے بھی دعا فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھ کا ڈھیلا اٹھا کر حلقے میں رکھ دیا۔ آنکھ اتنی روشن ہو گئی کہ دوسری آنکھ سے بھی اس کی روشنی تیز ہو گئی (۵۲) یہ حدیث پاک ابن عدی' ابو یعلیٰ اور بیہقی نے عاصم بن عمر سے' ابن سعد نے زید بن اسلم سے' ابونعیم نے عبداللہ ابن ابی سعد سے' انہوں نے ابوسعید خدری سے' حاکم' بیہقی اور ابونعیم نے معاذ ابن رفاعہ ابن رافع ابن مالک سے روایت کی ہے۔ (۵۳)

حضرت قتادہؓ کی اولاد کو فخر تھا کہ ان کے بزرگ قتادہؓ کی آنکھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے اچھی ہوئی تھی۔ چنانچہ قتادہؓ کے پوتے عاصم بن عمر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ (ترجمہ) میں انہی کا پوتا ہوں جن کی آنکھ لڑائی میں رخسار پر بہہ کر آ گئی تھی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے دوبارہ اتنی اچھی ہو گئی تھی کہ پہلے سے زیادہ روشن تھی۔ مبارک ہے وہ آنکھ اور مبارک ہے وہ ہاتھ جس نے دوبارہ آنکھ لوٹا دی۔" (۵۴)

ابو یعلیٰ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اُحُد کے دن حضرت ابوذرؓ کی آنکھ کو تکلیف پہنچی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس میں لعابِ دہن ڈال دیا۔ وہ آنکھ ابوذرؓ کی دونوں آنکھوں میں زیادہ صحیح تھی۔ (۵۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں۔ آپؐ نے فرمایا' اگر چاہو تو دعا کروں' اور اگر چاہو تو صبر کرو' اور یہ تمہارے لیے اچھا ہے۔ عرض کی۔ دعا فرمائیے۔ فرمایا۔ "اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے"۔ ترمذی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں جو علیٰ شرط البخاری ہے' یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے۔ حضرت عثمانؓ ابن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری خدمت کے لیے کوئی آدمی نہیں۔ مجھے سخت تکلیف ہے۔ فرمایا' وضو خانے میں جا کر وضو کرو۔ پھر دو رکعت نماز پڑھو' اس کے بعد یہ دعا مانگو۔ عثمانؓ بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔ (۵۶)

بخاری و مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ غزوہ خیبر میں حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن مبارک ڈال دیا' وہ اچھے ہو گئے۔ (۵۷) سید سلیمان ندوی کہتے ہیں یہ آشوب جیسا کہ مُسندِ ابن حنبل میں ہے' ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (حضرت سلمہ) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی آنکھوں

ہیں، اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ (۵۸)

بیہقی، طبرانی، ابو نعیم اور ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حبیب ابن فدیک (۵۹) کا پاؤں سانپ کے انڈوں پر پڑ گیا تھا جس سے بینائی جاتی رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر دم کیا، اسی وقت آنکھیں روشن ہو گئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ان کی بینائی اتنی تیز اور پائیدار ہو گئی کہ ۸۰ برس کی عمر میں سوئی میں دھاگا پرو لیا کرتے تھے۔ (۶۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ بہہ کر رخسار پر آ جائے تو بھی حضور رحمۃ للعالمین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اسے بحال فرما دیتے تھے۔ نابینا کو بینائی لوٹائی گئی، آشوبِ چشم کا علاج لعابِ دہن سے ہو گیا۔ مگر یہ تو عالمِ انسانیت کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجی گئی ہستی کا تصرف و اختیار ہے، دنیا تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بھی ایسے کام کر لیا کرتی ہے۔ ایک جوان جو بد قسمتی سے نابینا ہو گیا تھا، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا، میاں! درود شریف پڑھا کرو۔ کہنے لگا، درود پاک تو میں پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو درود شریف بھی پڑھے اور تیری آنکھیں روشن نہ ہوں۔ جب اس نے نو لاکھ پورے کیے تو خداوند کریم نے اسے بینائی عطا فرما دی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صاحبزادگانِ مہاروی کے اقربا میں سے ایک شخص نابینا ہو گیا تھا، اس نے بھی درود شریف کثرت سے پڑھنا شروع کیا، ایک ماہ میں اسے بینائی مل گئی۔ (۶۱)

۵ ستمبر ۱۹۶۳ کی ایک خبر کے مطابق لکھو ڈیر (لاہور) کے ایک شخص حاجی اللہ دین اور ان کی اہلیہ حسن بی بی حج سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی خاک مقدس اپنے ساتھ لائے۔ یہ مقدس خاک تحصیل فیروز والا کے موضع بھڑتھ کے مشہور عالم مولانا محمد علی کی بھانجی رضیہ بیگم کو بھی دی گئی۔ دو سال قبل

اچانک اس کی آنکھیں بند ہو جانے سے بینائی ختم ہو گئی تھی۔ رضیہ بیگم نے یہ خاک پاک ۲۲۔ اگست کو لگانی شروع کی اور پانچ روز بعد اس کی بینائی لوٹ آئی۔ (۶۲)

کندھے کے بہت سے عضلات ہیں۔ ان میں عضلۂ دالیہ شانے کے جوڑ کو پوشیدہ کرتا ہے، عضلۂ فوق الشوکہ بازو کو بعید کرتا ہے۔ عضلۂ تحت الشوکہ اور عضلۂ مستدیرہ صغیرہ بازو کو بیرونی جانب گھماتا ہے اور منقبض کرتا ہے۔ عضلۂ مستدیرہ کبیرہ بازو کو اندرونی جانب گھماتا ہے اور بازو کو قریب کرتا ہے اور عضلۂ تحت الکتف بازو کو اندرونی جانب گھماتا ہے اور منقبض کرتا ہے (۶۳) لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ کندھوں پر کوئی عبارت لکھی ہوئی ہو یا کندھے کٹ جائیں تو فوری طور پر جڑ بھی جائیں۔ مگر اللہ کریم جل شانہ العظیم کا قائم کردہ نظامِ رحمت اگر چاہے تو ایسا بھی ہوتا ہے۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔ "بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بلادِ خراسانی میں ایک بچہ دیکھا جس کی ایک کروٹ میں (اس کے مونڈھوں پر) قدرتی طور پر **لا الٰہ الا اللہ** اور دوسرے پر **محمدٌ رسول اللہ** لکھا ہوا اول ولادت سے دیکھا"۔ (۶۴)

بیہقی اور ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جنگِ بدر کے دن خُبیبؓ بن یساف کے دونوں کاندھوں کے بیچ میں دشمن کی تلوار اس زور سے لگی کہ ایک طرف کا حصہ کٹ کر لٹک گیا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی وقت ان کے لٹکے ہوئے حصے کو ملا کر دم کر دیا تو وہ اتنا اچھا ہو گیا کہ خُبیبؓ نے اسی لڑائی میں اپنے زخمی کرنے والے دشمن کو مار ڈالا۔ (۶۵)

آواز نام ہے ایسی لہروں کا جن کو آنکھ کے ذریعے دیکھا نہیں جا سکتا۔ جب ہم بولنے کے لیے زبان کو حرکت دیتے ہیں تو اس کی حرکت سے ہوا میں کچھ لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ انہی لہروں کو ہم آواز کہتے ہیں۔ جب بھی کوئی شخص بولتا ہے تو اس کی آواز لہروں کی شکل میں منتقل ہو جاتی ہے۔ (۶۶)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں، سانس کی نالی ٹھوڑی کے نیچے ہے اور غذا کی نالی کچھ پیچھے۔ ہوائی نالی کے منہ پر دو تار لگے ہوئے ہیں جن کے اردگرد جالی ہے۔

جب ہم بولتے ہیں تو پھیپھڑوں کی ہوا ان تاروں سے ٹکرا کر آواز میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ان کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ معمولی تنفس سے آواز پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً" ایک سیٹی منہ میں لے کر آہستہ آہستہ اوپر نیچے ہوا کھینچیں تو آواز نہیں نکلے گی اور اگر زور سے پھونکیں تو آواز پیدا ہو گی۔ یہی حال گلے کے تاروں کا ہے۔ (۶۷)

اب اگر کوئی آدمی گونگا ہو' بول نہ سکتا ہو اور اسے حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولنے کا حکم ارشاد فرما دیں تو سائنس جو کچھ کہتی رہے' علم الابدان کے ماہرین اس کی توجیہ کر سکیں یا نہ کر سکیں' طب گونگی ہو جائے تو ہو جائے' یہ کیسے ہو سکتے ہے کہ وہ گونگا بولنا نہ شروع کر دے۔ ملاحظہ فرمایئے' ابن ابی شیبہ نے ام جندبؓ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نبیٔ کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی خدمت میں ایک لڑکے کو لے کر آئی۔ وہ لڑکا بات کرنے سے معذور تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس لڑکے کے منہ پر کلی کی اور اپنے دونوں ہاتھ دھو کر وہ پانی یہ کہہ کر عورت کو دیا کہ یہ پانی لڑکے کو پلا دے اور اس کی دونوں آنکھوں میں لگا دے۔ عورت نے جب اس پر عمل کیا تو وہ لڑکا فوراً" باتیں کرنے لگا (۶۸) یہ واقعہ سُنن ابن ماجہ (باب النشرہ) اور ابو نعیم نے بھی بیان کیا ہے (۶۹)

بیہقی میں ہے' حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی خدمت میں ایک جوان لڑکا لایا گیا۔ یہ لڑکا پیدائشی گونگا تھا۔ اس نے بات نہ کی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا' میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا' آپ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ (۷۰)

جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا بڑی نالی سے گزر کر دو چھوٹی چھوٹی نالیوں میں داخل ہوتی ہے جو سیدھی پھیپھڑوں میں جاتی ہے۔ پھیپھڑوں اور معدے کے درمیان ایک ایسا پٹھا ہے جس پر تنفس کے وقت دباؤ پڑتا ہے اور اس دباؤ سے معدہ بار بار پھولتا ہے۔ پھیپھڑوں میں ہوا بھی موجود ہے اور خون بھی۔ لیکن ہر دو کے خانے جدا جدا ہیں۔ پھیپھڑوں میں ہوا کے دو فائدے ہیں' اول یہیں سے تازہ ہوا خون میں جاتی ہے۔ دوم' جب جماہی یا انگڑائی لیتے ہیں تو پھیپھڑوں پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہ ہوا اس دباؤ کو اس طرح غیر محسوس بنا دیتی ہے جس طرح گدیوں کے سپرنگ جھٹکوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ ہمیں دن میں کئی بار پھیپھڑوں کو سکیڑ کر خون کو دیگر اعضا کی طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دل کے دو حصے ہیں' دایاں اور بایاں۔ دایاں حصہ خون کو پھیپھڑوں میں بھیجتا ہے جہاں سے صاف ہو کر وہ بائیں حصے میں داخل ہوتا ہے اور پھر باقی جسم میں جاتا ہے (۷۱) انسان کی اوسط زندگی میں اس کے پھیپھڑے کوئی پچاس کروڑ مرتبہ پھولتے اور سکڑتے ہیں (۷۲)

ہمارا نظامِ تنفس بھی اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ رحمت کا مرہونِ منت ہے۔ یہ حقیقت بھی جدید آلات ہی نے تلاش کی ہے۔ انسانی جسم کی جو تصویر کمپیوٹر کے ذریعے لی گئی ہے' وہ سب سے پہلے ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور کے مئی ۱۹۹۰ کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اس پر ماہنامہ نعت کی ڈپٹی ایڈیٹر شہناز کوثر نے "نوید مسیحا کی مسیحائی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ "نعت" لاہور کے جون ۱۹۹۰ کے شمارے میں' پھر ہفت وار اخبار "ملتان روڈ نیوز" لاہور میں' ماہنامہ "آستانہ" دہلی میں اور دیگر کئی رسالوں میں شائع کیا گیا۔ کمپیوٹر کے ذریعے لی گئی اس تصویر کے ذریعے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ ہر انسان کی سانس کی نالی (ٹانسل) پر کلمۂ طیبہ کا جزوِ اول "لا الٰہ الا اللہ" لکھا ہوا ہے جبکہ دائیں پھیپھڑے پر "محمدٌ رسول اللہ" نقش ہے۔ یہ تصویر بعد میں روزنامہ پاکستان لاہور' ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور اور سہ ماہی "سیرتِ طیبہ" کراچی (حج نمبر) میں بھی شائع ہوئی۔

شہناز کوثر نے اپنے مضمون میں لکھا تھا۔ "انسان جب دنیا میں آتا ہے' اپنی زندگی کے لیے سانس کا محتاج ہوتا ہے۔ جب تک سانس کی ڈوری قائم رہتی ہے' وہ زندہ رہتا ہے' جب سانس کا یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے' انسان مر جاتا ہے۔ یعنی انسان زندہ رہنے کے لیے سانس کا محتاج ہے اور یہ سانس اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ملتی ہے۔ کمپیوٹر کے ذریعے لی گئی اس

تصویر سے معلوم ہوا کہ انسان چلتا پھرتا کلمۂ توحید ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے لیکن حضور نبی الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی امت میں آنے کی خواہش حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی اور ان کی یہ درخواست بارگاہ خداوندی سے قبولیت کی سند بھی لے چکی۔ تو یقیناً مسیحائی کے اعتبار سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و فوقیت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پھونک مارتے تھے اور مُردہ زندہ ہو جاتا تھا مگر نوید مسیحا حضور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسیحائی کا شہرہ ازل سے ابد تک یوں ہے کہ ہر انسان اپنی ساخت کے لحاظ سے کلمۂ طیبہ کا قائل ہے۔ وہ سانس لے ہی نہ سکتا تھا' اگر خدا کی وحدانیت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اپنی تخلیق میں قائل نہ ہوتا۔ سانس کی نالی اور پھیپھڑے کے ذریعے زندگی ہے اور یہ زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کے اعتراف و اقرار میں مضمر ہے۔ انسانی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس خدا تعالیٰ اور اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محتاج ہے"۔ (۷۳)

ہم عالم انسانیت کے باسی ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک عمر کے بعد انسان کے بال سفید ہو جاتے ہیں لیکن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے ہیں کہ انہوں نے کسی صحابی بچے یا بڑے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے سر کے بال بڑھاپے میں بھی سفید نہیں ہوئے۔ طبقاتِ ابنِ سعد کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں درج کیا ہے کہ ہلب بن یزید کے سر پر بال نہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک پھیرا' تو اسی وقت بال اگ آئے۔ (۷۴)

حضرت انسؓ بن فضالہ بن عدی بن حرام دو ہفتے کے تھے جب بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں لے جائے گئے۔ ان کی عمر بہت ہوئی' سر اور داڑھی کے بال سپید ہو گئے تھے مگر حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جس

مقام پر ہاتھ پھیرا تھا' وہ سفید نہیں ہوا۔ حضرت عبدِ ہلالؓ بھی بچے تھے جب آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے جائے گئے اور حضور محسنِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کا جب انتقال ہوا تو ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے مگر سر کے بال اس کثرت سے تھے کہ کنگھی کرنا دشوار ہوتی تھی۔ حضرت سائبؓ بن یزید کے سر پر بھی حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا۔ ۹۴ برس کی عمر میں ان کے سر کے اگلے حصے کے بال بالکل سیاہ تھے اور سر کے پچھلے حصے کے سب بال اور داڑھی بالکل سفید تھی۔ حضرت ابوزید انصاری (قیس ابنِ سکن) کے سر کا ایک بال بھی' اسی باعث سو برس سے کچھ زاید عمر کے ہونے کے باوجود' سفید نہیں ہوا تھا۔ (۷۵)

بیہقی' طبرانی اور ابنِ سکن نے حضرت مالک بن عمیرؓ کے بارے میں انہی کی روایت نقل کی ہے کہ ان کی عمر بھی سو سال ہو گئی تھی لیکن وہ بال سیاہ ہی رہے جن پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دستِ مبارک مس ہوا تھا۔ (۷۶)

بیہقی ہی میں ہے' حضور نبیٔ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ابوقتادہؓ کے حق میں دعا فرمائی کہ تیرا چہرہ کامیاب اور فلاح مند ہو۔ پھر فرمایا۔ یا اللہ! قتادہؓ کے بالوں اور بدن میں برکت عطا فرما۔ دعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ ستر برس کے ہو کر فوت ہوئے لیکن ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا اور اس عمر میں بھی چہرے کی رونق کا یہ حال تھا کہ پندرہ برس کے معلوم ہوتے تھے۔ (۷۷)

ابنِ اثیر نے قیس ابن یزید' عمرو بن حمق' عمرو بن ثعلبہ (۷۸)' مدلوک ابوسفیان الفزاری' ہلب طائی یزید بن قنافہ اور یسار جہنی مدنی (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے سروں پر آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور ان کے سر کے بال کبھی سفید نہیں ہوئے۔ (۷۹)

عالم انسانیت ہی کے بے شمار پہلو ہمارے آپ کے سامنے ہیں لیکن فی الوقت ان سب کو گنوانا اور ان کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمین

کے مظاہر کے بارے میں گفتگو کرنا مطلوب نہیں۔ مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسرے ہر عالم کی طرح اس عالم کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ اس لیے اللہ کریم کے عطا فرمودہ اختیارات کے تحت جب چاہیں' اس نظام میں تصرّف فرما سکتے ہیں۔

حواشی

☆ ۱- مریم۔ ۱۹ : ۹
☆ ۲- الذاریات۔ ۵۱ : ۲۰' ۲۱
☆ ۳- الانفطار۔ ۸۲ : ۶' ۷
☆ ۴- دہر۔ ۷۶ : ۳
☆ ۵- عبس۔ ۸۰ : ۱۹
☆ ۶- الروم۔ ۳۰ : ۵۴
☆ ۷- نوح۔ ۷۱ : ۱۳' ۱۴
☆ ۸- الطور۔ ۵۲ : ۳۵
☆ ۹- الروم۔ ۳۰ : ۲۰
☆ ۱۰- محمد احتشام علی۔ قرآن مجید اور تخلیق انسان۔ دانش محل' لکھنؤ۔ ستمبر ۱۹۶۰ء۔ ص ۱۸' ۲۳' ۲۴
☆ ۱۱- الرحمٰن۔ ۵۵ : ۳
☆ ۱۲- الصّٰفٰت۔ ۳۷ : ۱۱
☆ ۱۳- حجر۔ ۱۵ : ۲۶
☆ ۱۴- آل عمران۔ ۳ : ۵۹
☆ ۱۵- المؤمنون۔ ۲۳ : ۱۲-۱۴
☆ ۱۶- الاعلیٰ۔ ۸۷ : ۲

☆ ۱۷- شہاب الدین ندوی' مولانا محمد۔ قرآن مجید اور دنیائے حیات۔ ۱۹۸۸ء۔ ص ۵۴
☆ ۱۸- دہر۔ ۷۶ : ۲۸
☆ ۱۹- بنی اسرائیل۔ ۱۷ : ۷۰
☆ ۲۰- بقرہ۔ ۲ : ۳۰
☆ ۲۱- التین۔ ۹۵ : ۵
☆ ۲۲- احزاب۔ ۳۳ : ۷۲
☆ ۲۳- علق۔ ۹۶ : ۵
☆ ۲۴- جاثیہ۔ ۴۵ : ۱۳ / زخرف۔ ۴۳ : ۱۳ / ابراہیم۔ ۱۴ : ۳۳ / حج۔ ۲۲ : ۶۵ / لقمٰن۔ ۳۱ : ۲۹ / نحل۔ ۱۶ : ۱۴......
☆ ۲۵- ابوالحسن علی ندوی' مولانا سید۔ منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین۔ ص ۱۷۶' ۱۷۷
☆ ۲۶- عزیز قاضی' عزیز احمد۔ حکمۃ القرآن۔ ص ۳۷' ۳۸
☆ ۲۷- راجا رشید محمود۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم۔ اختر کتاب گھر' لاہور۔ ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۳۶' ۱۳۷
☆ ۲۸- مطالعۂ فطرت اور ایمان۔ ص ۱۹
☆ ۲۹- جان کلوور مونزما (مرتب) خدا موجود ہے (ترجمہ از عبدالحمید صدیقی)۔ ص ۲۸۰
☆ ۳۰- ایضاً۔ ص ۷۶' ۷۷ (مارلن بکس کریدر کا مضمون "آئن سٹائن کی تخلیقی قوت کی توثیق)
☆ ۳۱- ریڈرز ڈائجسٹ۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ "مذہب اور جدید چیلنج" از مولانا وحید الدین خاں۔ ص ۴۰' ۴۱
☆ ۳۲- غلام جیلانی برق' ڈاکٹر۔ دو قرآن۔ ص ۲۷۲
☆ ۳۳- اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور۔ اپریل ۱۹۸۱ء۔ ص ۱۴۸

☆ ۳۴ - اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور۔ جون ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۵۵

☆ ۳۵ - خدا موجود ہے۔ ص ۷۷

☆ ۳۶ - معارج النبوت فی مدارج الفتوت۔ جلد سوم (اردو ترجمہ) ص ۶۴، ۶۵

☆ ۳۷ - مُلا علی قاری۔ شفا۔ جلد اول۔ ص ۶۳۸۔ بحوالہ جامع الصفات از سید محمود احمد رضوی۔ ص ۱۲۶، ۱۲۷

☆ ۳۸ - دلائل النبوت۔ جلد سوم۔ ص ۲۲۳ / احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۳۰ / جامع الصفات۔ ص ۱۲۷

☆ ۳۹ - الخصائص الکبریٰ بحوالہ جامع الصفات۔ ص ۱۲۸ / معارج النبوت (اردو ترجمہ) ص ۶۵

☆ ۴۰ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۳۱

☆ ۴۱ - مؤمنون۔ ۲۳: ۱۲، ۱۴

☆ ۴۲ - قرآنِ مجید اور تخلیق انسان۔ ص ۴۰

☆ ۴۳ - کمال الدین حسین ہمدانی، ڈاکٹر حکیم سید۔ خلاصۂ تشریح۔ حصہ اول۔ تشریح البدن۔ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔ ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۹، ۲۰

☆ ۴۴ - بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ہوا۔ سید سلیمان ندوی نے ان دونوں کی تطبیق کر دی ہے (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم)

☆ ۴۵ - صحیح بخاری۔ باب غزوۂ خیبر / مسندِ احمد بن حنبل۔ جلد چہارم۔ حدیث سلمہ بن اکوعؓ

☆ ۴۶ - مسندِ ابن حنبل۔ جلد چہارم۔ ص ۸۸ و عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابنِ عساکر بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم از سید سلیمان ندوی۔ جلد سوم

☆ ۴۷ - انوارِ محمدیہ۔ ص ۹۱، ۹۲ (علامہ قسطلانی کی مشہورِ زمانہ کتاب "المواہب اللدنیہ" کی تلخیص علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے "الانوار المحمدیہ" کے نام سے کی۔ زیرِ نظر کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے جو غلام ربانی عزیز نے کیا/ عبدالحق محدث

دہلوی، شیخ۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم (اردو ترجمہ) ص ۱۵۰ / شہناز کوثر۔ حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت (۱۹۹۳ کی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب) ص ۱۳۶

☆ ۴۸ - الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ بحوالہ جامع الصفات۔ ص ۱۳۳

☆ ۴۹ - حجۃ اللہ۔ ص ۴۲۹۔ بحوالہ جامع الصفات۔ ص ۱۳۳

☆ ۵۰ - رد قرآن۔ ص ۲۵۴۔ ۲۵۶

☆ ۵۱ - مطالعۂ قرآن اور ایمان۔ ص ۱۸

☆ ۵۲ - سیرۃ ابن ہشام قسم ثانی۔ الاستیعاب قسم ثالث۔ المغازی للواقدی، جلد اول۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد سوم۔ البدایہ والنہایہ جلد سوم و ششم۔ اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ جلد چہارم۔ طبقاتِ ابن سعد، جلد سوم / ولید الاعظمی۔ معجزاتِ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (اردو ترجمہ) ص ۶۴، ۶۵ / احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۷ / محمود احمد رضوی، سید۔ جامع الصفات۔ ص ۱۳۰

☆ ۵۳ - الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول (اردو ترجمہ) ص ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۲۶

☆ ۵۴ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۷، ۲۸

☆ ۵۵ - الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۲۲۷ / جامع الصفات۔ ص ۱۳۰

☆ ۵۶ - سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم۔ از سید سلیمان ندوی

☆ ۵۷ - الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول۔ ص ۵۱۰

☆ ۵۸ - سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی (باب شفائے امراض) / احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۲۳، ۲۴

☆ ۵۹ - معارج النبوت کے ترجمے میں حبیب بن مدرکؓ اور احمد سعید دہلوی کی کتاب میں حبیب بن حذیف لکھا ہے (معارج النبوت۔ جلد سوم۔ ص ۴۶ / معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۳۲)

☆ ۶۰ - قمر یزدانی۔ معجزاتِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۵۳ / محمد شریف نقشبندی۔ معجزاتِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا۔ ص ۲۳ / جامع الصفات۔ ص ۱۳۹

☆ ۶۱ - خاتم سلیمانی۔ ص ۱۳۹

☆ ۶۲ - کوہستان (روزنامہ) لاہور۔ ۵ ستمبر ۱۹۶۳ / قمر یزدانی۔ معجزاتِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۵۴ ' ۵۵

☆ ۶۳ - کمال الدین حسین ہمدانی۔ خلاصۂ تشریح۔ حصہ اول۔ تشریح ابدان۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ۱۷۲ ' ۱۷۳

☆ ۶۴ - محمد شفیع' مولانا مفتی۔ شہادتِ کائنات۔ ص ۱۵

☆ ۶۵ - احمد سعید دہلوی۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ص ۱۳۶

☆ ۶۶ - وحید الدین خاں' مولانا۔ مجموعۂ مقالات۔ ص ۲۰

☆ ۶۷ - دو قرآن۔ ص ۲۵۸

☆ ۶۸ - معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۳۷

☆ ۶۹ - سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی

☆ ۷۰ - معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۲۸

☆ ۷۱ - دو قرآن۔ ص ۲۶۷ ' ۲۶۸

☆ ۷۲ - راجا رشید محمود۔ میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۳۷

☆ ۷۳ - شہناز کوثر۔ قوسِ قزح (۱۹۹۱ کی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب) اختر کتاب گھر' لاہور۔ ص ۱۳۷

☆ ۷۴ - جامع الصفات۔ ص ۳۴

☆ ۷۵ - راجا رشید محمود۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بچے۔ ص ۵۰ ' ۵۱ (حضرت ابوزید انصاری کا یہ واقعہ بیہقی اور ترمذی میں درج ہے)

☆ ۷۶ - معجزاتِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا۔ ص ۹۰

☆ ۷۷ - معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ص ۱۰۹

☆ ۷۸ - یہ واقعہ بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

☆ ۷۹ - ابن اثیر۔ اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ (اردو ترجمہ) جلد ہفتم' ص ۳۱۱ ' ۱۳۵ ' ۳۳۔ جلد ہشتم۔ ص ۱۱۷۔ جلد نہم۔ ص ۳۳ ' ۲۱۰

عالمِ جمادات

پہاڑ ہماری دولت' ہتھیار' وجہِ قیام اور وسیلۂ حیات ہیں۔ ان سے مختلف معدنی چشمے نکل کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں' جو فلزات و احجار بطنِ زمین سے برآمد ہوئے' ان کے معائنے سے پتا چلتا ہے کہ زمین کی تہ میں مختلف قسم کے پتھر موجود ہیں مثلاً گرانیٹ' فلسپٹ' زراکیٹ' انڈی سیٹ' ڈیاپیج ڈالریٹ' گرافیٹ' کاربونیٹ آف لائم' چقماق' کوئلہ (۱)

ہم سب جانتے ہیں کہ پتھر نہ آسانی سے ٹوٹتا ہے' نہ گھستا ہے' نہ بول سکتا ہے' نہ ازخود چل سکتا ہے۔ لیکن اس بات میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ جمادات کے لیے بھی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور جو عالم اپنی باعثِ تخلیق ہستی کی رحمت کے سہارے چل رہا ہے' اس ہستی کا حکم نہ ماننا اس عالم کے لیے ممکن کیسے ہے۔ حضور سید عالم و عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بچپن یا لڑکپن میں اپنے چچا حضرت ابوطالبؓ کے ساتھ شام کے سفر کو گئے۔ راستے میں بحیرا راہب نے انھیں دیکھ کر کہا کہ یہ نبیٔ آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں' انھیں اس طرح ساتھ ساتھ نہ لیے پھریں۔ اس پر حضرت ابوطالبؓ نے پوچھا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا۔ کہنے لگا' جب تم گھاٹی سے نیچے اتر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ راستے کے سب درخت اور پتھر انھیں سجدہ کر رہے تھے (۲)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔ یہ صحیح مسلم کتابُ الفضائل' مُسندِ احمد اور مُسندِ دارمی کی روایت ہے'' (۳)

ترمذی میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں مکہ میں حضرت حبیبِ کبریا

علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ تھا۔ میں نے سنا کہ جو پہاڑ یا درخت سامنے پڑتا' وہ "السلام علیک یا رسول اللہ" کہتا۔ (۴)

ملا معین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضرت عقیلؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ انھیں پیاس لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' سامنے پہاڑ کے پاس جا کر کہو' مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھیجا ہے' پانی مہیا کرو۔ حضرت عقیلؓ نے پہاڑ کو پیغام پہنچایا تو پہاڑ سے آواز آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزارش کر دیں کہ جب سے میں نے قرآنِ کریم کا یہ پیغام پڑھا ہے " اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ " (اس آگ سے ڈرو جو انسانوں اور پتھروں سے تیار کی گئی ہے تو اتنا رویا ہوں کہ میرے پاس پانی کا قطرہ نہیں رہا (۵) مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے جانے والے سے بھی پتھر کلام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دستِ مبارک میں کنکریوں کے کلمہ پڑھنے کا واقعہ تو سب کتابوں میں ملتا ہے۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے (۶)

پتھروں کی یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ موم نہیں ہو جایا کرتے لیکن کئی احادیثِ مبارکہ میں یہ واقعات ملتے ہیں کہ حضور نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ننگے پاؤں پتھروں پر چلتے تو پتھر موم ہو جاتے تھے اور اس پتھر پر نقش بن جاتے (۷) ایسا ایک پتھر توپ کاپی میوزیم' ترکی میں آج بھی محفوظ ہے۔ اس کی تصویریں دنیا بھر میں موجود ہیں اور لوگ اس نقش پاءِ مبارک سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور' پتھر تو حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نیچے بھی موم ہو جاتے تھے۔ ایسا ہی ایک پتھر کعبۃ اللہ کے قریب وہاں پڑا ہے' جسے مقامِ ابراہیم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے وہاں نماز پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے (۸) اگر وہاں نفل نہ پڑھے جائیں تو حج پورا ہوتا ہے' نہ عمرہ۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیرِ کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پانی کے کنارے پر تشریف فرما تھے' عکرمہ بن ابوجہل آیا اور کہا' اگر تم سچے ہو تو دوسرے کنارے پر موجود پتھر کو بلاؤ' وہ پانی پر تیرتا ہوا آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والثنا نے پتھر کو اشارہ کیا تو وہ پانی پر تیرتا ہوا حاضر ہوا اور کلمۂ شہادت پڑھا (۹)

آتش فشانوں کے ذریعے اندرونِ زمین کے بخارات نکلتے ہیں۔ زلزلوں کا مرکز زمین کے اندر ۳۵ میل کی گہرائی میں ہے۔ اس مرکز میں زلزلے کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ (۱۰)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ (۱۱) ایک پہاڑ پر چڑھے (۱۲) پہاڑ جنبش کرنے لگا تو حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ٹھوکر مار کر فرمایا' ٹھہر جا' تجھ پر اس وقت پیغمبر ہے' صدیق ہے اور شہید ہے (۱۳)

علم ارضیات کے کسی ماہر سے پوچھ لیجئے' پہاڑ اور پہاڑوں میں موجود پتھر یا زمین پر بکھری ہوئی کنکریاں' نہ تو کسی کو سجدہ کرتے ہیں' نہ سلام کرتے ہیں' نہ کسی فرستادہ کے پیغام کے جواب میں کلام کرتے ہیں' نہ پاؤں کے نیچے موم ہو سکتے ہیں' نہ پانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور نہ ہی زلزلے کسی کے کہنے سے رک جاتے ہیں۔ لیکن جہاں معاملہ رحمتٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو' وہاں یہ سب صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور پیدا ہوئیں۔ کیونکہ جس نظامِ رحمت کے تحت پتھر بول نہیں سکتا' چل اور تیر نہیں سکتا' موم نہیں ہو سکتا' بات نہیں مان سکتا' وہی نظامِ رحمت چاہے تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور اس میں تعجب کی کوئی گنجائش نہیں۔

حواشی

☆ ۱ ۔ دو قرآن۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور۔ س ن۔ ص ۲۳۶' ۲۳۷

☆ ۲ - مختصر سیرت الرسولؐ۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب۔ اردو ترجمہ از حافظ محمد اسحاق۔ جامعۃ العلوم الاثریہ' جہلم۔ اگست ۱۹۹۰ء۔ ص ۳۹ / رحمۃ للعالمین۔ سید محمد عابد۔ قرآن محل' کراچی۔ ص ۱۵۸ / شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن۔ اختر کتاب گھر' لاہور۔ ص ۲۷۵' ۲۷۶

☆ ۳ - سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد سوم از سید سلیمان ندوی۔ "علاماتِ نبوت قبل بعثت" (اسلامی پبلشنگ کمپنی' لاہور نے یہ کتاب معجزاتِ نبویؐ کے نام سے چھاپ دی ہے اور مصنف کے طور پر شبلی نعمانی کا نام لکھ دیا ہے۔ ص ۱۴۰)

☆ ۴ - سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سید سلیمان ندوی۔ "اشیا میں اثر" / معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۱۸۲

☆ ۵ - معارج النبوت۔ جلد سوم۔ ملا معین واعظ کاشفی۔ اردو ترجمہ از حکیم محمد اصغر فاروقی و اقبال احمد فاروقی۔ اشاعت دوم۔ ۱۹۸۸ء۔ ص ۵۹۶' ۵۹۷

☆ ۶ - جامع الصفات۔ سید محمود احمد رضوی۔ مکتبہ رضوان' لاہور۔ س ن۔ ص ۳۹ / معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۱۸۲

☆ ۷ - معجزاتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا۔ محمد شریف نقشبندی۔ ادارہ پیغام القرآن' لاہور۔ بار اول۔ ستمبر ۱۹۸۳ء۔ ص ۳۰

☆ ۸ - البقرہ - ۲: ص ۱۳۵

☆ ۹ - انوارِ محمدیہ' بحوالہ معجزاتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا۔ ص ۱۰۹

☆ ۱۰ - دو قرآن۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ص ۲۴۴' ۲۴۶

☆ ۱۱ - مسلم میں ہے آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ' حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے۔

☆ ۱۲ - مسلم اور مسندِ احمد میں ہے کہ یہ کوہِ حرا تھا' بیہقی اور مسندِ ابو یعلیٰ میں ہے کہ کوہِ اُحد تھا۔ بخاری میں ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی پہاڑ تھا۔

☆ ۱۳ - صحیح بخاری۔ غزوۂ خندق / نسائی۔ کتاب الجہاد / جامع ترمذی۔ ذکرِ معجزات بروایت حسن (یہ واقعہ مسندِ احمد' دار قطنی' بیہقی وغیرہ میں بھی مذکور ہے)

عالمِ حشرات

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے عوالم کی طرح عالمِ حشرات کے لیے بھی رحمت ہیں۔ حشرات میں سے ایک ایک کے بارے میں اگر ہمیں معلومات حاصل ہو جائیں تو ظاہر ہو کہ یہ سب جس طرح اپنی تخلیق میں ایک ہستی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرہونِ منت ہیں' اسی طرح اپنی زندگی کے تمام مراحل اسی ہستی کی رحمت سے طے کرتے ہیں۔

عنکبوت کو دیکھیں تو یہ تاروں سے جالا بناتی ہے۔ ہر تار دراصل چار باریک باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر ہر باریک تار ہزار تاروں سے تیار ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر جالے کا ہر تار ہزار تاروں سے بنتا ہے۔ مکڑی کے جسم میں چار ہزار باریک نالیاں ہیں۔ ہر نالی سے ایک تار نکلتا ہے۔ ذرا آگے چار سوراخ ہوتے ہیں۔ ہر سوراخ میں ایک ہزار تار داخل ہو کر ایک تار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ دُم کے آخر میں صرف ایک نالی ہوتی ہے جس میں سے یہ چار تار گزر کر ایک دھاگا بن جاتے ہیں (۱)

عام طور پر خیال یہ کیا جاتا ہے کہ مکڑی کا جال مادہ مکڑی بناتی ہے' یا مادہ اور نر دونوں مل کر بناتے ہوں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مکڑی کا جال صرف نر مکڑی بناتا ہے (۲)

مکڑی کا یہ جالا کسی کے کہنے سے نہیں بنتا' وہ تو اس کا اپنا گھر ہوتا ہے لیکن جب غارِ ثور کے دروازے سے کفارِ قریش کو یہ تاثر دینا مطلوب تھا کہ ان کا جبلِ ثور کی انتہائی چڑھائی پر آنا بھی بے فائدہ ہے اور یہاں سے انھیں کچھ نہیں ملے گا' مکڑی نے فوراً" تانا بن دیا۔ سیرتِ مطہرہ کی ہر کتاب میں یہ واقعہ موجود ہے۔

عبدالرحمن ابن جوزی نے واقدی کے حوالے سے (۳) ابن کثیر نے ابن عساکر کی روایت سے (۴) مکڑی کے جالا تننے کا ذکر کیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں یہ واقعہ نقل کیا گیا موجود ہے (۵)

حقیقت یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ جس نظامِ رحمت نے مکڑی کو اپنے گھر کے طور پر جالا بُننے کی راہ سُجھائی ہے' اسی کے تصرّف سے یہ ضروری تھا کہ مکڑی اپنے گھر کے طور پر نہیں' بلکہ ایک ضرورت کے تحت غارِ ثور کے منہ پر جالا بنا دے۔

شہد کی مکھی کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے (۶) شہد کی مکھیوں کا خارجی آلات کی مدد کے بغیر ہندسی شکل میں بالکل یکساں قسم کے خانے بنانا جو فنِ انجینئرنگ کے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں' بغیر خدائی الہام و رہنمائی کے ممکن نہیں (۷) لیکن وہ جس نظامِ رحمت کے تحت پھولوں پھلوں سے رس چوس کر اسے شہد کی شکل دیتی ہیں' اس کا اظہار یوں ہوا کہ ایک بار حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد کی مکھی سے دریافت فرمایا کہ یہ شہد کس طرح اکٹھا کرتی ہو۔ اس نے بتایا کہ "ہم میں ایک سردار مکھی ہوتی ہے۔ تمام مکھیاں اس کے حکم سے پھلوں اور پھولوں سے رس چوس کر چھتے میں لاتی رہتی ہیں اور وہ اس پر درودِ پاک پڑھتی ہے۔ اس درودِ پاک کی برکت سے تمام پھلوں اور پھولوں کی تاثیر بدل کر شہد کی مٹھاس میں تبدیل ہو جاتی ہے" (۸)

مکھی غلاظت کو چاٹ کر صاف کرتی ہے۔ جہاں غلاظت زیادہ ہو' وہاں قدرت کے یہ جاروب کش بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ انسانی غلاظت کو صاف کرنے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں اور پر گندے ہو جاتے ہیں (۹) اور "حجۃ اللہ العالمین" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائصِ جسم سے یہ بھی ہے کہ جسمِ اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی (۱۰)

حشرات کے حوالے سے اس نظامِ رحمت کا جائزہ لیں جس کے تحت ہر کام

ایک طے شدہ سسٹم کے تحت ہوتا ہے تو تعجب ہوتا ہے مثلاً موریسی کریسن ایک جگہ لکھتا ہے۔ "ایک بھڑ ایک پتنگے کو بے بس کر لیتی ہے۔ پھر زمین میں ایک سوراخ کھودتی ہے۔ پتنگے کو ٹھیک جگہ پر ڈنک مارتی ہے تاکہ وہ مر نہ جائے' صرف بے ہوش ہو اور محفوظ گوشت کی صورت میں زندہ رہے۔ پھر بھڑ سلیقے کے ساتھ انڈے دیتی ہے تاکہ اس کے بچے جب انڈوں سے نکل آئیں تو پتنگے کو مارے بغیر اسے کھا سکیں۔ ان کے واسطے مرے ہوئے پتنگے کا گوشت مہلک ہوتا ہے"۔ (۱۱) اگر کسی مرحلے پر وہ نظامِ رحمت چاہے کہ بھڑ اس طے شدہ طریقے کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کر لے' تو ایسا کیوں نہ ہو گا!

رجیع کے واقعے میں کفار حضرت عاصمؓ بن ثابت کو شہید کرنے کے بعد ان کا سر کاٹنا چاہتے تھے کہ شہد کی مکھیوں نے حضرت عاصمؓ کی نعش کے گرد دائرہ بنا لیا۔ نزدیک آنے والوں کو شہد کی مکھیاں ایسا ڈنک مارتیں کہ فوراً ورم آ جاتا اور کافر تھوڑی دیر ہی میں مر جاتا (۱۲)

جس نظامِ رحمت کے تحت شہد کی مکھیاں شہد بناتی ہیں اور درود و سلام کی برکت سے انسانوں کے لیے شفا کا اہتمام کرتی ہیں' وہ نظامِ رحمت جب چاہتا ہے' شہید کی نعش کی بے حرمتی نہیں کرنے دیتا۔

مجھے یاد نہیں کہ پہلی مرتبہ (۱۹۸۹ میں) یا دوسری مرتبہ (۱۹۹۱ میں) میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین میں ایک تتلی دیکھی۔ کئی بار۔ پتا نہیں' وہ تتلی کیا گزارش لے کر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں' کہاں سے حاضر آئی تھی' اور کیا کیا لے کر گئی ہو گی (۱۳)

حواشی

☆ ۱ - دو قرآن۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ص ۱۵۰' ۱۵۱

☆ ۲ - شہزاد انسائیکلوپیڈیا۔ ڈاکٹر محمد اکرم بھٹی۔ ایس ایس پبلی کیشنز' لاہور۔ ۱۹۸۵ء

ص ۳۵

☆ ۳ - الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ عبدالرحمان ابن جوزی۔ اردو ترجمہ از محمد اشرف سیالوی۔ ص ۲۸۷

☆ ۴ - نبیٔ رحمتؐ۔ ابوالحسن علی ندوی۔ مجلسِ نشریاتِ اسلام' کراچی۔ بار دوم۔ ۱۹۸۱۔ ص ۲۳۶

☆ ۵ - مشکوٰۃ المصابیح۔ باب فی المعجزات۔ فصل ثالث

☆ ۶ - نحل۔ ۱۶ : ۶۸' ۶۹

☆ ۷ - قرآنِ مجید اور دنیائے حیات : سائنس کی روشنی میں چند حقائق۔ محمد شہاب الدین ندوی۔ مطبوعہ کراچی۔ بار اول ۱۹۸۸۔ ص ۶۴' ۶۵

☆ ۸ - شفاء القلوب۔ محمد نبی بخش حلوائی۔ اردو ترجمہ اقبال احمد فاروقی۔ مکتبہ نبویہ' لاہور۔ نقش دوم ۱۹۸۹۔ ص ۲۳۶

☆ ۹ - دو قرآن۔ ص ۱۲۶

☆ ۱۰ - خصائصِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا۔ سید محمود احمد رضوی۔ مکتبۂ رضوان' لاہور۔ ص ۵۲

☆ ۱۱ - ہفت روزہ "صدقِ جدید" لکھنؤ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۶۴

☆ ۱۲ - پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ص ۵۳۳' ۵۳۴ / رسالتمآبؐ (جمال حسینی کی "روضۃ الاحباب" کا اردو ترجمہ از مفتی عزیز الرحمان) ص ۲۰۴ / شواہد النبوت۔ عبدالرحمان جامیؒ۔ اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم۔ مکتبۂ نبویہ' لاہور۔ ص ۱۳۷' ۱۳۸)

☆ ۱۳ - سفرِ سعادت' منزلِ محبت۔ راجا رشید محمود۔ اختر کتاب گھر' لاہور۔ ۱۹۹۳۔ ص ۱۵۳ / ماہنامہ "نعت" لاہور۔ دسمبر ۱۹۹۲

عالمِ طیور

"اور کیا انھوں نے اپنے اوپر پرندے نہ دیکھے' پر پھیلاتے اور سمیٹتے۔ انھیں سوائے رحمان کے کوئی نہیں روکتا"۔ (۱)

کریسی موریسن لکھتا ہے' آپ پیغام رساں کبوتر کو پنجرے یا کابک میں بند کر کے' موٹر یا ریل کے ذریعے سیکڑوں میل دور لے جایئے۔ جب آپ اسے چھوڑیں گے تو وہ فضا میں دو چار چکر لگائے گا اور پھر تیر کی طرح اپنے گھر کا رخ کرے گا اور سیدھا وہیں پہنچ جائے گا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ جلّ وعلا کے نظامِ رحمت نے کچھ چیزیں طیور کی جبلتوں میں رکھ دی ہیں "گھونسلوں میں سے چرائے ہوئے پرندوں کے بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو حالتِ اسیری میں بھی اپنے گھونسلے اسی انداز میں بناتے ہیں جو ان کے آباؤ اجداد سے خاص ہوتا ہے"۔ (۳) گدھ بازوؤں کو ہلائے بغیر پہروں ہوا میں تیرتا رہتا ہے (۴) کبوتر' چڑیا' فاختہ وغیرہ نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے ہیں۔ حالانکہ ان کے بچے صرف دو دو ہوتے ہیں۔ مرغی کے بچے بہت ہوتے ہیں لیکن مرغا کوئی مدد نہیں کرتا (۴)

عجائباتِ عالمِ طیور کو بیان کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ زیرِ نظر مختصر تحریر کا معنیٰ یہ ہے کہ عالمِ طیور میں لاکھوں کروڑوں قسم کے پرندے ہیں۔ ہر پرندہ اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے اور حضور حبیبِ خداوندِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پرندوں کی ان سب رقسموں میں ہر ہر پرندے کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے ان کی فطرت میں پیدا خصوصیات بھی اگر تبدیل کرتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کبوتری ایک دن چھوڑ کر انڈا دیتی ہے لیکن جب غارِ

ثور کے منہ پر انڈے دینے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کے سسٹم میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور وہ دو انڈے دے دیتی ہے (۵)

حضرت عبدالرحمان کے والد عبداللہ بیان کرتے ہیں' ہم نے ایک پرندے کے دو بچوں کو پکڑ لیا۔ ماں آئی تو اس نے حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ حضورِ والا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا "اسے کس نے دکھ دیا ہے۔ اس کے بچے واپس رکھ دو" (۶)

مطلب یہ کہ عالم طیور بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے مستفید ہوتا ہے اور اس کی ہر اکائی بھی آپؐ کے تابع فرمان ہے۔

حواشی

☆ ۱ - الملک۔ ۶۷: ۱۹

☆ ۲ - خدا ہمارے ساتھ ہے (کریسی موریسن کی کتاب "مین ڈز ناٹ سٹینڈ الون" کا اردو ترجمہ از صلاح الدین احمد) طبع دوم۔ ۱۹۹۵۔ ص ۷۵

☆ ۳ - ایضاً"۔ ص ۹۰

☆ ۴ - دو قرآن۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ص ۱۳۱

☆ ۵ - ایضاً"۔ ۱۳۳

☆ ۶ - سفر سعادت منزل محبت۔ راجا رشید محمود۔ ص ۹۷

☆ ۷ - سراپائے اقدس۔ حکیم غلام نبی۔ ص ۹۰



عالم باد

ہوا کی دنیا کے بہت سے حصے ہیں۔ ہوا ہماری زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ نہ ہو تو جاندار زندہ نہ رہیں۔ ہوا کی مختلف صورتوں میں انسانوں کی اور دوسرے جانداروں کی بھلائی کی کئی شکلیں موجود ہیں۔ عالم باد کا رب بھی خالق کریم جل شانہ العظیم ہے اور اس عالم کے لیے بھی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہی نظام رحمت جس کے نتیجے میں ہوا جانداروں کے لیے رحمت کا باعث بنتی ہے' اگر اسے حکم دے تو وہ کسی کے لیے زحمت بھی بن سکتی ہے۔

غزوۂ خندق جو اسلامی تاریخ میں سب سے اہم اور نہایت ہی خطرناک جنگ تھی' جس میں کافروں کی چوبیس ہزار فوج نے تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ پر اس زور سے حملہ کیا تھا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔ ایسے نازک موقع پر پیر کے دن حضور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح مبین کی دعا کی (۱) اور ہوا نے لشکر کفار کو تہ و بالا کر دیا۔ امام ابو نعیم حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آ گیا' کافروں کی فوج کے خیمے اکھڑ گئے اور ان کے دیگچے چولھوں پر الٹ گئے۔ سردی میں ہوا کی تیز باڑھ نے بھی کفار کے دل کپکپا دیے (۲)

۴ ہجری میں قبیلہ رعل اور ذکوان نے ۶۸ قاریوں کو شہید کر دیا۔ ان میں حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے جنہیں جبار بن سلمی نے شہید کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت صحابۂ کرام کو ان کی شہادت کی خبر دے دی تھی (۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر عالم کے نظام رحمت کا مدار ہیں' آپؐ کے

نام لیوا بھی ہواؤں پر حکومت کرتے تھے۔ بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک طویل فاصلے سے لشکر کے سپہ سالار ساریہ کو آواز دے کر رہنمائی فرمائی' اور ہوا نے آنا" فانا" یہ پیغام پہنچا دیا (۳)

حواشی

☆ ۱ - المشاہد۔ حکیم رحمان علی' منشی نول کشور' لکھنؤ۔ ۱۹۰۶۔ ص ۱۱ / تاریخ المدینۃ المنورہ۔ محمد عبدالمعبود۔ ص ۳۳۲ / رسالتمآبؐ (جمال حسینی کی "روضۃ الاحباب" کا ترجمہ) ص ۲۵۳

☆ ۲ - مغازی الرسولؐ۔ واقدی۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۸۳۔ ۲۹۴ / الوفا باحوالِ المصطفیٰؐ۔ عبدالرحمن ابن جوزی۔ اردو ترجمہ از محمد اشرف سیالوی۔ ص ۲۲۳۔ ۲۲۵ / رسالتمآبؐ۔ ص ۲۴۱ ۔ ۲۵۵ / شبلی۔ سیرتُ النبیؐ۔ جلد اول / حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ محمد حسین ہیکل۔ ص ۲۱۱۔ ۲۲۳ / سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول۔ ص ۳۰۳۔ ۳۱۵ / سیرت الرسولؐ من القرآن۔ رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی۔ ص ۲۷۱۔ ۲۷۶ / معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ولید الاعظمی۔ ص ۷۵۔ ۸۰ / اصح السیر۔ عبدالرؤف داناپوری۔ ص ۱۳۶۔ ۱۵۱ / اسوۂ حسنہ۔ ابنِ قیم جوزی۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۳۵۔ ۲۵۰ / جوامع السیرۃ۔ امام ابنِ حزم ظاہری / عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ڈاکٹر رؤف اقبال۔ ص ۱۵۳۔ ۱۶۲ / جامع الصفات۔ سید محمود احمد رضوی۔ ص ۶۷

☆ ۳ - بخاری۔ کتاب المغازی / شہناز کوثر۔ حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت۔ ص ۷۹

☆ ۴ - معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۱۸۰' ۱۸۱

عالمِ آب

پانی ندی نالوں' چشموں' دریاؤں اور سمندروں میں ہوتا ہے۔ پانی بادلوں کے ذریعے برستا بھی ہے۔ پانی کی خصوصیت ہے کہ وہ بھاری چیز کو ڈبو دیتا ہے۔ پانی کبھی کسی کی انگلیوں سے نہیں پُھوٹتا۔ پانی کم ہو تو زیادہ نہیں ہو جایا کرتا' پانی کڑوا ہو تو کڑوا ہی رہتا ہے۔ لیکن حضور رحمتُ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاہیں تو پانی میں جو خصوصیات موجود ہیں' وہ زائل بھی ہو سکتی ہیں یا نئی خصوصیات جنم بھی لے سکتی ہیں۔

مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت زبیرؓ کے ساتھ یمن کے سفر پر تشریف لے گئے تو پانی میں ڈوبی ہوئی وادی میں سے پانی پر چل کر سب ہمراہیوں کو گزار دیا (۱)

مختلف مواقع پر پانی کم تھا یا نہ تھا' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ بہے (۲)

یہ بھی ہوا کہ کنوئیں کا پانی کڑوا تھا' حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لعاپ دہن کی برکت سے میٹھا ہو گیا (۳)

ایسے واقعات بھی کتبِ احادیث میں مذکور ہیں کہ کنوؤں کا پانی کم تھا' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمۃ للعالمینی سے اسے زیادہ کر دیا (۴)

ہجرت سے پہلے مکہ میں قحط پڑا تو مسلمانوں نے نہیں' کافروں نے حضور علیہ التحیۃ والثنا سے دعا کی درخواست کی اور پانی برسا (۵) بخاری کے علاوہ سُنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو آپؐ کے منبر سے اترنے سے پہلے مدینہ کا ہر پرنالہ زور شور سے بہنے لگتا تھا (۶)

اور کیوں نہ ہوتا کہ ابر تو ہمیشہ اس ڈیوٹی پر رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دھوپ نہ پڑے (۷) کیونکہ جو جو عالم اللہ کی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مستفید ہوتا ہے' وہ شکرگزار بھی ہوتا ہے اور شکرگزاری کا اظہار بھی کرتا ہے۔

حواشی

☆ ۱ - سیرتِ دحلانیہ۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۶۳' ۲۶۵ / شہناز کوثر۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن۔ ص ۴۳

☆ ۲ - صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' باب المعجزات / سیرتُ النبیؐ۔ جلد سوم۔ سید سلیمان ندوی۔ "پانی جاری ہونا" / شرفُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۴۳' ۲۴۷' ۲۴۹' / معجزاتِ رسولؐ۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۲۴۷' ۱۴۹

☆ ۳ - شرفُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۴۳

☆ ۴ - معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۲۹۸' ۱۷۲

☆ ۵ - صحیح بخاری۔ ابوابُ الاستسقاء

☆ ۶ - بخاری۔ ابوابُ الاستسقاء / سنن ابنِ ماجہ۔ ابوابُ الاستسقاء

☆ ۷ - انوارِ جمالِ مصطفیٰ۔ تقی علی خاں۔ ص ۱۰۹ / شواہدُ النبوت۔ اردو ترجمہ۔ ص ۴۳ / رحمۃ للعالمینؐ۔ سید محمد عابد۔ ص ۱۵۰ / سیرتِ رسولِ عربی۔ نور بخش توکلی۔ ص ۴۷ / انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۴۷ / سیرتِ مصطفیٰؐ۔ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ ص ۷۵



عالمِ آتش

ہم سب جانتے ہیں کہ آگ' جلانے کی خاصیت رکھتی ہے۔ کبھی کسی نے سنا ہے کہ کوئی کپڑا آگ میں پھینکا جائے اور وہ نہ جلے۔ کبھی ایسا ہوا ہے کہ انسان یا کسی بھی جاندار کے بالوں کو آگ دکھائی جائے اور بال صحیح سلامت رہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو آگ نے کوئی تکلیف نہ پہنچائی تھی مگر عام طور پر آدمی کو آگ میں پھینکا جائے تو ایسا کہاں ہوتا ہے کہ آگ اس کا بال بھی بیکا نہ کرے۔

لیکن میرے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام عالمِ آتش کے لیے بھی رحمت ہیں۔ جس نظامِ رحمت نے آگ میں جلا دینے کی صلاحیت کو منظم عطا کیا ہے' اگر وہی نظامِ رحمت یہ چاہے کہ اس کی یہ صلاحیت معطل ہو جائے تو اس میں تعجب کی ذرہ برابر گنجائش نہیں کہ آگ کسی چیز کو نہ جلائے۔

امام ابونعیم عباد بن عبدالصمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک نے کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا' کنیز جو رومال لائی وہ میلا تھا۔ حضرت انسؓ نے فرمایا' تنور کو جلا کر رومال اس میں ڈال دے۔ کنیز نے رومال تنور میں ڈال دیا اور دُھلا ہوا رومال تنور سے نکال لیا۔ حاضرین کے استفسار پر حضرت انسؓ نے بتایا کہ یہ وہ رومال ہے جس سے حضور پُرنور علیہ التحیۃ والثنا اپنا چہرۂ اقدس صاف فرماتے تھے۔ ہمیں جب یہ دھونا ہوتا ہے' اسے تنور میں ڈال کر اُجلا کر لیتے ہیں (۱)

نسیم الریاض میں ہے کہ عدیم ابنِ ظہور علوی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ مُوئے مبارک امیرِ حلب کو دیے' اس نے نسبت کی سچائی پرکھنے کے لئے انہیں آگ میں ڈالا' اور وہ نہیں جلے (۲) امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ اسود بن قیس عنسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور ذوہیب بن کلیب اور ابومسلم خولانی کو

انکار کرنے پر آگ میں ڈلوا دیا' آگ نے انھیں کوئی ایذا نہیں دی (۳)

"اشعۃ اللمعات" میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو کفار نے عشقِ نبی (علیہ السلام والثنا) کی پاداش میں آگ میں پھینک دیا لیکن آگ نے انھیں نہیں جلایا (۴)

امام نسائی پر بچپن میں ہنڈیا گر گئی۔ ان کا جسم جل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ہاتھ سے چھُوا اور لعابِ دہن لگایا تو بالکل ٹھیک ہو گئے (۵)

شکاری نے مچھلی پکڑی۔ مچھلی نے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ شکاری تین دن تک پکانے کی کوشش کرتا رہا لیکن آگ نے اس پر کچھ اثر نہ کیا (۶)

دیکھ لیجیے آگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبتوں تک کا احترام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کیوں نہ ہو' آقائے ہر کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ سے کسبِ رحمت جو کرتی ہے!

حواشی

☆ ۱ ۔ الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ جلال الدین سیوطی۔ اردو ترجمہ از راجا رشید محمود و سید حامد لطیف۔ حامد اینڈ کمپنی' لاہور۔ س ن۔ ص ۱۳۲ / جامع الصفات۔ سید محمود احمد رضوی۔ ۱۰۳ / معجزاتِ مصطفیٰ۔ محمد شریف نقشبندی۔ ص ۲۸ (انھوں نے مواہب اللدنیہ' انوارِ محمدیہ' اور خیر البشرؐ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے) معجزاتِ خاتم المرسلینؐ۔ قمر یزدانی۔ ۱۹۸۳ / معجزاتِ رسولؐ۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۱۰۶' ۱۰۷ (انھوں نے مثنوی مولانا روم کے حوالے سے لکھا ہے)

☆ ۲ ۔ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ احمد سعید دہلوی۔ ص ۱۰۶

☆ ۳ ۔ الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ اردو ترجمہ۔ ص ۱۳۱ / جامع الصفات۔ ص ۱۰۲

☆ ۴ ۔ اشعۃ اللمعات۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۹ / معجزاتِ خاتم المرسلینؐ۔ ص ۴۱

☆ ۵ ۔ انوارِ محمدیہ' (المواہب اللدنیہ کی تلخیص کا اردو ترجمہ) ص ۳۷۲

☆ ۶ ۔ شفاء القلوب۔ نبی بخش حلوائی۔ اردو ترجمہ۔ ص ۲۵۵' ۲۵۶

اختتامیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے لیے عالمین کو تخلیق کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اس نے انھی کی خاطر بلند فرما دیا۔ جہاں جہاں اپنی ربوبیت قائم کی' وہاں وہاں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کا عَلَم لہرا دیا۔ اس نے ہر عالم اپنے نظامِ رحمت کی بنیاد پر تخلیق کیا۔ وہ عوالم جو دنیائے انسانیت کے علم میں آ گئے ہیں اور وہ دنیائیں' انسانیت ابھی تک جن کے وجود سے ناآشنا ہے' ان سب میں کار فرما نظامِ رحمت کا قرآنی نام رحمۃ للعالمین ہے' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

عالمِ اجرامِ فلکی میں کوئی سیارہ کسی دوسرے سیارے سے نہیں ٹکراتا' سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں' ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ گردشوں میں مصروف ہیں' لیکن اس ساری تنظیم و ترتیب کا ذمہ دار نظام اگر چاہے تو ڈوبے ہوئے سورج کو واپس بلا سکتا ہے' مناسب سمجھے تو چاند کو کھلونے کی طرح استعمال کرے' چاہے تو اس کے دو ٹکڑے کر دے' پھر جوڑ دے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ ملائکہ کے لیے رحمت ہیں تو ملائکہ ان کی خدمت پر مامور کیوں نہ دکھائی دیں' آپ عالمِ جنات کے لیے رحمت ہیں تو جن آپ کے احکام کی تعمیل میں کوشاں کیوں نہ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سماوات کے لیے رحمت ہیں تو ان کی سیر کیسے نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمِ نباتات کے لیے رحمت ہیں تو درخت آپ کا حکم کیوں نہ بجا لائیں' آپ کو دیکھ کر سجدے میں کیوں نہ گر پڑیں' آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار انسانوں کی طرح کیسے نہ کر گزریں۔ حضور حبیبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا حیوانات کے لیے رحمت ہیں تو ان کی فریادیں کیوں نہ سنیں' ان کی داد رسی کیوں نہ کریں' خونخوار درندے تک آپ کے آگے سر خم کیوں نہ نظر آئیں بلکہ آپ کے نام لیواؤں کے سامنے خمیدہ سر کیوں نہ

دکھائی دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عالم ارض کے لیے رحمت ہیں تو زمین آپ کی نسبتوں کی تکریم کیوں نہ کرے۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں کوشاں کیسے نہ ہو۔

ان کے علاوہ عالم جمادات ہے تو وہ اپنی خلقت کے باعث حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پہاڑ ہو تو اس کا زلزلہ تھم جاتا ہے' پتھر ہوں تو پاؤں کے نیچے نرم ہو جاتے ہیں۔ کنکر ہوں تو مٹھی میں بول پڑتے ہیں۔

عالم طیور کی باسی چڑیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور فریاد کرتی ہے' کبوتر غارِ ثور میں انڈے دے دیتے ہیں کہ کفارِ قریش کا راستہ بند کر دیا جائے۔ شہد کی مکھی گزارش کرتی ہے کہ شہد لے لیں۔ حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں عالم بادیوں اپنا آپ دکھاتا ہے کہ جنگِ خندق میں کفار کے خیمے اکھڑ جائیں اور وہ بھاگ جانے پر مجبور ہو جائیں۔ وہ رومال جو میرے آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استعمال شدہ تھا' حضرت انسؓ بن مالک تنور میں ڈال کر دھو لیا کرتے تھے اور عالم آتش بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کا احترام کرتا تھا۔ عالمِ آب کی سوچیں تو وہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو یوں سلام کرتا دکھائی دیتا ہے اور یوں ان کا حکم مانتا ہے کہ مقدس انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں' کھاری اور کڑوا پانی میٹھا ہو جاتا ہے' ٹھوکر سے پانی پھوٹ بہتا ہے۔ دنیائے انسانیت میں رحمۃ للعالمینی کا اثر زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے کیونکہ یہ عالم وہ ہے جس میں ہم بستے ہیں' یہاں کے احوال سے ہم زیادہ آگاہ ہیں۔

ہر عالم کا فرض ہے کہ وہ جن کی رحمت سے مستفید ہوتا ہے' ان کے گُن گائے' ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے ۔۔۔ اس میں کوتاہی نہ کرے۔

انسانوں پر یہ فرض زیادہ ہے ۔۔۔۔۔۔ اور مسلمانوں پر سب سے زیادہ ہے۔